تعلیمات و برکات نبوت صلی اللہ علیہ وسلم

اقتباسات از خطبات

امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

مؤلف : سید عبدالودود شاہ اخوندزادہ

نام کتاب: تعلیمات و برکات نبوت ﷺ

مؤلف: سید عبدالودود شاہ اخوندزادہ

اہتمام: محمد اسلم

اشاعت: اول (2002ء)

تعداد: ایک ہزار

ناشر: الخیر پبلیکیشنز

اے۔ٹی۔ایم بلڈنگ، پل کوریاں، سمندری روڈ،

فیصل آباد۔فون: 668819

مطبع: میٹرو پریس، لاہور

قیمت: -/150 روپے

انڈکس

نمبر شمار	عنوان	صفحات

ابتدائیہ

سلوک و تصوف کیا ہے؟ اس کی بے شمار تعبیریں اور تفسیریں ہیں مگر سب کا حاصل ایک لفظ ہے "محبت"

اگر کوئی تعبیر چاہے تو اس ایک لفظ کی اور تفسیر ضروری ہے تو صرف اس کی۔ دنیا میں اپنی غرض اور ضرورت کے لئے تعلق کو بھی محبت کہا جاتا ہے مگر یہ خوشامد کی ایک ذرا معزز سی قسم ہے، محبت نہیں۔ کسی کے اوصاف اور کمالات سے بھی محبت کی جاتی ہے یہ محبت کی ادنیٰ قسم ہے کہ اس میں قربانی کا عنصر شامل ہے، کسی کو کسی کے گانے سے محبت ہے تو وقت بھی دے گا سرمایہ بھی لگائے گا۔ اسی طرح کسی کے مال عہدے یا جمال سے محبت میں بھی ایک حد تک قربانی کرنا پڑتی ہے اس سے آگے ایک درجہ محبت کا ہے بے لوث اور بے غرض محبت ہے۔ یہ بڑی عجیب شے ہے اور اس میں صرف محبوب کا وجود اور اس کی بقا کی آرزو ہوتی ہے اور بس۔ قربانی تو خیر ایک الگ شے کا نثار کرنا ہے یہاں اپنی ذاتی خواہشات اور تمناؤں کا خون ہوتا ہے اور سب کچھ نچھاور ہو کر پلے کچھ نہیں بچتا مگر یہ سب ایسی باتیں ہیں جنہیں کمال نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ یہ سب کسی نہ کسی سے پہلو کمزوری کہی جا سکتی ہیں۔ ایک درجہ اس سے آگے ہے جس میں ہر گھڑی ہر لمحہ انتظار رہتا ہے کہ محبوب پہ کیا نچھاور کروں، کیا قربان کروں۔ مال کی حیثیت ہی کیا آبرو تک قربان اور آخر کار نہ صرف جان بلکہ ذات تک نچھاور ہو جاتی ہے لوگ اسے پاگل پن سمجھ کر جنون یا مہذب لفظوں میں عشق کہہ دیتے ہیں مگر حق یہ ہے کہ یہ

سلوک ہے۔ یہی تصوف ہے۔

اب اللہ کی ذات لاشریک ہے اور اس کے کام اپنے ہیں۔ اگر مخلوق کا معاملہ ہوتا تو پہلی قسم کی محبت جو اغراض ذاتی کے لئے ہے مستوجب سزا ہوتی مگروہ کریم اس پر بھی مغفرت کا وعدہ فرماتا ہے اور اس کی مغفرت کتنا بڑا انعام ہے اس کا اندازہ اس ارشاد ربانی سے کیا جا سکتا ہے کہ فرمایا۔ (ترجمہ) "جو دوزخ سے بچ گیا وہ جیت گیا"۔ ومن زحزخ عن النار فقد فاز۔ دوسری محبت جو اوصاف و کمالات سے ہے اس کا درجہ اس سے بہت بہتر اور افضل ہے بلکہ دونوں کی دعوت دی گئی ہے اپنے احسانات یاد کروا کر اور اپنے کمالات کا تذکرہ فرما کر۔ اس سے بلند مقام وہ ہے جہاں قربانیاں دی جاتی ہیں۔ جن باتوں میں کتاب اللہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریف و توصیف فرمائی اور انہیں قرآن کا مثالی مسلمان قرار دیا اور پھر وہی لوگ اس مقام سے بلند ہو کر صدیقؓ و فاروقؓ بنے اور محبت و ایثار کے اس مقام بلند پر پہنچے کہ ان کی اگلی نسلوں نے بھی کتنی کربلائیں سجائیں مگر یہ سب کچھ از خود نہیں ہوتا ورنہ ایسے لوگ بعثت عالی سے قبل بھی ملتے اور بعثت عالی سے جو عظیم تبدیلی ان مقدس وجودوں میں آئی وہ یہ تھی "ثم تلین جلودھم و قلوبھم الی ذکر اللہ ان کا ہر ذرہ بدن ذاکر ہو گیا جس نے معرفت باری پیدا کی، محبت الٰہی عطا کی اور عشق الٰہی تک پہنچایا بالکل یہی طریقہ وارثان برکات نبوت کا ہے اور اس میں وقت اور افراد کی حیثیت کے مطابق وہی جلوہ یا اسی جلوے کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس کے حصول کا طریقہ و سلیقہ ضرورت و اہمیت پر زیر نظر کتاب میں مولف نے نہایت عرق ریزی سے مضامین و مقالات کا گلشن سجا دیا ہے۔ رب جلیل ان کی اس محنت پر اجر عظیم عطا فرمائے اور اسے اپنے بندوں کی رہنمائی کا سبب بنائے۔

الداعی الی الخیر ناچیز امیر محمد اکرم اعوان

دار العرفان چکوال (28 ربیع الاول 1422 ہجری 21 جون 2001ء)

پیش لفظ

کوئی بھی سالک جب طلب لے کر کسی بھی سلسلہ تصوف میں داخل ہوتا ہے' تو بنیادی طور پر چند شکوک و شبہات اس کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ جو اس کے قلبی و ذہنی خلجان کا سبب بنتے ہیں۔ اس خلجان کو دور کرنے کے لئے وہ ان کے موثر جواب تلاش کرنا چاہتا ہے۔ اگرچہ ان سوالات کے حل کے لئے مناسب ہستی شیخ ہی کی ہوتی ہے' مگر بوجوہ وہ شیخ سے تفصیلی گفتگو نہیں کر سکتا جس سے سالک کی علمی تسکین نہیں ہوپاتی۔ اس لئے اگر وہ سلسلہ کے معمولات کو ڈٹ کر بھی کرتا ہے تو اس ذہنی و قلبی خلجان کے باعث سالک کے مجاہدات پر وہ اثرات مرتب نہیں ہوپاتے جو عام طور پر ہوتے ہیں۔

سالک کے قلب و ذہن میں پیدا شدہ ان شکوک و شبہات کا جائزہ اگر لیا جائے۔ تو ان کو مندرجہ ذیل بڑے عنوانات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(1) سلاسل تصوف کی حقیقت اور سند کیا ہے۔

(2) نسبت اویسیہ کی حقیقت کیا ہے۔

(3) حصول سلوک کے ضروری شرائط اور لوازم کیا ہیں۔

(4) شیخ کی اہمیت اور ضرورت کیا ہے۔ اور ایک خاص شخص سے ذکر سیکھنے کی ضرورت کیا ہے۔ جب سب کچھ کتابوں میں موجود ہے۔

(5) برکات نبوت سے کیا مراد ہے۔

(6) قلب و روح اور دیگر لطائف کی کیا اہمیت ہے۔
(7) تصوف کا حصول کیونکر ضروری ہے۔
(8) ذکر اللہ کی کیا اہمیت ہے اور ہم اپنے سلسلہ عالیہ میں اس طرح ذکر کیوں کر رہے ہیں۔
(9) کشف و مشاہدہ کی نوعیت اور حقیقت کیا ہے۔

اگر سالک ان عنولنات کا بغور مطالعہ کریں تو در حقیقت اس نے آدھا سلوک طے کر لیا۔ اب بلا خلجان قلب و ذہن تعلیمات شریعت پر کاربند ہوتے ہوئے شرائط سلوک سے لیس ہو کر، سلسلہ کے معمولات پر اپنی ہمت و استعداد کے مطابق عمل کر کے سلوک کے مقامات اعلیٰ کو پا سکتا ہے۔

یہی شکوک و شبہات میرے ذہن میں بھی تھے۔ جن کے جوابات تلاش کرنے کے لئے میں نے بے شمار سہارے ڈھونڈے اور بے شمار ذریعوں سے اس کا جواب حاصل کرنے کی کوشش کی۔ مگر شیخ کے سوا ہر سہارا کمزور نکلا کیونکہ ہر ذریعہ کا جواب اس کے مزاج اور علم کے مطابق ہوتا جس سے تسکین کے بجائے خلجان زیادہ ہوتا۔ کئی دفعہ میری موجودگی میں اگر کوئی سالک حضرت شیخ المکرم سے کوئی سوال پوچھتا تو حضرت صاحب مد ظلہ العالیٰ اس کا مختصر جواب دینے کے بعد فرماتے۔ "کہ آپ المرشد پڑھا کریں۔ اس میں ہر سوال کا تفصیلی جواب موجود ہے اور المرشد ایک ایسا روحانی رسالہ ہے کہ یہ کبھی پرانا نہیں ہوتا۔" تو حضرت مد ظلہ العالیٰ کے اس مشورہ کو میں نے اپنے لئے حکم سمجھا، اور اللہ کا نام لے کر المرشد 1979ء تا 2001ء کا مطالعہ شروع کیا۔ اس مطالعہ میں واضح ہو گیا کہ المرشد میں حضرت مد ظلہ العالیٰ کے لکھے ہوئے مضامین سلسلہ عالیہ کے لئے ایک MANUAL کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کا حسب فراغت مطالعہ سالک کے لئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ المرشد کے صرف پڑھنے سے ذہن و قلب کے سارے خلجان دور ہو گئے اور ایک قسم کی تسکین مل گئی اور اسی طرح سلسلہ عالیہ کے معمولات میں دل جمعی سے لگ گیا۔

اس کے علاوہ سالکین کے ہاں یہ دستور اور رواج رہا ہے کہ شیخ کی موجودگی میں صحبت شیخ کے مزے لوٹ رہے ہوتے ہیں اور غیوبت شیخ کی صورت میں شیخ سے منسوب تحریر اور تقریر اور واقعات کو پڑھ یا سن کر اپنی روح کو تڑپاتے ہیں۔ اور اس طرح شیخ کی غائبانہ توجہ

سے سیراب ہوتے ہیں۔ ملفوظات شیخ کی اہمیت اتنی مسلم ہے کہ زمانہ قریب کے ایک عظیم صوفی اپنے شیخ کے وطن کا نام سن کر' یا شیخ کے ہم وطن کو دیکھ کر وجد میں آجاتے تھے' یہاں تک کہ شیخ کے وطن سے منسوب کسی جانور کا جائے نماز دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ اس لئے یہ بات طے ہے کہ راہ سلوک میں شیخ کا تذکرہ ضرور فائدہ مند ہوتا ہے۔

اسی اصول کے پیش نظر میں نے طریق نسبت او یہ کنزالطالبین اور تعلیمات و برکات نبوت کے نام سے یہ تین کتابیں مدون کی ہے۔ جو فرمودات شیخ کا ایک گراں بہا خزانہ ہے۔ جن کے لفظ لفظ سے شیخ کی توجہ کے برکات عیاں ہے۔ حضرتؒ ہی کے فرمودات کو میں نے اپنی عقل و فہم کے مطابق مختلف ابواب میں جمع کیا ہے۔ جہاں تک حضرت مدظلہ العالی کے فرمودات کے الہامی ہونے کا تعلق ہے۔ میرا ایمان کی حد تک عقیدہ ہے کہ حضرت مدظلہ العالی کا فرمایا ہوا ہر لفظ الہامی قوت کا خزانہ لئے ہوئے موجود ہے۔ جس سے ہر کوئی بقدر استعداد فیض یاب ہو رہا ہے۔

اسی سوچ اور جذبے کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے المرشد سے ان فرمودات کو جمع کرنا ضروری خیال کیا۔ جو میرے خیال میں سلسلہ عالیہ کے لئے بطور MANUAL کا کام دے سکیں۔ اس سلسلہ میں حضرتؒ کی خصوصی توجہ سے یہ تینوں MANUAL چھپ گئے ہیں۔ اور آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔ پڑھئے اور بار بار پڑھئے۔ فوائد آپ پر خود بخود واضح ہوتے جائیں گے اور اگر پھر بھی آپ کی قلبی تسکین نہ ہونے پائے تو فوری طور پر شیخ المکرم مدظلہ العالی کو لکھئے۔ اگر سالکین ان کتابوں کو اپنے مطالعہ میں رکھیں تو منازل سلوک جلدی اور آسانی سے طے ہوں گے۔ انشاء اللہ۔

میری آپ سے یہی استدعا ہے کہ اس کتاب کو ایک بار پڑھ کر لائبریری کی زینت نہ بنائیں۔ بلکہ بار بار پڑھئے۔ اور اپنے اوپر لازم کرلیں کہ اس کتاب کا روزانہ حسب فراغت مطالعہ کرنا ہے۔ ہر مجلس ذکر یا تبلیغی اجتماع میں اپنے سے کوئی بات کرنے کی بجائے ان MANUALS سے حسب موقع پڑھئے۔ اور میں شیخ المکرم کے بھروسہ پر یہ بات کہتا ہوں کہ انشاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔

ایک بار بطور تاکید پھر یاد دلاتا ہوں۔ کہ جس طرح کسی محکمہ کا MANUAL پرانا نہیں

ہوتا اور ہر مسئلہ کے قابل قبول حل کے لئے MANUAL سے مراجعت کی جاتی ہے۔ اسی طرح انشاء اللہ یہ کتابیں بھی پرانی نہیں ہوں گی۔ اور ہر وقت اور ہر جگہ کے سالک کے لئے اس کا مطالعہ سود مند رہے گا۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اس کتاب کے جامع کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھئے۔

بندہ ناچیز

سید عبدالودود شاہ اخوندزادہ

پشاور

باب۔ 1

تعلیمات سلسلہ عالیہ

فرمایا۔ انشاء اللہ باقاعدگی سے معمولات ہوں گے' کوئی ایک دن رہے' دو دن رہے' اور میں پھر عرض کردوں کہ بنیادی اور ضروری بات یہ ہے کہ نماز اور وضو کے مسائل یاد کرے' نماز' ذکر معمولات باقاعدگی سے کریں' تلاوت قرآن کریم کو اپنا پہلا کام علی الصبح بنالیں۔ طلوع فجر سب سے پہلے کام ایک آیت پڑھ سکو' تو بھی پڑھ لو اگر کوئی بالکل ہی سمجھتا ہے کہ میں ایک لحہ بھی نہیں رک سکتا تو قرآن کریم کو کھول کر دیکھ ہی لو' چھوڑو نہیں' خالی نہ جانے دو۔ کسی بھی دن کی ابتداء اور افتتاح اللہ کی کتاب سے کرو' اس کا انجام انشاء اللہ بخیر ہوگا۔ کتاب اللہ کی مسلسل تلاوت سلوک کی جان ہے' کثرت سے درود شریف پڑھیں' درود شریف پڑھنے سے حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ رابطہ استوار رہتا ہے' اور یہ لطائف میں جان پیدا کرتا ہے۔ استغفار کم از کم سو بار روزانہ ضرور پڑھیں' ورنہ ہر نماز کے ساتھ کم از کم بیس دفعہ معمول بنالیں' کوئی دن استغفار سے خالی نہ جائے' کم از کم ایک سو بار ضرور پڑھیں۔ بے شمار کوتاہیاں بے شمار لغزشیں ہم سے ہوتی ہیں۔ اور ایک بات بنیادی طور پر یہ یاد رکھیں کہ وہ کام جس کی ذمہ داری' خدا' دین یا حضرت یا جماعت کی طرف سے لگ جائے' اسے ایک فریضہ سمجھ کر کریں۔

فرمایا۔ صوفیا نے ہمیشہ منتخب افراد کو ذکر قلبی سکھایا ہے' ہزاروں' لاکھوں افراد آتے تھے' کہیں وہ تسبیحات' تلاوت' نماز روزہ کا حکم دے کر' نیکی پر کاربند رہنے کی' یا مسنون ارشادات جو ظاہری اصلاح کیلئے ہوتے ہیں۔ وہ باتیں انہیں بتا کر' ان کے لئے دعا کر کے' انہیں کوئی تسبیحات مسنونہ متقدین صوفیا سے لے کر بتاتے۔ آج تک تصوف میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کو تمام صوفیا کا سرخیل اور سب سے بلند مقام پر تسلیم کیا گیا ہے آپ کے مریدوں یا متوسلین کی تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی ہے مگر آپ کے خلفا کی تعداد بہت کم ہے۔

فرمایا۔ سلاسل تصوف اولیاء اللہ سے ہمارے پاس مختلف طریقوں سے پہنچتے ہیں فیض وہی ہے محمد ﷺ کا۔ طریقہ ذکر یہ مقصد نہیں ہے' یہ ذریعہ ہے اور ذرائع مختلف ہیں' ذکر کرنے کا طریقہ کسی کا کچھ ہے' دوسرے کا اس سے قدرے مختلف ہے منزل ایک ہے گویا رستے اپنے اپنے ہیں تو اس طرح سے ہم جس سلسلے میں منسلک ہو جاتے ہیں' ہم پہ ضروری ہو جاتا ہے کہ سارے آداب اسی سلسلے کے ملحوظ رکھیں' یہ درست نہیں ہے کہ کوئی طریقہ کسی سلسلے سے اڑا لیں' کوئی کسی سے کوئی کسی سے تو اس طرح سے گویا ہم نے کسی سلسلے سے بھی کچھ بھی حاصل نہیں کیا اور ہم ہر طرف سے کٹ کر رہ گئے تو جس طرح احکام ظاہر میں ہم مختلف فقہی مکاتب فکر میں ایک ہی مکتب فکر پر اعتماد کرتے ہیں' ان کی بات پہ عمل کرنا پڑتا ہے اسی طرح سے یہ معاملہ اس سے نازک تر ہے' طریقہ ہائے ذکر ذرائع ہیں اور مقصود تو صرف ذکر ہی ہے اور ذرائع کے استعمال میں اپنے ہی سلسلے پر اعتماد کریں گے ورنہ فیض کسی بھی جگہ سے نہیں ملے گا۔

فرمایا۔ رب جلیل نے ایک بڑا قیمتی اور نادر نسخہ اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا کہ میرے ساتھ تعلق بڑھانے کے لئے' میری معرفت کو اپنانے کے لئے' رسول کے جاننے اور پہچاننے کے لئے آپ ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ کی غلامی کے لئے آپ ﷺ کے ساتھ عشق اور آپ ﷺ کے ساتھ محبت کے لئے دین کے غلبے کے لئے' دین کے واسطے ایک تدبیر ہے اور وہ یہ ہے کہ میرا ذکر بہت کثرت سے کیا جائے۔ زندگی میں جتنے کام تم کرتے ہو' ان سب میں سے زیادہ جو کام ہے' وہ میرے نام کو دہرانے کا ہے' کھڑے ہو بیٹھے ہو

لیٹے ہو' ہر حال میں ذکر کرو۔

فرمایا۔ اپنی بحثوں میں کہ تبلیغ اول یا ذکر یا تدریس افضل ہے' آپ سارے کام کیجئے جسے تبلیغ کرنا آتی ہے' وہ تبلیغ ہی کرے' اچھا کام ہے' جسے تدریس آتی ہے' تدریس کرے' اچھا کام ہے' ذکر کرتا ہے' کرے اچھا ہے جو کام جس شعبہ دین کا ہو سکتا ہے' کیجئے لیکن متحد ہو کر ظلم کے خلاف بھی اٹھئے' اس سے کسی کو استثنٰی نہیں ہے' نہ مبلغ کو' نہ ذاکر کو' نہ واعظ کو۔ یہ سب کی ذمہ داری ہے اللہ کریم ہمیں شعور عطا فرمائے' احساس ذمہ داری عطا فرمائے' جرات عطا فرمائے کہ ہم مفادات سے بالاتر ہو کر اللہ اور اللہ کی رضا کے لئے کام کریں۔

فرمایا۔ اللہ ہمیں نفس اور شیطان کے شر سے پناہ دے' ورنہ سوائے نبی علیہ السلام کے کوئی بھی معصوم نہیں ہے ہاں اللہ اللہ کرنے سے آدمی محفوظ ہو جاتا ہے ایک قسم کی حفاظت الہیہ اسے نصیب ہو جاتی ہے' قرب الٰہی کی وہ کیفیات کسی کے دل میں موجود ہوتی ہیں' تو ان کے ساتھ اللہ کی طرف سے حفاظت اور اللہ کی طرف سے ایک تائید نصیب ہو جاتی ہے' گناہ سے محفوظ ہو جاتا ہے' میرے اپنے ناقص خیال کے مطابق جتنے لوگوں کا اس کے ساتھ سابقہ پڑا ہے' ان سے کوئی بھی آپ کو ایسا نظر نہیں آئے گا' جو اپنے فیلڈ میں ناکارہ ثابت ہوا ہو بلکہ اللہ اللہ کرنے سے انہیں مزید قوت ملی۔

فرمایا۔ تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے وما ابری نفسمی ان النفس لا مارہ بسوء۔ کے موضوع پر اس آیت کریمہ کے تحت لکھا ہے کہ یہ نفس امارہ بسوئے کیا ہے' یہ عناصر اربعہ کے ملنے سے ظہور پذیر ہوتی ہے' جسم انسانی میں اربعہ عناصر آگ' مٹی' ہوا اور پانی ان کے ملنے سے ایک شے وجود پذیر ہوتی ہے' اسے نفس کہتے ہیں' یہ نفس حیوانی بھی کہلاتا ہے لیکن وہ فرماتے ہیں انسان صرف نفس حیوانی کا نام نہیں ہے' اس نفس حیوانی کے ساتھ عالم امر کے لطائف ملائے جاتے ہیں' من جانب اللہ قلب اور روح وغیرہ' ان لطائف کا مقام عرش سے بالاتر ہے یعنی جہاں تخلیق اور مخلوق کی حدود ختم ہو جاتی ہیں' جہاں سے دوائر شروع ہوتے ہیں' اسے عالم امر کہا جاتا ہے۔

پھر فرماتے ہیں عناصر اربعہ کے ملنے سے نفس حیوانی بنتا ہے اور نفس حیوانی کے محرکات ان عناصر اربعہ میں سے کسی ایک کے غلبہ سے ہوتا ہے۔ اگر انسان پر آگ کا غلبہ ہو تو

آگ کا اثر اس میں غضب' کبر بڑائی اور شہوات پیدا کرتا ہے۔ ان عناصر کے غلبہ سے طبیعت میں ان عناصر کی طبیعت کے مطابق اثر پیدا ہوتا ہے مثلاً" آگ کا اثر ہوتا ہے اگر انسان میں برے خیالات اور خبائث پیدا ہوتے ہیں' تو وہ مٹی کا اثر ہوتا ہے' جہاں ہوا غالب ہوتی ہے' وہاں انسان خطا اور ضلالت دکھاتا ہے' اس میں بے صبری' تلون مزاجی' ہوا و حرص اور بے انتہا خواہشات کا جو سلسلہ پیدا ہوتا ہے' یہ ہوا کا اثر ہوتا ہے۔ یہ چاروں عناصر اپنی اپنی خصوصیات کی طرف اسے کھینچتے ہیں جس کی وجہ سے نفس کبھی اس خانے میں ہوتا ہے' کبھی دوسرے خانے میں ہوتا ہے۔

لطائف عالم امر سے ہیں اور مخلوق ہونے کی حدود سے بالاتر ہیں' لطائف امر ربانی میں سے ہیں اور ان کی اصل اللہ کا امر ہے۔ جس طرح روح کی اصلیت کے بارے کہہ دیا گیا قل الروح من امر ربی روح اللہ کے امر سے متعلق ہے' اس سے آگے امر کیا ہے' امر اللہ کی ایک صفت ہے اللہ کی نہ ذات مخلوق ہے نہ اس کی صفات مخلوق ہیں تو یہ لطائف بھی اس کی ذات کا پرتو ہیں یا متعلق عالم امر سے ہیں اور انسان کے اس نفس کے ساتھ آمیزہ بنا دیا جاتا ہے' جس کی وجہ سے ان میں جان پیدا ہوتی ہے۔

فرمایا۔ والذاکرین اللّٰہ کثیرا" والذاکرات پھر انہیں ہر آن میرا ذکر نصیب ہو جاتا ہے اور جب لطائف منور ہو جاتے ہیں تو سب سے آخری بہت بڑا انعام جو بنتا ہے' اسی دنیا میں رہ کر آخرت کے لئے' قرب الٰہی کے لئے رضا الٰہی کے لئے اور ترقی درجات کے لئے سب سے بڑا رتبہ جو حاصل کر سکتا ہے' وہ ذکر دوام ہے۔ والذاکرین اللّٰہ کثیر والذاکرات اور کثرت سے ذکر کرنے والے مرد و خواتین اعداللّٰہ لھم مغفرۃ ان کے لئے اللہ کی بخشش منتظر ہے' ان سے کوتاہیاں بھی ہوتی ہیں' سستی بھی ہو سکتی ہے' غلطی بھی ہو سکتی ہے لیکن بخشش الٰہی تلافی مافات کے لئے ان کی راہ دیکھا کرتی ہے' لھم مغفرۃ" ان کے لئے ہے اللہ کی بخشش' واجرا" عظیما" اور بے پناہ' بڑا انعام۔

فرمایا۔ ذکر کی کثرت کا حکم بہت تاکیدی ہے' یہاں تک کہ میدان جنگ میں جاؤ تو اللہ تو حکم دیتا ہے کہ اذا لقیتم فئۃ۔ جب کسی کافر فوج سے مقابلہ آجائے' فاثبتوا جم کر لڑو واذکروا اللّٰہ اور اللہ کا ذکر لڑتے ہوئے بھی کثرت سے کرتے رہو ادھر لوگوں نے یہ سمجھ

رکھا ہے کہ صوفیا مخلوقات میں سب سے ناکارہ لوگ ہوتے ہیں جبکہ لڑنا تو کام ہی صوفیوں کا ہے' جہاد زیب ہی ان لوگوں کو دیتا ہے' جن کے دل ذکر الٰہی سے منور ہیں جبکہ دوسرے لوگ' میں دعویٰ سے کہتا ہوں' جن کے دل ذاکر نہیں ہیں' وہ لوٹنے کے لئے جاتے ہیں' وہ جہاد کے لئے نہیں جاتے' وہ کچھ دینے کے لئے نہیں جاتے' اپنے مفادات کے لئے جاتے ہیں۔

فرمایا۔ یہ دیکھو' کتنی الماریاں قرآن مجیدوں سے بھری پڑی ہیں' یہاں تو کوئی فحش گانا نہیں ہے تو یہ قرآن مجید ہماری اصلاح کیوں نہیں کرتا' اس لئے کہ ہمارے دل ذکر الٰہی سے غافل ہو گئے اور ہم نے بہانے ڈھونڈ لئے کہ خیر ہے جی' فلاں کام کر لو' وہ بھی ذکر کا متبادل ہے۔ میرے بھائی! ہر ایک کو حق حاصل ہے کہ وہ مجھ سے یہ اختلاف رکھے' جس طریقے سے آپ ذکر کرتے ہیں' ہم اس طریقے سے نہیں کرتے ٹھیک ہے' مانا بھائی! لیکن یہ کہنا آپ کا کہ ہم ذکر ہی نہیں کرتے' یہ خود کشی ہے اور اس کا کوئی جواز نہیں ہے' یہ قرآن کا انکار ہے' ذکر قلبی مومن مرد اور مومن عورت کو الگ الگ کر کے بھی کہا کہ یہ نہ ہو کہ صرف مردوں کے لئے فرض سمجھا جائے۔ فرمایا والذاکرین اللہ کثیرا" والذاکرات۔ کثرت سے ذکر کرنے والے مرد' کثرت سے ذکر کرنے والی عورتیں۔ اعد اللہ لھم مغفرت و اجرا" عظیما ان لوگوں کے لئے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے۔ اس لئے کہ انہیں کام کرنا' نیک عمل کرنا نصیب ہی تب ہو گا جب وہ ذکر کریں گے۔ اگلی آیت اسی بات کی تصحیح کر رہی ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ اچھی طرح یہ بات سن لو کہ اللہ کے ذکر سے دل اطمینان پاتا ہے اور اس اطمینان سے کیا ہوتا ہے۔ الذین امنو' ایمان کامل ہوتا ہے وعملو الصلحت۔ نیکی کرنے کی امنگ پیدا ہوتی ہے' بندے کا کردار تبدیل ہونے لگتا ہے' برائی سے نفرت ہوتی ہے' نیکی پر بندہ عمل پیرا ہو جاتا ہے اور پھر انجام یہ ہوتا ہے کہ طوبیٰ لھم۔ اللہ کہتا ہے کتنے خوش نصیب' کتنے مبارک ہیں ایسے لوگ! کتنے خوش بخت ہیں وہ لوگ' جنہیں ذکر قلبی نصیب ہوتا ہے' ذکر قلبی کے نتیجے میں ایک مضبوط ایمان نصیب ہوتا ہے اور مضبوط ایمان انہیں عمل صالح کی طرف لے جاتا ہے۔ فرمایا "وحسن ماب" ایسے لوگوں کا انجام بہت خوبصورت ہوتا ہے' دنیا کا بھی' موت کا بھی' برزخ کا بھی اور قیامت کا بھی۔ ہر معاملے میں ان کا انجام بہت حسین ہو جاتا ہے۔

فرمایا۔ معمولات کا اہتمام کریں۔ حلال رزق تلاش کرنا تو فرض ہے' حلال کے ساتھ طیب کی شرط بھی قرآن کریم نے لگائی ہے کہ حلال ہو' پھر طیب بھی ہو' پاک بھی ہو' اس کے بنانے میں پکانے میں پاکیزگی کا خیال ضرور رکھا جائے۔

فرمایا۔ خداوند کریم نے جہاں اپنی عظمت کی نشانیاں اپنی تخلیق کو فرمایا ہے کہ اللہ کی مخلوق اور اس کی تجلیات جو اس عالم میں ہر سو بکھری پڑی ہیں' خود آسمانوں اور زمینوں کا وجود اور ان کے عجائبات' یہ موسموں کا تغیر و تبدل دن اور رات کا آنا جانا یہ ایک ایسا مستقل اور مکمل نظام ہے' کہ کوئی ایک چیز کسی دوسری پر اور لیپ نہیں کرتی' کہیں سے کوئی شے اپنی حدود سے متجاوز نہیں ہوتی اور کہیں کوئی چیز اپنا کام کرنا بند نہیں کرتی۔ تو یہی ایک مثال اس کی عظمت کو جاننے کے لئے بہت بڑی دلیل ہے کہ اللہ قادر ہے' اس کی قدرت اس کا علم اور اس کی قوت کس قدر وسیع ہے کہ ایک ایک ذرے کو اس کی معلوم جگہ پر اللہ نے سجا رکھا ہے لیکن اس کو جاننے کے لئے اللہ کریم فرماتے ہیں' نشانیاں تو بہت بڑی ہیں اور بہت واضح ہیں لیکن اس کے سمجھنے کے لئے عقل و شعور کی ضرورت ہے۔ یہ نشانیاں اس کے لئے ہیں جو اولی الالباب ہیں' جو عقل رکھتے ہیں' جو صاحب لب ہیں' جن میں کچھ شعور ہے تو اللہ کریم فرماتے ہیں' کہ عقل مند لوگ یا صاحب لب کون ہیں' یہ وہ لوگ ہیں' الذین یذکرون اللہ قیاما و قعودا" وعلی جنوبھم- دانا تر وہ لوگ ہیں' جو ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں' کھڑے ہوں' بیٹھے ہوں' لیٹے ہوں' کسی حال میں ہوں' سفر میں ہوں' حضر میں ہوں' رات ہو' دن ہو' محفل میں ہوں یا تنہا ہوں' بازار میں ہوں یا صحرا میں ہوں' ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور پھر ذکر سے کیا ہوتا ہے' اس سے تفکر پیدا ہوتا ہے' یتفکرون فی خلق السمٰوت والارض- ان نشانیوں کا بحیثیت ایک نشان کے اور بحیثیت ایک آیت انسان کے ذہن میں یہ تصور ہی نہیں آسکتا جب تک وہ ذاکر نہ ہو اور انہیں ذکر دوام حاصل نہ ہو جب وہ اس تفکر کو پالیتے ہیں' ان کے ذہن میں یہ بات آجاتی ہے تو پھر وہ خود اس سے نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں' کہ اتنا بڑا نظام جو ہے' اس پر نتائج ضرور مرتب ہوں گے کبھی ہو نہیں سکتا کہ وہ اتنا مربوط نظام بنا کر آخر میں بغیر کسی نتیجہ کے اسے بکھیر دیا جائے' اسے ختم کر دیا جائے' اس میں کسی نیک کو نیکی کا اجر نصیب نہ ہو اور کسی بدکار کی برائی پہ کوئی سزا نہ ہو۔

اسی طرح ایک غلط فہمی یہ ہے کہ ہم اللہ اللہ کریں' تو سارے لوگ ہماری تعریف کریں۔ اللہ کریم فرماتا ہے' جو میری راہ چلتے ہیں' تو وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہوا ہے کہ نیکی کرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے طعنے بھی سہتے ہیں لیکن میری یاد سے میرے نام سے میرے قرب کی تلاش سے باز نہیں آتے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد موجود ہے کہ اللہ کا ذکر اس شدت سے کرو۔ حتی یقولون انه لمجنون کہ لوگ کہنے لگیں' اس کا دماغ خراب ہے' پاگل ہے ان ساری چیزوں کو دیکھا جائے تو جو تصور ہمارے ذہن میں گیا ہے کہ شاید ذکر کرنے' نیکی کرنے یا اللہ اللہ کرنے سے ساری مشکلیں بھی آسان ہو جائیں گی' لوگ بھی تعریف کریں گے' تو میرے خیال میں یہ تصور ہی غلط ہے' اس راستے میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے' اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے لوگ اس طرف نہیں چلتے بلکہ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ وقلیل من عبادی الشکور شکر گزار بندے بہت کم ہوتے ہیں۔

فرمایا۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ جب تو نے میری راہ میں محنت کو اختیار کیا' جب تو نے مخلوق کے بجائے خالق کا راستہ اپنایا تو نے محمد ﷺ کا اتباع کیا تو میں تجھے ہمیشہ' ہر لحہ' ہر آن' اپنی بارگاہ کی حاضری نصیب کروں گا' یا اللہ یہ حاضری کیسے ہو گی' اللہ کریم اس کا کون سا طریقہ ہے۔ فرمایا اذکر اللہ ذکرا" کثیرا۔ یہ چھوٹا سا دروازہ ہے' چھوٹا راستہ ہے سیدھی سی بات ہے' ہمہ وقت میرا نام اور تیرا دل ہو' میرا نام ہو اور تیرا خون ہو۔ میرا نام ہو' تیرے رگ و ریشے ہوں' کوئی لحہ خالی نہ جائے' کہ تیرے وجود میں میرے نام کی گونج نہ آ رہی ہو۔

فرمایا۔ میرے بھائی ذکر تو کرنے کا کام ہے' پوچھنے کا نہیں۔ ہم کب تک زندگی بھر مفتیوں سے پوچھتے رہیں گے ہمیں تو اس کی کبھی ضرورت نہیں رہی' پہلے دن سے اللہ کریم کا احسان ہے کہ اب تک کبھی اس بات کی ضرورت نہیں رہی کہ ذکر کے بارے میں فتویٰ پوچھتا رہوں' آپ حضرات اس پر توجہ دیں' دین الہیٰ کی طرف ذکر الہیٰ کی طرف۔

فرمایا۔ جو تسبیحات نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائی ہیں یا جس طرح تلاوت کا حکم دیا ہے یا جس طرح مختلف طریقوں سے نوافل مختلف اوقات سے ارشاد فرمائے ہیں' تو چاہئے یہ تھا کہ ذکر قلبی کے ساتھ جتنی ہمت ہو سکے' اتنا مجاہدہ کر لے کیونکہ اس کا مقام

اپنا ہے اور مجاہدہ کا مزا ہی جب آتا ہے' جب قلب ذاکر ہو' جب دل میں درد پیدا ہو جائے' دل میں حضوری پیدا ہو جائے تو اشراق چاشت اوابین پڑھنے کا لطف ہی تب آتا ہے۔ تو مناسب نہیں ہے کہ اس پہلو سے آدمی سستی کرے یا اذکار مسنونہ چھوڑ دے' تسبیحات چھوڑ دے۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ کا ذکر کرنے سے محمد رسول ﷺ کی اطاعت سے اس کی توفیق مل جاتی ہے' آپ کی غلامی کی توفیق مل جاتی ہے اور آپ ﷺ کی برکات سینے میں آجاتی ہیں' وہ دل میں پیوست ہو جاتی ہیں۔ قرآن کریم نے کم وبیش سات سو آیات میں نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے اللہ کریم نے نماز کو قائم کرنے اور اپنا ذکر کرنے کا حکم کہیں صراحتاً" اور کہیں اشارے سے قرآن کریم کی آٹھ سو چار آیات میں دیا ہے۔ قرآن کریم میں آٹھ سو چار آیتیں ایسی ملتی ہیں جو کبھی تو واضح حکم دیتے ہیں' جیسے اذکر اللہ ذکرا" کثیرا" الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ اور کبھی ذکر کی طرف اشارہ فرمادیا ہے ایسا نبی کریم ﷺ کو قرآن کریم میں خداوند تعالے نے حکم دیا ہے کہ آپ ان لوگوں کے پاس جا کر بیٹھیں' وہاں تشریف رکھیں' انہیں رونق بخشیں' جو اللہ کا ذکر کر رہے ہیں۔

فرمایا۔ الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا" وعلی جنوبھم کسی حال میں ہو' سو رہا ہو' لیٹا ہوا ہو' بیٹھا ہو' دفتر میں ہو' دکان میں ہو' بازار میں ہو' چل پھر رہا ہو' میدان جنگ میں ہو یا کسی ہوٹل میں کھڑا ہو' اللہ اللہ کر رہا ہو۔ اب آپ اندازہ فرمائیں کہ ان تمام حالتوں میں دو ہی کام ہیں جو رکتے نہیں ہیں' دو کام' انہیں روک نہیں سکتا' ایک سانس کا آنا جانا اور ایک دل کی دھڑکن۔ باقی جب آپ کسی سے بات کر رہے ہوں' تو ذہن اس طرف متوجہ ہو جائے گا' آنکھ ادھر متوجہ ہو جائے گی' آپ کچھ لکھ پڑھ رہے ہوں ہاتھ' آنکھ کان ذہن متوجہ ہو جائے گا لیکن سانس اور دل کا دھڑکنا یہ دونوں کام جاری رہتے ہیں باقی اعضاء کچھ بھی کریں' یہ اپنے کام میں لگے رہتے ہیں تو بزرگان دین نے اس آیت کریمہ کی تعمیل کے لئے دل اور سانس کی آمد وشد میں اللہ اللہ کو سمو دیا تاکہ ہر دھڑکن اللہ کے نام پر دھڑکے' ہر سانس اللہ کے نام کے ساتھ آئے اور یہی پاس انفاس ہے اور یہی ذکر قلبی ہے۔

فرمایا۔ یا ایھا الذین امنوا اذکر اللہ ذکرا" کثیرا" اپنے بندوں کا کس قدر خیال ہے رب العالمین کو۔ کس قدر شفقت ہے اپنی مخلوق پر۔ اللہ فرماتا ہے کہ اے میرے

ماننے والو۔ میرے نبی کے چاہنے والو۔ ذکر اللہ ذکرا" کثیرا" ہمہ وقت کثرت سے ذکر کیا کرو۔ ارکان دین میں سے عبادات جن کا کتاب اللہ نے حکم دیا ان کی حدود بھی متعین فرمائی ہیں' ان کا مخصوص طریقہ بھی مقرر فرمایا ہے مثلاً" نماز کے لئے وضو کا ہونا شرط ہے' وقت کا ہونا شرط ہے' قبلہ رخ ہونا شرط ہے' اسی طرح روزے کے لئے شرائط ہیں' اسی طرح زکوۃ کی شرائط' حج کی شرائط ہیں۔ ہر طالب علم کے لئے ذکر کو مامور بہ قرار دیا۔ اور ہمہ وقت کا ذکر ہے وضو ہے یا نہیں' ذکر کرو نہاؤ' تو ذکر کرو مغرب کو جا رہے ہو تو ذکر کرو حتیٰ کہ سو جاؤ تو بھی ذکر کرتے رہو' اور کثیر تو تب ہی ہو گا۔ ذکر کے لئے کوئی قید نہیں' کسی حالت' کسی صورت کی موسم کی' کسی عمر کی' مرد عورت کی کسی قسم کی کوئی قید رب العالمین نے نہیں لگائی' ہاں ایک قید ہے کہ وہ طریقہ' طریقہ نبوی کے خلاف نہ ہو۔

فرمایا۔ نعمت کا قدر شناسی سے بڑا گہرا تعلق ہے' ناقدری سے نعمت ضائع ہو جاتی ہے۔ انسان خطار کار ہے' گناہ کر سکتا ہے' اس سے کوتاہیاں سرزد ہو سکتی ہیں' لیکن خدارا۔ ناقدری کا گناہ نہ کریں' اس کی سزا بڑی سخت ہے' ناقدری کی جائے' تو یہ نعمت سلب ہو جاتی ہے اور جب سلب ہوتی ہے تو پھر وہاں اس کا پلٹنا محال ہوتا ہے دریا برد زمینیں مشکل ہی سے آباد ہوتی ہے۔ میری گزارش ہے کہ جو جی چاہے کریں' ہر فرد کا معاملہ اللہ رب الکریم کے ساتھ ہے' وہ بڑا غفور الرحیم ہے لیکن خدا کے لئے اس نعمت کی ناقدر شناسی نہ کریں' آپ نے قدر جانی تو یہ قیمتی دولت آپ کے پاس رہے گی ورنہ دنیا اور آخرت دونوں میں مصیبت بن جائے گی۔ یہاں گناہوں سے اور وہاں غضب الہیٰ سے بچیں' استقامت اپنالیں اور کبھی بھی ذکر الہیٰ کو نہ چھوڑیں۔

فرمایا۔ تو ذکر اذکار کے معاملے میں اس بات پر خصوصی نگاہ رکھنا پڑتی ہے اپنے آپ کو ہر وقت جانچنا پڑتا ہے کہ ذکر کرنے سے کیا میں اپنے آپ کو لوگوں پر بہت اچھا' بہت مقدس بہت بزرگ انسان ثابت کرنا چاہتا ہوں یا یہ ساری مزدوری اس لئے ہے کہ اللہ جل شانہ کی عظمت سے لوگ آشنا ہوں' اللہ کے احکام کا بول بالا ہو' اس کے دین کا نفاذ ہو اور مجھے بھی اس کی بارگاہ تک رسائی کی اجازت اور توفیق نصیب ہو جائے' یہ دھیان ہر آن رکھنا پڑتا ہے' کیونکہ دنیا دار ابتلا ہے' آزمائش گاہ ہے اور خصوصاً" سب سے مضر' سب سے خطرناک کسی

بھی انسان کے لئے اس کی شہرت ہوتی ہے اور خصوصاً" جب اس کے پیچھے کچھ لوگ لگ پڑتے ہیں' تو وہ اسے بہت اچھالتے ہیں' بہت شہرت دیتے ہیں اور ذاتی شہرت انسان کو تباہ کر کے رکھ دیتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو دوسروں سے الگ عام آدمیوں سے بالاتر اور فرشتہ قسم کی چیز سمجھنے لگ جاتا ہے اور یہ چیز بالآخر تباہی پر منتج ہوتی ہے کوئی شخص بھی معیار نہیں وہ پیر یا ولی یا شیخ ہے یا فقیر ہے۔ معیار صرف اور صرف محمد ﷺ کی بات ہے اور آپ ﷺ ہی شاہد عادل ہیں۔ باقی سب لوگوں کو اس معیار پر جانچے جائیں گے کہ وہ کس حد تک نبی کریم ﷺ کی غلامی کا حق ادا کرتے ہیں ان اکرمکم عنداللہ اتقکم۔ جتنا کوئی اطاعت کا حق ادا کرے گا اتنی ہی اس کی عزت اللہ کے نزدیک ہے خواہ وہ ظاہری اوصاف میں کتنا کمزور' کتنا غریب ہو۔

فرمایا۔ تقویٰ کوئی خاص حلیہ بنا لینے سے یا کوئی ایک خاص شکل اختیار کر لینے کا نام نہیں ہے' تقویٰ دراصل دل کے اس حال کا نام ہے' دل کی اس تبدیلی کا نام ہے' جہاں اسے جنون کی حد تک اللہ کی رضا کا خیال ہو اور وہ ہر اس کام سے بچنے کی کوشش کرے' جن میں اللہ کی ناراضگی کا ڈر ہو۔ اس کیفیت کو پانے کے لئے سب سے بڑا نسخہ اللہ کریم نے نبی کریم ﷺ کی ذات والا صفات میں سمو دیا تھا اور وہ یہ تھا کہ حضور ﷺ کی جس پر اک نگاہ پڑ گئی یا مومن کی نگاہ وجود اطہر ﷺ پر پڑ گئی' اس ایک نگاہ میں وہ صحابیؓ ہو گیا۔ صحابی ہونے کا مطلب یہ تھا کہ اس کے بدن کا ہر خلیہ اللہ کا ذکر کرنے لگ گیا' نہ صرف دل بلکہ اس کا گوشت پوست خون اور ہڈیاں بھی اللہ کے ذکر میں مصروف ہو گئیں ثم تلین جلودہم وقلوبہم الی ذکر اللہ کھال سے لے کر نہاں خانہ دل تک ذاکر ہو گیا' ہاتھ ذاکر ہے' آنکھ ذاکر ہے' پاؤں پٹھے اعصاب گوشت پوست ہڈیاں یہاں تک کہ انگ انگ ذاکر ہے۔ ہر ذاکر کو اللہ کی اطاعت کے خلاف لے جانا آسان نہیں ہیں' غلطی تو ہو سکتی ہیں' لیکن اس کو غلطی پر قرار نہیں آتا ہے اور یہی نسخہ یعنی ذکر اللہ کو اللہ نے ہمیشہ کے لئے تمام انسانیت کو بتا دیا۔

فرمایا۔ اللہ فرماتا ہے کہ میری یاد' میرا ذکر میری اطاعت ہے۔ فرمایا فاما یاتینکم منی ھدی۔ لوگو تمہیں زمین پر تو بھیج رہا ہوں لیکن میں تمہیں چھوڑ نہیں

دوں گا' وقتاً" فوقتاً" میرے احکام میری ہدایات تمہارے پاس پہنچتی رہیں گی فمن اتبع هدی فلا یصل ولا یشقی جو ان ہدایات کا' میرے احکام کا اتباع کرے گا وہ اس کائنات میں کھو نہیں جائے گا' تو وہ صحیح راستے سے بھٹکے گا نہیں۔ ولا یشقی اور وہ کبھی بے نصیب اور بدبخت نہیں ہو گا لیکن اس کے مقابلے میں ومن اعرض عن ذکری جس نے میرے احکام کو مانا نہیں' میرے احکام کو قبول نہ کیا' میرے احکام پر عمل نہ کیا' یا میری یاد ہی کو بھول گیا تو میں بھی اس کو بھول جاؤں گا اگرچہ ایمان صرف ذکر ہی کا ایک درجہ ہے' احکام کو سیکھنا ذکر ہی کا ایک درجہ ہے' دینی تعلیمات کو پانا ذکر ہی کا ایک درجہ ہے۔ حسن اسلام ہے' لیکن اگر کوئی ایمان ہی نہ لائے' تو وہ یادالٰہی سے کلی طور پر محروم ہو گیا۔ ایمان لایا مگر عمل کی توفیق نہ ہوئی تو کلی طور پر تو ذکر سے محروم نہ ہوا بلکہ ذکر کے معیار کو نہ پا سکا' اور حسن معیار کو پانے کے لئے ایمان' اس کے ساتھ علم' اس کے ساتھ عمل اور ان تینوں کے بعد پھر عملاً" وہ ذکر کہ کوئی لحہ اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو جائے۔

فرمایا۔ اللہ نے جہاں ذکر الٰہی کی اہمیت کو واضح فرما دیا اس کی برکات کے ساتھ اس کی ضرورت کا احساس بھی دلایا۔ یہ تو ایک پہلو تھا کہ ذکر کی برکات کتنی ہیں لیکن اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہمارے لئے بہت زیادہ ضروری ہے۔ جس طرح ہمیں سانس لینے کے لئے آکسیجن کی ضرورت ہے' اس سے بھی زیادہ ضروری ہے' کیونکہ ہمیں ایمان پر' نیکی پر قائم رہنے کے لئے اللہ کی یاد اور اللہ کے ذکر کی بہت زیادہ اور یاد رکھیں ذکر کی یہ کیفیات نبی کریم ﷺ کی عطا سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین نے حاصل کیں' صحابہؓ نے تابعینؒ' تبع تابعینؒ اور اہل اللہ نے سینہ بسینہ عمریں صرف کر کے یہ نعمت حاصل کی اور وہ بڑے خوش نصیب لوگ تھے' جو دوسروں تک پہنچا کر دنیا سے گئے بہت بڑا کام ہے' یہ اتنا بڑا کام ہے کہ کوئی دوسرا کام اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

فرمایا۔ بعض ذاکرین نے مجاہدے کئے اور عمریں بسر کر دیں مجاہدات میں لیکن تباہ ہو گئے ساری عمر کی عبادت پر اتنا سخت عذاب۔ اس لئے کہ دنیا میں بعض لوگ اللہ کی عبادت نہیں کرتے' اپنی خواہشات کی عبادت کرتے ہیں' نام اللہ کا ہوتا ہے' آدھی آدھی رات کو اٹھ کر ایسے لوگ میں نے بھی دیکھے ہیں جو اٹھ کر رات کو غسل کر کے نفل پڑھتے ہیں' تکلف اور

بڑا اہتمام عبادات کا کرتے ہیں لیکن حاصل پوچھو تو کوئی دنیوی خواہش ہوگی کہ اس وقت اٹھ کر اتنی رکعتیں پڑھنے سے یہ کام ہو جاتا ہے یعنی مقصد حصول دنیا ہوگا' تکمیل خواہشات ہوگا' حصول اقتدار ہوگا' شہرت کا حصول ہوگا' ناموری کا حصول ہوگا' اور بڑی عجیب بات ہے نماز اور روزے سے بندے کو ایک درجہ ذکر قلبی کا نصیب ہوتا ہے جب وہ اپنے دل سے اللہ کی واحدانیت کا اور نبی علیہ السلام کی نبوت کا اقرار کرتا ہے اقرار باللسان و تصدیق بالقلب۔ اگر قلب کی تصدیق ساتھ شامل نہ ہو تو زبان کا اقرار اسے منافق بنا دیتا ہے' جو کافر سے بھی بدتر ہے کہ دل نہیں مانتا' زبان سے کہتا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ لوگوں کو بڑے بڑے مشائخ کی صحبت نصیب ہوئی' لوگوں نے عمریں صرف کر دیں' ان کے ساتھ ذکر قلبی سیکھنے میں اور حاصل کیا ہوا کہ ہم پیر بن جائیں' چندہ جمع کر لیں' ہمیں دولت مل جائے' میں خلیفہ بن جاؤں' میں صاحب مجاز بن جاؤں' لوگوں کو پتہ چلے کہ اس کے منازل عرش پر ہیں' تو اس ذکر کا کیا فائدہ ہے۔

فرمایا۔ اوقات مقررہ پہ اٹھنا' اللہ اللہ کرنا' چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اللہ کو یاد رکھنا اور نہایت خلوص کے ساتھ اور اپنی پوری محنت کے ساتھ ذکر کو جاری رکھنا یہ ہمارے ذمہ ہے' تو پھر آپ دیکھیں گے کہ کھلی آنکھوں سے یہاں ہی جنت دوزخ' یہاں ہی آخرت' حشر و نشر سب نظر آجاتا ہے' یہ ساری چیزیں عیاں ہو جاتی ہیں' اور تجلیات باری اور جمال محمد ﷺ نصیب ہو جاتا ہے لیکن اگر اپنی کوششوں میں کمی ہو' اپنے اعمال میں کمی ہو' اپنی نگاہ ہی کمزور ہو' اپنا حوصلہ ہی پست ہو تو آدمی کچھ بھی نہ کر سکے تو پھر کم از کم ان صوفیا کا ساتھ نہ چھوڑے' کم از کم ان کے دامن کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دے اور کبھی یہ نہ سمجھو کہ اس راستے پر چلنے والوں کو بہلانے والے' پھسلانے والے یا راستے سے ہٹانے والے ذرائع کبھی کم ہوں گے بلکہ شیطان کی پوری قوتیں ان لوگوں کو گرانے پہ صرف ہوتی ہیں اور کتنے بڑے جوانمرد لوگوں کو اس نے گرایا۔

دریں ورطہ کشتی فروشد ہزار
کہ پیدا نہ شد تختہ برکنار

فرمایا بکرۃ واصیلا سے مراد ہوتی ہے کہ دن رات صبح و شام ہر آن The Clock

Round ہروقت اللہ کاذکر کیا کرو اس قانون کو لے کر صوفیا نے یہ طریق اپنایا ہے کہ اللہ کا حکم ہے کہ میرا ذکر کرو ہمہ وقت کرو۔ اب اگر ذکر کو ہم دوام دے دیں اگر ہم یہ مجاہدہ کریں کہ ہر آن ہر لمحے ذکر کرتے رہیں تو ذکر چونکہ اطاعت الٰہی توقیر احکام الٰہی اور تعظیم رسالت ﷺ کا پھل ہے اور پھل بیج بھی ہوتا ہے اگر اس پھل کو دل کی سرزمین میں اس طرح بویا جائے کہ ہر وقت اس کی نگہداشت ہوتی رہے تو اس سے جو پودا پھوٹے گا وہ پھر اطاعت الٰہی اور عظمت الٰہی اور عظمت رسالت ہی کا درخت ہوگا جس پر ذکر ہی کا پھل لگے گا۔ یہ جو ذکر اذکار کئے جاتے ہیں اس سے مراد یہی ہوتی ہے کہ وہ توفیق ارزاں ہو جائے جو اللہ کے نزدیک کردار کو پسندیدہ بنا دے اللہ کے نزدیک ہمارے عقائد کو اس کے حکم کے مطابق بنا دے۔ اللہ کے ذکر سے یہ توقع رکھنا کہ اس سے میری شہرت ہوگی یا اس سے مجھے لوگ پارسا سمجھیں گے یا اس سے میں بزرگ اور پیر بن جاؤں گا یا اس سے میں دنیا کما لوں گا' یہ بہت بڑی حماقت ہے۔ ان سب کاموں کے لئے یا جھوٹ بولنے کے لئے یا فریب کرنے کے لئے اور بہت سے طریقے ہیں۔

فرمایا۔ اس دور میں لوگوں کے قلوب' لوگوں کے ذہن اور لوگوں کے دل اللہ سے اتنے دور جا چکے ہیں قلوب اتنے سیاہ ہو چکے ہیں' اتنے سخت ہو چکے ہیں' اتنے مادہ پرستی سے مغلوب ہو چکے ہیں' اتنے عیش و عشرت دنیا میں ڈوب چکے ہیں کہ اب صرف زبانی تبلیغ ان دلوں کو متاثر نہیں کر سکتی۔ یہ بڑی واضح اور عام فہم بات ہے' ہر آدمی سمجھ سکتا ہے کہ آج جتنی تبلیغ ہوتی ہے اس کا پہلے تصور بھی نہیں تھا کیونکہ لوگوں کے پاس یہ ذرائع نہیں تھے' یہ آج کے اخبار رسالے ریڈیو ٹیلی ویژن اور ذرائع ابلاغ یہ کہاں تھے' ان سب پہ تبلیغ ہوتی ہے لیکن اس کا اثر کیا ہوتا ہے' عملی زندگی میں کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جو لوگ تبلیغ کے لئے سفر کرتے ہیں' جب خود دین پر عمل کرنے کی باری آتی ہے تو عملی زندگی میں جب آتے ہیں حقوق کی بات جب آتی ہے' تو مار کھا جاتے ہیں' تو پھر کیا فائدہ ہوا۔ اس سے حاصل کیا ہوا کہ جو شخص خود دوسروں کو تبلیغ کرنے کے لئے پھر رہا ہے' وہ اپنے فرائض' اپنے حقوق میں کوتاہی کر رہا ہے' اس کی باتوں سے دوسروں کو کیا حاصل ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زبانی باتیں ہیں کیفیات قلبی نہیں اور آج کا انسان زبانی باتوں سے متاثر نہیں ہوتا' یہ آج کے انسان کی ضرورت تھی

کہ اسے قلبی کیفیات کی خوراک دی جاتی۔

فرمایا۔ مرد وہ ہوتے ہیں' جنہیں تجارت' خرید و فروخت' کاروباری دنیا' ذکر الٰہی سے روک نہیں سکتا نہ وہ ذکر کے بہانے اپنی محنت اور مزدوری چھوڑتے ہیں اور نہ محنت اور مزدوری کو ذکر کے چھوڑنے کا سبب بناتے ہیں۔ اہل اللہ کو صاحب حال اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ حالات پر حاوی ہوتے ہیں' اوقات پر حاوی ہوتے ہیں' ایک میزانیہ ہوتا ہے' ان کے پاس اہمیت کی ایک فہرست ہوتی ہے' ایک (Priority) لسٹ ہوتی ہے کہ کون سے کام کو اولیت دینا ہے' کون سا کام ہے جو اس کے بعد زیادہ ضروری ہے پھر کونسا کام ہے جو اس کے بعد زیادہ ضروری ہے۔ اب رزق حلال حاصل کرنا اور اس کے لئے کسب کرنا فرض عین ہے لیکن ایک فرض دوسرے فرض کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا۔ ذکر الٰہی زندگی ہے' زندہ ہوگا تو کاروبار کرے گا مردوں کا کیا کام کاروبار سے تو ان کا کاروبار' ان کی تجارت' ان کی مزدوری' انہیں ذکر الٰہی سے نہیں روک سکتی' اللہ کی عبادت میں یہ رکاوٹ نہیں بنتی زکوۃ ادا کرنے میں دولت کی محبت رکاوٹ نہیں بنتی' اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں دولت کی محبت رکاوٹ نہیں بنتی' مزدوری کرتے ہیں' کاروبار کرتے ہیں' پیسہ کماتے ہیں' دوسروں کے ساتھ کاروبار میں شریک ہوتے ہیں' اور جب دوسرے غافل ہوتے ہیں تو یہ اللہ کو یاد کر رہے ہوتے ہیں' جب دوسرے محروم ہوتے ہیں تو وہ اللہ کو سجدے کر رہے ہوتے ہیں جب دوسرے سود کھانے میں مصروف ہوتے ہیں' وہ زکوۃ ادا کر رہے ہیں۔ یہ سارا وہ اس لئے کرتے ہیں کہ انہیں یقین ہو گیا ہے رسول اللہ ﷺ کی خبر پر۔ کہ ایک دن اتنا ہیبت ناک ہوگا کہ آنکھیں پتھرا جائیں گی' دل الٹ جائیں گے' گھبرا جائیں گے تو وہ چاہتے ہیں کہ اس دن اللہ انہیں بہتر بدلے دیدیں' عزت دے' وقار دے' ان پر رحم فرمائے' ان پر کرم فرمائے اور اپنی مہربانی سے ان کی خطاؤں سے درگزر فرمائے جو کچھ وہ کر چکے ہیں' اس سے کئی گنا زیادہ انہیں عطا کرے۔

فرمایا۔ میری ناقص مطالعہ کے مطابق جو چیز ہم سے گم ہو گئی ہے وہ اللہ کے ساتھ قرب ہے۔ یہ تعلق اور اس تعلق کو Re-established کرنے کی ضرورت ہماری مجبوری ہے۔ قرآن حکیم نے اس کا طریقہ بتایا ہے' یہ بڑی عجیب بات ہے کہ قرآن حکیم نے اس حکم کو اتنی دفعہ دہرایا ہے کہ کوئی دوسرا حکم اتنی دفعہ نہیں دہرایا' اور وہ حکم اللہ کے ذکر کا ہے یعنی آپ

قرآن حکیم کھول لیں' کوئی صفحہ پڑھ لیں اس صفحے پر ذکر کرنے کا حکم مل جائے گا یا ذکر کرنے کا حکم ہو گا یا ذکر کرنے کے فوائد ہوں گے یا ذکر نہ کرنے کے نقصانات ہوں گے۔ پوری مسلمان قوم نے اجتماعی طور پر ذکر کو چھوڑ دیا ہے' اس کے لئے کہ اب ہمارے پاس ذکر کا کوئی Concept ہی نہیں رہا کوئی فرصت ہی نہیں رہی جو نماز پڑھتا ہے وہ بھی ذکر نہیں کرتا' جو تبلیغ کرتا ہے وہ بھی نہیں کرتا' جو حج کرتا ہے وہ بھی نہیں کرتا حالانکہ سب امور میں اللہ نے ذکر کا حکم فرمادیا ہے۔

فرمایا۔ رب کریم کی ساری تخلیق میں انسان ایک انفرادی حیثیت رکھتا ہے یوں تو اس کائنات بسیط میں ایک تنکے سے لے کر سورج جیسے عظیم جرم تک ہر ہر چیز اپنے اندر قدرت باری کی عظمت باری کے عجیب وغریب نشانات لئے ہوئے ہے اور اللہ نے ایک عجیب حد فاصل مقرر کی ہے کہ تخلیق باری میں اور مخلوق کی تخلیقات میں یہ ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ اللہ کی تخلیق اس جیسی چیز کوئی فرشتہ' کوئی انسان' کوئی ذی روح نہیں بنا سکتا' انسانی ذہن ہوائی جہاز تو بنا سکتا ہے' جدید طرز کے راکٹ تو بنا سکتا ہے لیکن ایک مکھی کا پر جن خصوصیات کا حامل ہوتا ہے جو مکھی کے ساتھ قدرتی طور پر پیدا ہو گا' ویسا کوئی مشین نہیں بنا سکتی' ایک چھوٹا سا گھاس کا تنکا مٹی میں جو اگایا جا سکتا ہے' کوئی مشین ان خصوصیات کی حامل نہیں بنا سکتی' اس کی نقل بنائی جا سکتی ہے جو بے حسن و بے جان کسی مسالے کی تار ہو گی' اس میں وہ خصوصیات نہیں ہوں گی' جو صنعت باری میں ہوں گی۔ یہ اتنی عظیم صنعت کا مدار اس کی بقاء' اس کی حیات ذکر الٰہی پہ ہے۔ اللہ نے اصول مقرر کیا ہے کہ' ایک چھوٹے تنکے سے لے کر سورج جیسے عظیم جرم تک' زمین سے لے کر آسمانوں تک کوئی شے بھی اگر اللہ کا ذکر چھوڑ دے تو وہ باقی نہیں رہتی یہ اللہ کا طے شدہ قانون ہے۔

فرمایا۔ حقیقتاً ہر وہ فعل ذکر الٰہی ہے جو اللہ کے حکم کے مطابق کیا جائے' خواہ وہ کوئی بھی شرعی امر اور منہیات کی پابندی ہو' اور ذکر مقابل ہے نسیان کا یا بھول کا۔ جس کام میں اللہ کی یاد ہو وہ کام اللہ کا ذکر ہے' کوئی کام کرتے وقت جب انسان کے دل میں یہ بات آئے کہ میں اس کام کو رب العالمین کے مقرر کردہ طریقوں کے مطابق کروں یا کسی کام کے کرنے سے اس لئے رک جاؤں کہ یہ کام کرنا اللہ نے منع کر دیا ہے تو یہ دونوں حالتیں ذکر کہلاتی ہیں' مزدوری'

ملازمت یا تجارت کوئی ذریعہ معاش بھی ہو' اس لحاظ سے کرنا کہ میرے اللہ کا حکم ہے یہ ذکر ہے۔

فرمایا۔ ذکر قلبی کا حکم قرآن میں موجود ہے تو اس لئے فرض ہے' ہم نے تاویلیں گھڑ لی ہیں ہم نے کہا یار! نماز پڑھنا بھی تو ذکر ہے' چلو ذکر کی تعمیل ہو گئی' یہ کوئی نہ کہتا ہے کہ ذکر قلبی کا حکم موجود نہیں ہے؟ بلکہ اس کی تاویلیں اس طرح کرتے ہیں کہ دیا جی نماز پڑھنا بھی تو ذکر ہے' اس حکم کی تعمیل ہو گئی۔ کسی نے کہہ دیا کہ کلمہ پڑنا تو ذکر ہے' اس کی تعمیل ہو گئی تسبیح پڑھنا بھی تو ذکر ہے' اس حکم کی تعمیل ہو گئی لیکن اس کو آپ اس کلمے سے' نماز' روزے کیسے مراد لیں گے' جب اللہ فرماتے ہیں لا یذکر اللہ تطمئن القلوب' واذاقضیت الصلوۃ فانتشر و فی الارض۔ اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو' دل کے ذکر کا حکم ہر فرض واجب موجود ہے' آپ جہاد پر ہیں اذالقیتم فئۃ فاثبتوا جم کر لڑو جب مخالف سے مقابلہ آجائے جہاد تم پر اس وقت فرض عین ہے لیکن ذکر کا حکم ہے' اس لئے اس کے چھوڑنے کا کوئی جواز نہیں ہے' ہم نے بہانے تراش لئے ہیں' اور حقیقت یہ ہے کہ جب سے مسلمان قوم سے من حیث القوم ذکر الٰہی چھوٹا ہے تو مسلمانوں کے صرف ڈھانچے رہ گئے ہیں اور کردار مسخ ہو گیا۔

فرمایا۔ آدمی جب درجہ احسان پر فائز ہوتا ہے تو اس کا ہر عمل اللہ کے روبرو ہو جاتا ہے' کہ کوئی لمحہ یاد الٰہی سے خالی رہتا نہیں' ہر آن اٹھتے' بیٹھتے سوتے جاگتے وہ ذکر الٰہی کرتے ہیں۔ اس لئے صوفیا نے کثرت ذکر کے حکم کو پورا کرنے پر یہ طریقہ اپنایا ہے کہ وہ قلب کو ذاکر بناتے ہیں کیونکہ جس درخت پر جو پھل لگتا ہے' اسی پھل کو اگر بویا جائے تو وہی درخت حاصل ہوتا ہے' اسی طرح اگر ذکر الٰہی کو اپنا لیا جائے تو اللہ کی مہربانی سے درخت اس سے اگ جائے گا اور جب ذکر کی برکت سے ایمان کامل نصیب ہو جائے' انسان ہر آن بارگاہ الوہیت کی حضوری سے مشرف ہوتا ہے۔ قرب الٰہی کی آسانی سے تعریف ہے۔

فرمایا۔ ذکر الٰہی سے بڑا کوئی شہد نہیں ہے' کوئی بڑا علاج نہیں ہے' اخلاقیات کا ایمانیات کا کردار سازی کا اس سے بڑی کوئی دوا نہیں۔ یہی حتمی دوا ہے الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب اللہ کریم نے اعلان کر دیا کہ کھلے کانوں سن لو' قلوب کے قرار اور بیماری

کا واحد علاج ذکر ہے اب اگر ہم ذکر بھی کرتے ہیں' اس پہ محنت بھی کرتے ہیں اور ہمارا کردار درست نہیں ہوتا ہے تو اس کا مطلب صرف یہ ہوگا کہ ہماری بیماری میں طاقت زیادہ ہے اور جو شہد یا جو دوا ہم کھا رہے ہیں وہ بہت کم ہے تو پھر اس کا علاج یہ ہے کہ یہ دوا یعنی ذکر الٰہی اور بڑھاؤ اور بڑھاؤ اور بڑھاؤ' اتنا زیادہ کرو کہ شہد ہی رہ جائے اور مرض کا نام نہ رہے یہی اس ارشاد باری کا مقصد ہے۔ واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا مجسم ذکر بن جاؤ۔ ذکر کے بغیر کچھ بچے ہی نہیں' تبتل یہ ہے کہ دل ودماغ میں سوائے اللہ ہو کے کچھ نہ باقی رہے' انقطاع ہو جائے ساری مخلوق سے اور صرف خالق سے رابطہ رہ جائے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ کا اتنا ذکر کرو کہ حتی یقول انہ المجنون۔ لوگ کہہ اٹھیں' اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے پاگل ہو گیا ہے مگر اس فانی دنیا کے لئے ہماری نمازیں چھوٹ جاتی ہیں' رزق حلال چھوٹ جاتا ہے' جھوٹ وتیرہ بن جاتا ہے تو کتنی کمی پیدا ہوتی چلی جاتی ہے علاج میں اور مرض کی دوا میں۔

فرمایا۔ میری گزارش یہ ہے کہ آپ اپنے مجاہدے میں کمی نہ ہونے دیں اذکار کو چھوٹنے نہ دیں معاملات میں راستی پیدا کریں' حلال اور سچ کو اختیار کریں' نیکی اور تقوی اختیار کریں اور اس کے ساتھ دعوت الی اللہ کا' دوسروں کو بلانے کا' دوسروں کو دعوت دینے کا کام جاری رکھیں اپنے معمولات اور اپنے اذکار پر پوری محنت اور پورے مجاہدے سے کریں۔

فرمایا۔ ہماری بنیادی دعوت یہ ہے کہ مسلمان دنیا کا ہر وہ کام کریں جس کو کرنے کی اجازت اللہ نے دی ہے' ان کے دین نے دی ہے' ان کے نبی نے دی ہے لیکن اس کے ساتھ اپنے آپ کو تائید باری کے قریب لے جانے کے لئے' رحمت باری کے قریب لے جانے کے لئے' اللہ جل شانہ کی تائید کو اپنے شامل حال کرنے کے لئے ہمارے ذکر کا طریقہ ہے' جو قرآن ہمیں سکھاتا ہے' اللہ کا نبی بھی سکھاتا ہے' اور وہ ہے ذکر الٰہی کی' اللہ کی یاد کا طریقہ ہے۔

فرمایا۔ کسی چیز کا اگر وجود ہے' تو وہ یقیناً" اللہ کا ذکر کرتی ہے' تسبیح بیان کرتی ہے اور جو چیز اللہ کی تسبیح بیان نہیں کرتی' اس کا وجود نہیں رہ سکتا لیکن اس کے ساتھ یہ ساری مخلوقات اللہ کی عظمت کا شعور نہیں رکھتیں' ان کی اطاعت صرف حکم کی اطاعت ہے یہ اطاعت پہ مجبور و بے بس ہیں' اطاعت کے علاوہ یہ کچھ کر ہی نہیں سکتیں' کمال اطاعت کی تو انہوں نے

حد کردی۔

فرمایا۔ یہ کوئی قاعدہ نہیں کہ دو دن چار دن ہم نے لطائف کیے' پھر بزرگ بن کر بیٹھ گئے کہ میری کمر میں درد ہوتا ہے' مجھے پسینہ آتا ہے' مجھے یہ ہوتا ہے مجھے وہ ہوتا ہے' کچھ بھی نہیں ہوتا اگر کرتے چلے جاؤ' طے کر لو' مجھے یہ کرنا ہے' کچھ بھی نہیں ہوتا اور اگر خدانخواستہ کوئی تکلیف ہوتی ہے' تو ہونے دو اور کونسا کام ہے' جس میں تکلیف نہیں ہوتی' ہم سفر کرتے ہیں تو تکلیف ہوتی ہے' کاروبار پہ جاتے ہیں تو تکلیف ہوتی ہے' باہر جاتے ہیں' مہینوں کا سفر کرتے ہیں' بیمار بھی ہو جاتے ہیں لیکن کیا ہم کاروبار چھوڑ دیتے ہیں' ملازمت چھوڑ دیتے ہیں' ہرگز نہیں اس لئے اگر اللہ اللہ کرنے سے تکلیف ہوتی ہے تو دیکھا جائے گا' موت ہی آئے گی ناں' تو آنے دو۔ مرنا تو ہے' اگر اللہ اللہ کرتے موت آتی ہے تو آنے دو۔ بات صرف اتنی ہے کہ قلب میں یہ جھاڑ و جھنکار اور یہ غلاظت کے ڈھیر' یہ بلائیں' اللہ اللہ کرنے سے مر جائیں' دل میں کچھ صفائی آئے' اس میں طہارت آئے' پاکیزگی آئے' نورانیت آئے' روشنی آئے اور اس قابل ہو سکے کہ کوئی لمحہ محبت رسول ﷺ کا بھی آئے۔

فرمایا۔ ہر سلسلے کا اپنا طریقہ ذکر ہے' اپنے اپنے سلسلے کا مراقبہ ہے' اپنے اپنے سلسلے کے اوراد و وظائف ہیں۔ وہ سارے درست ہیں وہ سارے صحیح ہیں سارے ثواب کے کام ہیں' لیکن اگر کوئی طالب ہو اور وہ کوئی بات کہیں سے اڑا لے کوئی بات دوسرے سلسلے سے لے لیں اور کوئی تیسری بات کہیں اور سلسلہ سے لے لیں گویا وہ سارے سلسلوں کی برکات سے محروم ہو گیا اس سلسلے نقشبندیہ اویسیہ کو' اس سلسلے کو اس فیض کے سلسلے کو اویسیہ اس لئے نہیں کہتے کہ یہ سلسلے حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سے ہیں بلکہ دراصل اخذ فیض کا طریقہ وہی ہے جو حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کا حضور ﷺ سے تھا انہیں اگرچہ صحبت جسمانی نصیب نہ ہوئی لیکن محبت کی کیفیت اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ایسی پیدا کر دی کہ سوائے جسمانی کے جس قدر فیضان نبوی تھا اس کی روح نے روح پاک محمد رسول ﷺ سے حاصل کیا۔ اس کے ناپنے کے لئے میرے پاس کوئی پیمانہ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ آپ دیکھ لیں آپ ﷺ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کبھی اس طرف جاؤ تو اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سے ملنا اور اسے میرا اسلام بھی پہنچا دینا اور اس سے کہنا کہ میری امت کے لئے دعا بھی کیا کرے' کہاں فاروق

اعظم رضی اللہ عنہ اور کہاں یہ بات۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تشریف لے گئے' انہیں تلاش کیا' انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلام پہنچایا' اور پیغام پہنچایا۔ کتنی عزت ہے اس شخص کی اور اس شخص کے مستجاب الدعوۃ ہونے کا عنداللہ مقرر ہونے کا کونسا ذریعہ تھا۔ دراصل وہ نسبت جو ان کی روح کو روح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل ہو گئی تھی' اس نسبت کا نام ہے نسبت اویسیہ اس کیفیت کا نام ہے' اس نسبت کا نام ہے' اس تعلق کا نام ہے' نسبت اویسیہ خواجگان نقشبندیہ رحمتہ اللہ تعالیٰ میں سے جنہوں نے اس نسبت کو حاصل کیا وہ نقشبندیہ اویسیہ کہلاتے ہیں۔ دراصل تمام سلاسل سے جو بھی منازل بالا میں پہنچتے ہیں' ان سب نے نسبت اویسیہ حاصل کی کیونکہ منازل بالا بغیر نسبت اویسیہ کے طے ہو ہی نہیں سکتیں زیادہ سے زیادہ فنا وبقاء سے سالک المجذوبی تک پہنچیں گے۔ اس سے آگے جب تک براہ راست آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیض نہ پہنچے' اس سے بالا روح پرواز نہیں کر سکتی تو جس سلسلہ کے خادم ہم ہیں اور جس میں اللہ کریم نے ہم پر اپنا کرم فرمایا ہے کہ باوجود ہماری بدکاری وبد اعمالیوں کے ہماری نالائقیوں اور ہماری کمزوریوں کے اس نے اپنی رحمت وشفقت سے اور محض اپنی رحمت سے ہمیں جن بزرگوں سے متعلق فرما دیا ہے یہ سلسلہ اویسیہ نقشبندیہ کہلاتا ہے۔ اس کے بھی اپنے طریقے ہیں' اپنا طریقہ ذکر ہے' اپنے اوراد و وظائف ہیں جس طرح آپ حنفی ہیں تو آپ کو امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ ہی کا حکم ماننا پڑے گا۔ اسی طرح اگر آپ نقشبندی اویسی ہیں تو آپ کو انہیں حضرات کا حکم ماننا پڑے گا تب جا کے بات بنے گی اور یہ صدق دل سے کرنا ہو گا خلوص قلب سے کرنا ہو گا چونکہ یہ کیفیات قلب سے متعلق ہیں اور جب قلب انکار کر دے گا تو قبول کون کرے گا۔ سلسلہ اویسیہ میں طریقہ ذکر پاس انفاس کا ہے اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ ذکر ہمارے سلسلے میں نہیں ہے مثلاً" کوئی کہتا ہے کہ میں زبان سے کرتا ہوں تو ضرور کرنے لیکن کسی ایسے سلسلے میں چلا جائے' جو بزرگ زبان سے ذکر کرتے ہوں تاکہ کم از کم وہ ان سے تو مستفید ہو سکے۔ اسی طرح سے کوئی کہتا ہے کہ جی میں سانس سے تو اللہ' اللہ نہیں کر سکتا کہ یہ سانس میں اللہ اللہ کرنے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے تو میں خیال سے کر لوں گا تو وہ بھی کٹ گیا سلسلے سے۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی آدمی قوی ہے صحت مند ہے' وہ قوت سے سانس لے سکتا ہے کوئی بوڑھا ہے' کمزور ہے' ضعیف ہے' اس طاقت

سے سانس نہیں لے سکتا' آہستہ آہستہ سے لے رہا ہے' لیکن طریقہ ذکر پاس انفاس ہی ہوگا سانس چل رہی ہے اور ہر سانس کی نگہداشت ہو رہی ہے اور ہر سانس ایک ریگ مال کی طرح قلب پر چل رہی ہے۔

انابت

فرمایا۔ جس دل میں اللہ کی طرف تڑپ پیدا ہو اسے ایسے لوگوں کی طرف پہنچا دیا جاتا ہے جو اطاعت گزار ہوں' مفسرین اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب کوئی دل اللہ سے ملنے کے لئے بے قرار ہوتا ہے تو اسے ایسے لوگوں کی صحبت میسر آجاتی ہے' جو اس کا نام لینے والے ہوں اور سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ کوئی ایسا سبب بہم پہنچ جائے کہ ہمیں قلبی طور پر حضور اکرم ﷺ سے وابستہ کردے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اس دنیا میں جتنی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں ان میں سب سے قیمتی نعمت یہ ہے' اس دنیا کی مار دھاڑ' چیخ و پکار اور ہاؤ ہو میں اگر کوئی ایسا ذریعہ میسر آجائے جو میرے اور آپ کے دل کا تعلق حضور اکرم ﷺ سے ملادے تو اس سے زیادہ قیمتی بات کوئی نہیں ہو سکتی۔

رسومات سلاسل

فرمایا۔ سلاسل تصوف کا اصل کام یہی ہے جہاں سے کامل اٹھتے ہیں وہاں ان کے بعد کمزور قابض ہو جاتے ہیں لوگوں کو رسومات میں الجھا دیتے ہیں اور اللہ کا راستہ دکھانے کی بجائے اپنی شخصیت کے طلسم میں گرفتار کرنے کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو نعمت عطا فرمائی ہے' وہ بہت قیمتی بھی ہے اور نایاب بھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں فرماتے ہیں کہ نسبت اویسیہ عجیب شے ہے' اس کے حامل کبھی دنیا میں ناپید ہو جاتے ہیں کہ اس طرح سے کہیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس دنیا میں سرے سے اس سلسلہ کا کوئی ولی کوئی رہا ہی نہیں لیکن یکایک چشمے کی طرح یہ نسبت پھوٹتی ہے اور صحرا اور دریا کو ایک کر دیتی ہے سب کو اس چشمہ' صافی پر پہنچا دیتی ہے۔ اس وقت یہ سلسلہ زمین کی تہوں سے نکل کر کائنات کے ذرے ذرے کو سیراب کرنے کے لئے آیا ہے' منبع پر پہنچنے والے خوش نصیب ہوتے ہیں' جس طرح یہ نعمت ہم تک پہنچائی گئی ہے ہمارا فرض

ہے کہ اسے انتہائی حفاظت سے رکھیں' اصلی صورت میں آنے والی نسلوں تک پہنچائیں' خدا نہ کرے کہ اتنی بڑی نعمت کے ہوتے ہوئے سستی قسم کی شہرت میں پڑ جائیں کہیں اس طرح ہم اپنی طرف سے آنے والی انسانیت کو محروم کرنے کا سبب نہ بن جائیں جتنی بڑی دولت یہ ہے اتنی ہی بڑی جواب طلبی بھی ہوگی۔

تصوف و توارث

فرمایا۔ تصوف اس شے کا نام ہے کہ توارث کے طور پر جو کیفیت صحابہؓ کی صحبت سے تابعیؒ کو تابعینؒ کی صحبت سے تبع تابعینؒ کو منتقل ہوئی' وہی کیفیت نسلاً بعد نسلاً لوگوں نے ان اہل اللہ کے پاس پہنچ کر جو اس کیفیت کے امین تھے اپنے دل کھول کر ان کے قدموں میں رکھ دیئے اور اپنی حیثیت کے مطابق اپنے دامن کو ان کیفیات سے بھر لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ توجہ حاصل کرنے کے بعد اس شخص کی زندگی اپنے لئے نہ رہی بلکہ اللہ کے لئے اللہ کے دین کے لئے تھی ان کے باطن میں ایک حسن آگیا' ان کے اعمال میں ایک حسن آگیا' ان کی زندگی میں ایک حسن آگیا' ان کی موت بھی حسین قرار پائی۔

کشف

فرمایا۔ باقی خوارق یا خلاف عادت یا کرامات جو ہیں' وہ مقصد نہیں ہوتے اور نہ یہ اسلامی تصوف ہے۔ دراصل جب دل منور ہوتا ہے تو اسے کچھ مشاہدات حاصل ہو جاتے ہیں یا کوئی عجیب طاقت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ مشاہدہ وہ طاقت بھی اسی کام میں معاون ہوتی ہے اور صوفی کا کشف و مشاہدہ محتاج ہوتا ہے حضور نبی کریم ﷺ کے ارشادات کا۔ اگر ان حدود کے اندر ہو تو تم پھر اعلام من اللہ ہوتا ہے اس لئے جب قلب صاف ہو جائے تو اس پہ جب مختلف چیزیں وارد ہوتی ہیں تو شیطان اور اس کی شیطنت اور اس کے چیلے بھی کوشش کرتے ہیں کہ ہم بھی اپنی بات مضبوط کر کے وہاں پھینک دیں تاکہ مشاہدات میں شک پیدا ہو جائے اور صوفی دھوکہ کھائے' مگر صوفی کے پاس معیار ہی ارشاد رسول ﷺ ہوتا ہے' اگر وہ حدود کے اندر ہے' تو وہ بات یقیناً" اللہ کی طرف سے ہے اور اگر صوفی کا کشف حضور ﷺ کے ارشاد سے ٹکراتا ہے' تو پھر اسے بات سمجھنے میں غلطی لگی یا پھر شیطان نے اس پر بات ڈالنے کی

کوشش کی تو ایسی چیز چھوڑ دینا چاہیے' نہ یہ کہ دل میں آنے والی ہر بات کے پیچھے یا نظر آنے والی شے کے پیچھے دوڑ پڑے۔

تصوف

فرمایا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کا نام آپ تصوف ہی رکھیں مقصد تو اس کیفیت کا حصول ہے ایک آدمی کو بھوک لگی ہے کھانے کو کوئی انگریزی میں پکارے' کوئی فارسی میں پکارے کوئی پشتو میں پکارے کوئی پنجابی میں اسے روٹی اور نان کے جھگڑے سے غرض نہیں ہے اسے تو صاف ستھرا کھانا چاہیے۔ اب اگر کوئی اس کا اپنی اصطلاح میں تصوف نام رکھیں' تو کوئی فرق نہیں پڑتا کسی نے اس کیفیت کا نام اگر تصوف رکھ لیا ہے یا اس کے علاوہ کوئی نام رکھ لیا ہے تو اسے کوئی فرق نہیں پڑتا مطلوب تو یہ کیفیت ہے جو حضور ﷺ سے منتقل ہوئی اور جس طرح آپ ﷺ کے ارشادات آپ ﷺ کی تعلیمات منتقل ہو رہی ہیں' سلاً" بعد نسلاً" اسی طرح توارث کے طور پر یہ کیفیت بھی منتقل ہو رہی ہیں۔ ارشادات رسول اللہ ﷺ تو آپ کتابوں سے بھی حاصل کر سکتے ہیں لیکن کیفیات کتابوں میں نہیں ہوتیں ان کے لئے سینے کے سامنے سینہ رکھنا پڑتا ہے' یہ صدری چیزیں ہوتی ہیں اور دلوں سے دلوں کو منتقل ہوتی ہیں چراغوں سے چراغ جلتے ہیں' تصوف اسلامی نہ ذریعہ معاش ہے' نہ پیسے حاصل کرنے کا ذریعہ' نہ دوسروں کو مسخر کر کے ان پر عملیات کرنے کا نام ہے' نہ مختلف اوراد کے ذریعے لوگوں کو اپنے تابع بنانے کا نام ہے نہ سانپوں کے پکڑنے کا نام ہے نہ دم کر کے کہیں آگ جلا دینے یا بجھا دینے کا نام ہے

تصوف

فرمایا۔ مسلمانوں میں تصوف اتنا ہی قدیم ہے' جتنا اسلام قدیم ہے' تصوف کی لغوی بحثیں تو بہت ہیں لیکن اس کا مفہوم اور اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے باطن میں' اپنے دل میں' اپنے سینے میں نبی رحمت ﷺ سے اخذ فیوضات و برکات کی قوت پیدا کرنا' اس کو سلوک کہتے ہیں۔ وہ محنت وہ مجاہدہ جو اس غرض سے کیا جائے کہ حضور ﷺ کی برکات میرے سینے میں بھی آجائیں' اللہ مجھے بھی نصیب کر دے' اس کو سلوک کہتے ہیں۔ یعنی راستے چلنا اور

اسی چلنے کا نام تصوف ہے اور جن بزرگوں نے اللہ کے جن بندوں نے اس غرض کے لئے عمریں وقف کر دیں محنتیں کیں اپنے سینے منور کئے' دوسروں کے سینے روشن کرتے چلے گئے' انہی کو مشائخ یا اصحاب سلاسل یا اس فن کا امام و پیشوا تسلیم کیا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح اللہ کے نیک بندوں نے قرآن حکیم کی تفسیر میں عمر بھر کوشش کی دوسروں تک اس پیغام کو پہنچایا اور مفسر کہلائے جس طرح حدیث نبی علیہ السلام کو پہنچانے میں اللہ کے جن مقبول بندوں نے کوششیں کیں محدث کہلوائے۔ جس طرح احکام شریعت کا تجزیہ کرنا انہیں سمجھنے اور سمجھانے اور دوسروں تک پہنچانے کا حق ادا کر کے فقہا کہلائے۔ اسی طرح کے اولوالعزم لوگ اور امت کے چنے ہوئے لوگ ایسے لوگ جن کا ورع و تقویٰ مثالی' جن کی زندگیاں مثالی' جن کے علوم مثالی' جن کے مجاہدے مثالی' ان لوگوں نے ہمتیں کر کے لوگوں کو ان انوارات و برکات سے مستفیض فرمایا جو نبی رحمت ﷺ کے سینہ ء اطہر سے بٹتی ہیں تو حدود شرعی کے اندر جو مجاہدے اور جو طریقے انہوں نے تجربہ کر کے رائج کئے' انہیں سلاسل تصوف کہا جانے لگا۔ اب جس طرح قرآن کی تفاسیر میں بھی دھوکہ بازوں نے دخل اندازیاں کیں اور اپنی مرضی کے معانی و مفاہیم داخل کر کے نئے نئے فرقے ایجاد کر دیئے جس طرح حدیث نبوی ﷺ میں تحریف کی کوشش کی اور ان کا سہارا لے کر مختلف رسومات کو دین کے نام پر رائج کرتے رہے جس طرح احکام فقہی میں ان لوگوں نے جو شیطان کی راہ پر چل پڑے اور نفس سے مار کھا گئے' خواہشات نفس کے لئے بہت کچھ کیا۔ دیکھیں کتنی عجیب بات ہے کہ فقہ ہو اسلام کے نام پر' اور اس میں جھوٹ بولنے کو گالی دینے کو بدکاری کو عبادات قرار دے دیا جائے فقہی طور پر کتنی بڑی جسارت ہے لیکن کیا یہ سب کچھ ہوتا نہیں۔ اسی طرح سے تصوف و سلوک کے نام پر بھی بے شمار ادارے ایسے وجود میں آئے' جو اس فن سے واقف نہیں تھے' اس فن کے لوگ نہیں تھے' اسے جانتے نہیں تھے' اسے سمجھتے نہیں تھے لیکن اس نام پر انہوں نے مسلمانوں کو لوٹا اور جی بھر کے لوٹا۔ تفسیر میں دھوکہ دینے والے فقہ میں دھوکہ دینے والے موضوع حدیثیں گھڑنے والے بھی مسلمانوں کا مال آبرو ایمان لوٹتے رہے لیکن جتنا صوفیوں نے اور تصوف کے نقالوں نے بے دردی سے لوٹا' اتنا کوئی نہیں لوٹ سکتا۔ تو بحیثیت مسلمان ہمیں اس موضوع سے واقف ضرور ہونا چاہئے کم از کم اتنی واقفیت ضرور ہو

اگر ہم اس راستے پر چل نہ سکیں تو اس کے نام پر کسی سے دھوکہ نہ کھائیں۔

حصول تصوف

فرمایا۔ برکات محمد رسول اللہ ﷺ یعنی فیوضات نبوی ﷺ کی دو قسمیں ہیں، پہلی قسم ہے ارشادات رسول ﷺ دوسری قسم ہے برکات رسول ﷺ ارشادات رسول ﷺ میں اللہ کا قرآن، حضور ﷺ کی حدیث پاک، آپ ﷺ کا عمل مبارک اور آپ ﷺ کی سنت پاک جس میں پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک تمام ان امور پر جو کسی انسان کو پیش آسکتے ہیں حضور ﷺ نے راہنمائی فرما دی۔ یہ سارے ارشادات میں آتے ہیں، تعلیمات میں آتے ہیں۔ برکات کا حال یہ ہے کہ جس شخص کو ایمان نصیب ہوا اور ایمان کی حالت میں اسے حضور ﷺ کی زیارت ہو گئی یا حضور اکرم ﷺ کی نگاہ اقدس اس پر پڑ گئی، تو ایک کیفیت تھی ایک حالت تھی، ایک تجلی تھی، ایک جذب تھا، ایک جنون تھا، جو قلب اطہر ﷺ سے اس انسان کے دل میں منتقل ہو گیا اور اس انسان کو عام انسانوں سے ممتاز کر کے اس مقام پر پہنچا دیا، جو نبوت کے بعد اعلیٰ ترین مقام ہے یعنی نبوت کے بعد سب سے اونچا مقام صحابیتؓ تھا جس پر کوئی انسان فائز ہو سکتا ہے اور صحابیؓ بننے کے لئے ایمان لا کر صحبت رسول ﷺ میں پہنچنا شرط تھا اس کے علاوہ کوئی شرط نہیں ہے کہ جو بھی ایمان لایا حضور ﷺ کے دست حق پرست پر اور جسے بھی آپ ﷺ کے مبارک ہاتھ پر ایمان نصیب ہوا اسے تزکیہ نصیب ہو گیا۔ یزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمتہ۔ کتاب و حکمت سے پیشتر حضور ﷺ نے تزکیہ فرمایا۔ تزکیہ کیا تھا۔ وہی ایک کیفیت جس نے دل کی خواہشات کو بدلا حتیٰ کہ پوری زندگی کا طریقہ کار بدل گیا جس نے تمنا اور آرزو تبدیل کر دی جس نے طلب تقسیم کر دی اور جب دل کی طلب بدلی تو پورے جسم کا طرز عمل بدل گیا، اور جو ہاتھ پہلے لوٹتے تھے پھر لٹانے لگ گئے پہلے لوگوں کے گلے کاٹتے تھے اب لوگوں کے گلے بچانے لگ گئے پہلے لوگوں کی عزتیں لوٹتے تھے پھر عزتوں کے محافظ بن گئے پہلے مادی لذات پر فریفتہ تھے پھر مادی لذات سے اس طرح سیر چشم ہوئے کہ ان کے لئے ان میں کوئی کشش نہ رہی۔ اس کیفیت کو بعد میں

تصوف کانام دیا گیا اور یہی وہ کیفیت تھی جس نے صحابہ کو صحابیؓ بنایا تعلیم وحکمت بحمداللہ آج بھی محفوظ ہے قرآن کریم بھی محفوظ ہے اور حضور اکرم ﷺ کی وہ شرح جو حدیث کی صورت میں آپ نے قرآن کریم میں فرمائی' وہ بھی محفوظ ہے اور صحابہ رضوان اللہ علیہ اجمعین نے جن لوگوں کو سکھایا انہوں نے تو بڑا خالص نھرا اور بڑا صاف صاف سیکھا جن صحابہ رضوان اللہ علیہ اجمعین نے حضور اکرم ﷺ سے سنا تھا وہ اپنے سے حاصل کرنے والوں کو پہنچا دیا' کوئی تیسرا واسطہ ہی درمیان میں نہیں ہے۔ جو براہ راست حضور اکرم ﷺ تک نہ پہنچ سکے صحابہ رضوان اللہ علیہ اجمعین تک پہنچے وہ صحابی نہیں بن سکے انہیں وہ منازل قرب وہ کیفیات وہ درجہ تزکیہ کا حاصل نہ ہو سکا جو حضور ﷺ کے پاس تھا۔

اور حضور ﷺ کے پاس تزکیہ کے حصول کے لئے کیا ہوتا تھا' صحابہ رضوان اللہ علیہ اجمعین بننے کے لئے صرف صحبت رسول ﷺ بحالت ایمان کافی تھی کوئی نوافل کی ضرورت نہیں ہے کوئی شب بیداری کی قید نہیں ہے' کوئی کسی لمبے چوڑے مجاہدے کی قید نہیں ہے کوئی طویل سجدوں اور چلہ کشی کی قید نہیں ہے ایمان کے ساتھ صحبت رسول ﷺ شرط ہے' خواہ وہ ایک لحظہ ہو' ایک نگاہ ہو' صحابی بنادیتی ہے۔

اور صحابیت رضوان اللہ علیہ اجمعین اس اعلیٰ منصب کا نام ہے جو نبوت کے بعد کسی کو اعلیٰ ترین منصب نصیب ہو سکتا ہے وہ صحابیت رضوان اللہ علیہ اجمعین ہے' تعلیم بھی وہی' عبادت بھی وہی' اور محنت و مجاہدہ بھی وہی' بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ صحابہ رضوان اللہ علیہ اجمعین اور تابعین نے تبع تابعین نے بہت زیادہ محنت فرمائی' صحابہ رضوان اللہ علیہ اجمعین نے جہاں تک بات پہنچائی' تابعین نے اس سے کہیں زیادہ دور تک اللہ کے دین کو پھیلایا' سفر کئے' جہاد کئے' محنتیں کیں' مجاہدے کئے لیکن پھر بھی صحابی رضوان اللہ علیہ اجمعین نہ بن سکا مگر خالی بھی کوئی نہیں رہا جو صحابہ کی صحبت میں پہنچا وہ تابعی ہو گیا تو یوں سمجھ آئی کہ یہ بات وراثتاً" چلی ہے اور انعکاسی طور پر چلی ہے۔ دل سے دل کو' سینے سے سینے کو منتقل ہوئی ہے اور یہ بنیاد ہے تعلیم کتاب و حکمتہ کی جس دل میں یہ بات نہیں آئی وہ کتاب و حکمت کے کمالات کو نہ سمجھ سکا۔

سلسلہ عالیہ کی عظمت

فرمایا۔ ایک نسبت تمام سلاسل تصوف میں ایسی ہے' جس کا منبع ہیں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عجیب بات یہ ہے کہ منازل تصوف میں ایک خاص منزل آتی ہے' جس پر پہنچ کر اس سے آگے ہر وہ ولی چلتا ہے' جسے وہ نسبت نصیب ہوتی ہے اور اگر وہ نسبت نصیب نہ ہو' تو اس منزل پر جا کر تمام ترقیاں ختم ہو جاتی ہیں رک جاتی ہیں۔ اس سے آگے چلنے کے لئے صرف اور صرف وہ نسبت کارگر ہے' اس نسبت کو اصطلاح تصوف میں نسبت اویسیہ کہتے ہیں' نسبت اویسیہ وہ قوت ہے کہ دل سے دل اور روح سے روح اخذ برکات کر لے تو ہماری بہت بڑی اہمیت ہے ایک بہت بڑا راز اللہ نے دیا ہے' بجا طور پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں' معذرت خواہانہ رویے کی ضرورت نہیں ہے' ہم کوئی غلطی نہیں کر رہے' اللہ کا احسان ہے یہ اس نے ایک قوت دی ہے' طاقت دی ہے اپنا احسان فرمایا ہے کہ روئے زمین کے ہر خطہ میں لوگ موجود ہیں خواہ کم یا زیادہ ساتھی ہیں لیکن اللہ کے نام کا ذکر ضرور کرتے ہیں' دنیا کے ہر ملک میں اس سلسلہ عالی سے منسلک اور انہی برکات سے مستفید ہو رہے ہیں' اور انہی انوارات کو اپنے سینوں میں بسائے ہوئے ہیں اور اس سلسلہ عالیہ ہی میں طالب کی روح کو بارگاہ رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرفراز کرایا جاتا ہے' یہ وہ نعمت ہے جس پر شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ جیسے اللہ کے مقرب بندوں نے فیض لیا ہے اور فرمایا ہے کہ میں نے قرآن نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے سیکھا ہے اور مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی نسبت ہوئی ہے۔

شیخ کی حیثیت

فرمایا۔ تصوف میں مبتدی کی گستاخی برداشت کر لی جاتی ہے منتہی کو گستاخی کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی کیونکہ جو انچارج ہوتے ہیں' ان کے نکیل پڑی ہوتی ہے' وہ بنائے اس لئے جاتے ہیں کہ وہ کمال درجے کے اطاعت کرنے والے لوگ ہوتے ہیں' نافرمانوں کو یہاں کوئی جماعت کا سربراہ بناتا ہی نہیں یہ بنتے ہی من جانب اللہ ہیں۔ بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں اور مشائخ کی مرضی سے ہیں۔ یہ سیاست سے یا وراثت سے بنتے تو پھر وہ خانقاہی نظام بھی تباہ ہو جاتا ہے تو اگر بحیثیت شیخ سلسلہ میں نے یہ کام کیا ہے' تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ کوئی

میری مرضی کا کام ہے' یہ بھی انہی کا کام ہے' جن کا کام اذکار سکھانا ہے جن کی طرف سے ہماری ذمہ داری ہے' جس بارگاہ کی طرف سے ہمیں لوگوں کی تربیت کا حکم ہے' تبلیغ کا حکم ہے' یہ بھی اسی بارگاہ کی منشا ہے' جو ہم کر رہے ہیں' ورنہ ہم کون ہوتے ہیں ہم اتنے آزاد یا سرکش نہیں ہیں' جنہیں کوئی نکیل نہ ہو' کوئی ڈر نہ ہو' کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔

شیخ

فرمایا۔ صوفی وہ ہوتا ہے جو صاحب حال ہو صاحب حال کون ہوتا ہے؟ وہ جو زمانے پر اپنا نقش ثبت کرے اور جو زمانے کے حالات کے دھارے میں بہہ جائے' وہ مغلوب الحال ہوتا ہے' وہ صاحب حال نہیں ہوتا' وہ حال سے یعنی زمانے سے' زمانے کے واقعات سے مغلوب ہو جاتا ہے اور زمانے کے دھارے میں بہہ جاتا ہے ہمیشہ مغلوب الحال لوگوں کی اکثریت ہوتی ہے اور ایسے بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو زمانے پر نقش ثبت کریں اپنے پیچھے چلنے پر مجبور کر دیں۔ احسان یا سلوک کا حاصل یہ ہے کہ آدمی رواج کا اسیر نہ ہو بلکہ رسومات اس کے قدموں کے نیچے ہوں اور وہ نقیب ہو سنت اللہ کا' سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا' معیار یہی ہے اب اس کی یہی ایک کسوٹی ہے اب جو کوئی اپنے منازل سمجھنا چاہے' ضرور سمجھے' جہاں تک سلسلہ عالیہ میں ترقی کا تعلق ہے اور یہ صرف اس سلسلے کی خصوصیت ہے باقی سلاسل میں ہمیشہ ہر حال میں شیخ کی ضرورت ہوتی ہے جو قدم بقدم چلاتا ہے' لیکن اس سلسلہ میں جب کسی سالک کو آگے عرش کے منازل میں چلا دیا جائے' تو پھر وہ جہاں بھی ہو توجہ ملتی رہتی ہے جتنی محنت کرے اتنی ترقی کر سکتا ہے زندگی کا بھروسہ نہیں ہے' اللہ کریم نے یہ سعادت نصیب فرمائی ہے۔ اپنی پوری توجہ اس میں پوری محنت صرف کریں۔

سلسلہ عالیہ

فرمایا۔ میں نے اکثر سلاسل تصوف کو دیکھا ہے پرکھا ہے پڑھا ہے' یہ سلسلہ عالیہ کی وسیع النظری ہے کہ یہاں کوئی پابندی مشائخ کی طرف سے نہیں ہے سادہ سا کام ہے کہ آپ قرآن و سنت کا اتباع کیجئے خود پڑھئے ترجمہ پڑھئے' کسی قریبی عالم سے سیکھئے کسی مفتی سے مسئلہ پوچھئے کسی مولوی سے پوچھئے کسی دین دار آدمی سے پوچھئے اور کوشش کیجئے کہ اللہ اور اللہ کے

رسول ﷺ کی اطاعت ہو' دین پر عمل ہو اور اس سے زیادہ آسانی کیا ہو سکتی ہے ہر سلسلے میں پابندیاں ہیں کھانے پر' لوگوں کے ملنے پر' نیند پر' آنے جانے پر' اتنے وقت سے زیادہ سو نہیں سکتے' اس طرح لوگوں سے مل نہیں سکتے' اس طرح تنہائی میں رہیں' یہ کریں' وہ کریں' یہاں تو یہ بھی نہیں ہے۔ سادہ اور سہل زندگی جو اس شعبے کے طالبوں کی ہے وہ سب سے زیادہ آسان اور سہل اس سلسلہ عالیہ میں ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ ساری پابندیاں اٹھا کر جتنی جلدی اور جتنی برکات اس سلسلے میں نصیب ہوتی ہیں ساری پابندیاں اٹھا کر دوسرے سلاسل میں عمریں لگانے سے بھی وہ برکات نصیب نہیں ہوتیں۔

سلسلہ عالیہ

فرمایا۔ جن لوگوں پر حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے بھی بیس بیس سال لگائے اور بیس سال بعد پھر انہوں نے ان مراقبات و کیفیات کو بجائے اللہ کی عظمت کے اپنی شہرت کے لئے استعمال کیا تو یہ وہ نتیجہ تھا جس نے اہل اللہ کو اس بات سے روک دیا کہ وہ ہر آنے والے کو ذکر قلبی عطا کریں اور کتنا حسرت ناک انجام ہے کہ کوئی تو کفر کر کے جہنم میں جائے' کوئی چوری ڈاکہ بدکاری کر کے جہنم جائے اور کوئی اللہ اللہ کر کے مراقبے کر کے' ذکر کر کے جہنم میں جائے' تو کتنا بدنصیب ہے۔ چونکہ اللہ اللہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اگر خلوص ہو' تو یہ بندے کو اپنا عجز اور اللہ کی عظمت سورج کی طرح روشن کر کے دکھاتا ہے اور اگر اسی میں خرابی آجائے تو پھر اس بندے کے لئے زندگی کی کوئی دوا ہی نہیں ہے آب حیات سے جو مرتا ہے' اس کے بچنے کا کون سا علاج ہے یہ تو وہ بدنصیب ہے جو آب حیات سے مر گیا۔

روحانی بیعت

فرمایا۔ اس سلسلہ عالی کی بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ ہر آنے والے کے ساتھ اتنی محنت کی جائے کہ اسے فنافی الرسول میں اس کی روح روح اقدس رسول ﷺ اللہ کی بارگاہ میں حضور ﷺ کے سامنے حاضر کر کے حضور ﷺ کے دست اقدس پر اس کی روح سے بیعت کروائی جائے اس بیعت کا فائدہ یہ ہو گا کہ ہمارا تعلق نبی کریم ﷺ سے روایات کا ہے سماعت کا ہے ہم نے بزرگوں سے قرآن سنا' بزرگوں سے کلمہ سنا' بزرگوں سے

آپ ﷺ کے احوال سنے اور اس پر ہمارا ایمان یقین اور ہمارا رشتہ ہے لیکن اگر ہماری روح کو آپ ﷺ کی بارگاہ کی حاضری اور حضوری نصیب ہو جائے تو اس سماعت کے رشتے میں اور اس قرب کے رشتے میں کروڑوں گنا طاقت کا فرق پیدا ہو جائے گا اور جو اطاعت ہم کر رہے ہیں' اس میں کروڑوں گنا ایثار کی زیادتی آجائے گا' اب اس کے دو پہلو تھے یا تو ہم ہر آنے والے کو دنیاوی کام سے روک دیتے گوشہ نشین کر دیتے کم غذا دیتے کم سلاتے پھر اسے مشاہدہ بھی ہوتا' کشف بھی ہوتا' اس کی بیعت بھی ہو جاتی تو یہ جو لوگ دنیا سے کاٹ دیتے ہیں اس کا معاشرے میں اور ماحول میں اور احیائے دین میں کیا فائدہ ہوتا کچھ بھی نہیں۔ صرف یہ ہو جاتا کہ ہم کچھ لوگ صاحب کشف پیدا کر جاتے' اس کے علاوہ کوئی عملی فائدہ احیائے دین کے باب میں نہ ہوتا چنانچہ مشائخ عظام نے اور ہمارے اساتذہ نے اور حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے دوسرا راستہ منتخب فرمایا۔

قوت شیخ

فرمایا۔ اس میں میرا کمال ہے نہ کسی اور کا بلکہ رب العلمین کا احسان ہے سلسلہ عالیہ پر ابھی یہ حال باقی ہے کہ کسی شخص کی ایک صحبت تمہارے سات لطائف جاری کر دے' کسی شخص کی ایک لمحہ کی صحبت تمہارے پورے وجود کو ذاکر بنا دے ہدایت کا سوتا گم نہیں ہوا اور یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں پہلی بار روئے زمین کے خوش نصیب اس سلسلہ عالی سے مستفید ہو رہے ہیں' یہ پوری تاریخ تصوف میں پہلی بار ہے کہ اس قوت کا صوفی اسی سلسلہ عالیہ میں رب العلمین نے ظاہر کر دیا کہ یہ سب چراغ نہ رکھا جائے۔ جو ادارے یا خانقاہیں بے چراغ ہوتی جا رہی ہے' وہ ادارے جو ہدایت کے ضامن تھے' وہ مراکز جس سے ہدایت کے چشمے پھوٹتے تھے وہ (جگہیں) جہاں سے بچوں کو ہدایت ہونی تھی' ویران ہو چکے ہیں۔ اس کا جواب رب العلمین نے یہ دیا ہے اور یہ تاریخ انسانی میں زمانہ تبع تابعین کے بعد پوری پندرہ سو سالہ تاریخ اسلام میں پہلی دفعہ یہ ہوا ہے کہ پوری دنیا کی آبادی کا کوئی نہ کوئی خوش نصیب بندہ اپنے قلب کو اپنے لطائف کو اپنے وجود کو اس کی برکات سے روشن اور ذاکر کر رہا ہے یہ الگ بات ہے میں جانتا ہوں کہ جب ہم نہیں ہوں گے تو تواریخ لکھی جائیں گی' جب ہم نہیں ہوں گے

تو بڑے بڑے مقالے پڑھے جائیں گے' لوگ پی ایچ ڈی کریں گے ہمارے حالات لکھ کر' یہ مجھے خبر ہے لیکن اس وقت صرف باتیں ہو سکیں گی اور حاصل کچھ نہیں ہو گا۔

سلسلہ عالیہ

فرمایا۔ اب اندازہ کیجئے یہ برکات رب کریم نے کتنی پھیلائیں محمد رسول اللہ ﷺ نے کتنا دلوں کو خلوص بانٹا اور ختم نبوت سے کیا کیا نعمتیں وابستہ تھیں اور وہ کہاں کہاں' کیسے کیسے پہنچیں۔ علوم ظاہری کا سمندر تو ویسے ہی ٹھاٹھیں مارتا رہا اب تک مار رہا ہے' اور انشاء اللہ قیام قیامت تک یہ سمندر ٹھاٹھیں مارتا رہے گا مدرسے رہیں گے' اساتذہ رہیں گے' طالب علم رہیں گے' دین پڑھا پڑھایا' سیکھا سکھایا جاتا رہے گا دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں روک سکتی یہ حفاظت الہیہ کا حصہ ہے۔ ہاں یہ جو نعمت قلبی اور باطنی تھی اس کی تقسیم تبع تابعین پر آکر رک گئی۔ کیوں۔ دراصل لوگوں میں وہ اہلیت اور وہ شعور نہ رہا کہ بندہ وہ برکات حاصل کرلیتا۔ جوں جوں زمانہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے دور ہوتا گیا' برکات کم پڑتی گئیں تو تبع تابعین کے بعد کے لوگوں میں وہ حوصلہ نہ رہا کہ ہر بندے کو یہ نعمت نصیب ہو تو پھر مخصوص لوگوں کو یہ کیفیات بانٹی گئیں لوگوں میں استعداد ہی اتنی رہ گئی اب لوگ ان سے وابستہ رہتے تو' دعائیں کراتے' وظیفے پوچھتے تبع تابعین سے لے کر ہمارے زمانے تک اتنے بڑے بڑے نام ہیں کہ حیرت ہوتی ہے لیکن اللہ کی شان تبع تابعین سے لے کر ہمارے زمانے تک قاعدہ یہی بن گیا کہ کسی کے پاس لاکھوں مرید اگر آگئے تو اس نے چار پانچ تسبیحات عطا فرمائیں قرآن حکیم پڑھنے کا مشورہ دیا' نوافل کا حکم دیا' پھر ایسے ایسے ولی اللہ بھی ہوئے جو سلاسل کے شیخ بنے' مثلاً" سلسلہ سہروردیہ کے شیخ شہاب الدینؒ سہروردی' لیکن جب ان کے مجازین کو دیکھتے ہیں تو وہ صرف چار ہیں۔ یعنی چار بندوں کی تربیت فرمائی ایسا شیخ جو تصوف کی راہ میں قطب مینار بن کر کھڑا ہے اور ایک سلسلہ کا بانی ہے اسی طرح آپ قادریہ سلسلہ کو دیکھ لیں شیخ عبدالقادرؒ جیلانی جن کی بارگاہ سے سلاطین بھی جھاڑ کھا کر اٹھتے تھے ان کے مجازین بھی بہت کم تھے۔

حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس یہ حاضری محض رسمی نہیں ہے یہ حاضری دو بنیادی

نقطوں پر متوجہ کرنے کے لئے ہے' حضرت رحمتہ اللہ تعالےٰ علیہ مرکز ہیں ان سب برکات کے۔ برکات نبوی ﷺ مجھ تک آپ تک انہیں کے در مقدس سے پہنچیں اور یہی وہ شخص ہے جس نے اس بے نام ونشان مقام میں سے اٹھ کروہ شمع جلائی جو پوری دنیا میں روشنی پھیلا رہی ہے یہ معمولی بات نہیں ہے۔ اس کی ایک توجہ ایک نظر ایک صحبت اور ہو جائے لیکن صرف اس لئے نہیں بلکہ ساتھ یہ بھی ہے کہ ہم یہ بھی محاسبہ کر سکیں کہ پہلے اور پھر دوبارہ آنے پر ہم نے عملی زندگی میں کتنا مثبت سفر طے کیا ہے' عملی زندگی میں ہم برائیوں سے کتنے دور ہوئے ہیں اور عملی زندگی میں ہم اللہ کی اطاعت سے کتنے قریب ہو گئے ہیں۔

سلسلہ عالیہ

فرمایا۔ یاد رکھیے! ہمارے سلسلہ عالیہ کی یہ فضیلت ہے کہ تبع تابعین کے بعد یہ پہلا موقع ہے اسلامی تاریخ میں کہ ہر آنے والے کا دل ذاکر ہو جاتا ہے' پوری تاریخ اسلامی میں پہلا موقع ہے' آپ پڑھ کر دیکھئے پوری تاریخ کو۔ ہر بزرگ کے پاس لاکھوں لوگ آئے انہیں نماز روزے کا کہا' زبانی وظائف تسبیحات بتائیں لیکن ذکر قلبی دوچار لوگوں سے زیادہ کسی کو نہیں بتایا ان دوچار نے آگے دوچار کو بتایا اس سے زیادہ کسی کو نہیں بتایا۔ یہ پہلا موقع ہے کہ جس طرح عہد نبوی ﷺ میں ہر آنے والا صحابیؓ عہد صحابہؓ میں ہر آنے والا تابعی' عہد تابعین میں ہر آنے والا تبع تابعی' اس طرح یہاں حضرت کی خدمت میں ہر آنے والا صوفی بنتا گیا۔

پہلی دفعہ ہر مرد ہر عورت ہر بچہ ہر بوڑھا پڑھا لکھا' ہر ان پڑھ' آگے ہر فرد اپنے استعداد ہیں' یا اللہ کی عطا ہے کہ اسے کتنا دیا' لیکن بنیادی طور پر سلسلہ ذکر میں اور ذکر قلبی سب کو نصیب ہوتا چلا گیا جس طرح یہ اس سلسلے کی فضیلت ہے یہ بھی اس کے فضائل میں سے ہے کہ انشاء اللہ نفاذ اسلام کی حقیقی بنیاد یہی سلسلہ رکھے گا اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہر وقت کی جو دعائیں میں کیا کرتا تھا وہ اپنے ہی گلے پڑ گئیں کہ تمہیں بہت خواہش ہے تو کر کے دیکھو' اور مجھے اس بات پر فخر ہے کہ اللہ نے یہ توفیق دی' کام وہ ہو گا جو اللہ چاہے گا اور ہم تو وہ شجر موسوی ہیں ہماری حیثیت کوئی نہیں کام اس نے خود کرنا ہے اور وہ خود کر رہا ہے۔

فرمایا نسبت اویسیہ براہ راست اور قریب ترین نسبت ہے نبی کریم ﷺ کے ساتھ۔ تو اس لئے اس میں آمد کا کوئی حساب نہیں ہے اس کنویں میں پیچھے سے آنے والے پانی کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا تو مشائخ عظام نے سیراب ہونے والی کھیتی کے لئے سیراب ہونے والے دل کے لئے' یہ طریقہ تجویز فرمایا کہ نہایت تیزی سے نہایت قوت سے سانس لی جائے اور جتنی ہو سکے خون میں اتنی حرارت اور حدت پیدا کی جائے تاکہ ایک ہی ذکر میں صرف ایک نہیں' بلکہ سارے لطائف منور ہو جائیں تو سانس اس غرض سے تیزی سے لی جاتی ہے تو پھر یہ وجود کی حرکت کا ایک ردم بن جاتا ہے۔ سانس کا ایک ردم بن جاتا ہے' اس کے ساتھ عقل اور شعور اور ذہن کی توجہ اس طرف ہو جاتی ہے کہ سانس میں اللہ اندر جا رہا ہے اور لفظ ھو باہر آ رہا ہے یعنی سانس میں اللہ ھو بنتی نہیں سانس ہم تیزی سے بے تکلف لیتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہمارا دماغ' ہماری عقل' ہمارا شعور یہ سوچ رہا ہوتا ہے کہ ہر سانس میں لفظ اللہ اندر جا رہا ہے' لفظ ھو باہر آ رہا ہے تو اس طرح سے وجود کی حرکت سانس کی آمد و رفت اور انسان کی سوچ اور فکر مل کر ایک مضبوط توجہ پیدا کر دیتے ہیں ذکر قلبی کا۔ جب تک یہ تینوں ایک انداز سے مل نہ جائیں تب تک ذکر میں لطف پیدا نہیں ہوتا۔

فرمایا:۔ جو لوگ اس فن سلوک کو نہیں سمجھتے اب ایک آدمی موٹر چلانا ہی نہیں جانتا' موٹر کے فن کو نہیں جانتا وہ کہے کہ اس کا ادھر سے دھواں کیوں نکلتا ہے اور ادھر پاؤں کو کیوں رکھتے ہیں ادھر ہاتھ کیوں لگاتے ہیں' اسے کیا خبر پاؤں کیا کرتا ہے۔ ہاتھ کیا کرتا ہے' دھواں کہاں سے نکلتا ہے' تیل کہاں ڈالا جاتا ہے وہ خواہ مخواہ باتیں کرتا رہتا ہے۔ جب تک اس فن کو سمجھے نہیں' جانے نہیں' تب تک بات کرنے کا کیا فائدہ۔ تو ایسے اعتراضات کے جواب اس لئے نہیں دیئے جاتے کہ معترض اس فن سلوک سے واقف ہی نہیں ہوتے تو انہیں نہ سوال کرنے کا اندازہ ہوتا ہے اور جواب دیتے رہو تو ان کی سمجھ سے جواب بھی بالاتر ہوتا ہے کسی بھی فن کو سمجھنے کے لئے اس پر اعتراض کرنے یا اس کا جواب پانے کے لئے اس فن کا حصول ضروری ہوتا ہے۔

جن لوگوں کو اللہ نے یہ سعادت بخشی ہے' میں بات ان سے کر رہا ہوں یہ سمجھ لیں کہ ذکر سانس سے نہیں کیا جاتا ذکر تو قلب سے کیا ہوتا ہے سانس تیزی سے لی جاتی ہے کہ خون

میں حدت پیدا ہو' عقل کو' سوچ کو' دماغ کو' اگر آپ اس سوچ پہ نہیں لگائیں گے تو وہ کسی دوسری فکر میں نکل جائے گی' آپ ذکر کر رہے ہوں گے' وہ دکان پہ بیٹھی ہوگی' آپ ذکر کر رہے ہوں گے' وہ بازار میں پھر رہی ہوگی' آپ ذکر کر رہے ہوں گے' وہ دوستوں کی مجلس میں ہوگی یا کاروبار میں ہوگی تو آپ اگر عقل کو دماغی سوچ کو بھی اس کے ساتھ لگا لیتے ہیں اور سانس کو بھی تیزی کے ساتھ لینا شروع کر دیتے ہیں اس کے ساتھ وجود کی حرکات کا بھی ایک ردم بن جاتا ہے تو یہ ساری چیزیں مل کر عقل کی توجہ کو بھی حاصل کرتی ہیں اور سانس تیزی سے آکر بدن میں خون میں حرارت پیدا کرتا ہے اور ان انوارات کو جذب کرتا ہے جو توجہ شیخ کی طرف سے یا شیخ سلسلہ کی طرف سے آرہی ہے وہ اس حدت کے ساتھ ہر ذرہ وخون میں جذب ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے لطائف میں غفلت کا آنا ممنوع ہے اگر آدمی لطائف میں عقل وشعور کھو دے یا ان کی سوچ وفکر رہ جائے یا اس کے سانس لینے کا انداز بدل جائے یا وہ کھانسنا شروع کر دے یا باتیں کرنا یا شعر پڑھنا شروع کر دے' آیات پڑھنا بھی شروع کر دے تو بھی انوارات منقطع ہو جاتے ہیں۔

عقل کا دائرہ کار

فرمایا:۔ عقل کی رسائی ایک حد تک ہے اور چونکہ وہ خود مادی ہے مخلوق ہے تو اس کی سوچ کی رسائی بھی مادے تک ہے تخلیق تک ہے عقل انسانی مختلف چیزوں کے خواص تو جان سکتی ہے خصوصیات تو جان سکتی ہے مختلف چیزوں کو ملا کر کوئی دوسری چیز تو بنا سکتی ہے مختلف رنگوں کے آمیزے سے نیا رنگ تو تیار کر سکتی ہے۔ مختلف کھانے کی چیزوں کو مختلف اندازے سے آمیز کر کے ایک نیا کھانا تو تیار کر سکتی ہے' روڑے جوڑ کر مکان بنا سکتی ہے پرزے جوڑ کر مشین بنا سکتی ہے' یہ سارے کام تو کر سکتی ہے بدن کی سہولیات کا اندازہ کر سکتی ہے ضروریات کا اندازہ کر سکتی ہے جسم کو ڈھانپنے کے لئے' لباس جسم کو گرمی پہنچانے' سردی پہنچانے کے اسباب' جسم کا علاج یہ ساری چیزیں وہ کر سکتی ہے جو مادی وجود کے اندر رہیں' لیکن ذات باری' صفات باری' عظمت باری اور اس کا شعور یہ ساری چیزیں دائرہ تخلیق سے بالاتر ہیں اور یہاں تک عقل محض کی رسائی نہیں اگر عقل محض ان چیزوں کو پا سکتی تو نبوت کا کوئی وجود نہ رہتا نبی

علیہ السلام کو مبعوث کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہ رہتی بلکہ ہر انسان جس کی عقل سلامت ہوتی اور جس کے پاس دنیوی علم ہوتا وہ از خود عظمت باری کو پالیتا' لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا۔ انسان نے سب کمالات حاصل کیے لیکن جب آخرت کی یا عالم بالا کی بات آئی یا عظمت باری کی بات آئی یا ان حقائق کی جو دنیوی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں ان کی بات آئی' جزا و سزا کی بات آئی' فرشتوں کی بات آئی تو نبوت کے سوا کوئی اور راہ نہیں یعنی اگر گناہ کرتے ہوئے برائی کرتے ہوئے' جھوٹ بولتے ہوئے' دھوکا دیتے ہوئے' ایک احساس' زبان کو یا پاؤں کو یا ہاتھ کو بڑھنے سے روک دے کہ اللہ کریم تو ساتھ موجود ہے میں اس کے رو برو یہ کیسے کروں تو اس کا مطلب یہ ہے' کہ میرا مراقبہ معیت راسخ ہو گیا اور اگر یہ حال نہیں بنتا کبھی خیال آتا ہے' کبھی نہیں آتا اور اس کے باوجود اگر انوارات نظر بھی آتے ہیں' مقامات نظر بھی آتے ہیں' تو بھی ان میں کمزوری ہے' کمی ہے' اس پر مزید مجاہدے کی ضرورت ہے اور یہ بنایا نہیں بنتا' میں بات کر رہا ہوں یہ عقلاً" سارے لوگ سمجھتے ہیں لیکن یہ ان کا حال کیوں نہیں بن جاتا یہ اپنا حال بنانے کے لئے روح کے ان لطائف کو روشن کر کے ان میں معیت باری کی کیفیات کو انجیکٹ کرنے کی' سمونے کی ضرورت ہے کہ ان میں دھنس جائیں' ان کے اندر چلی جائیں۔ جیسے آپ کسی کمپیوٹر کو چیز فیڈ کر دیتے ہیں تو جب وہ بٹن دباؤ' وہی بات نکل آتی ہے۔ اسی طرح ان لطائف میں جو کیفیات معیت ہیں فیڈ کر دی جائیں' رچ بس جائیں تو ہر آن' ہر حال میں اپنا مالک' اپنا پروردگار' اپنا اللہ اپنے پاس موجود نظر آئے' کام کرتے ہوئے' بات کرتے ہوئے نیکی کرتے ہوئے' دشمنی کرتے ہوئے' رات کی تاریکی ہو یا جنگل ہو یا صحرا ہو اکیلا ہو یا بازار میں ہو' کسی بہت خطرناک جگہ پر ہو یا کسی بہت آرام دہ محفوظ جگہ پر کوئی بھی حال اس کا اس بات سے خالی نہ ہو کہ اسے پتہ ہو کہ میں اکیلا نہیں ہوں اور اسی طرح دوستی بنانے میں دشمنی کرنے میں' کسی کے ساتھ معاملہ کرنے میں' کاروبار میں تجارت میں' معاملات گھریلو ہوں' خانگی ہوں' اولاد کے ہوں' والدین کے ساتھ ہوں' برادری کے ساتھ ہوں' اپنے حقوق کی بات ہو' دوسروں کے حقوق کی بات ہو' فرائض کا مسئلہ ہو تو ہر حال میں اسے یہ محسوس ہو کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں اپنے رب کے روبرو کر رہا ہوں وہ میرے ساتھ ہے نہ تو مجھے کسی سے ڈرنے کی ضرورت ہے کہ کسی سے ڈر کر میں برائی کروں نہ کسی سے ایسی امید وابستہ

کرنے کی ضرورت ہے کہ میں اس کے ساتھ مل کر برائی کرتا ہوں مجھے بچالے گا' میرے ساتھ میرا رب ہے اور مجھے اسی کے ساتھ رہنا ہے اسی کی رضا کے مطابق رہنا ہے اور اگر میں اس کی نافرمانی کروں گا تو وہ اس نعمت سے مجھے محروم کر دے گا اور پھر بات بگڑ جائے گی۔ اقربیت اس سے بھی زیادہ نزدیک لے جاتی ہے اور انسان کے لاشعور میں اس کے باطن میں اس کے ضمیر میں' اس کے دل کی گہرائیوں میں یہ بات رچ بس جاتی ہے کہ مجھ سے میری ذات سے سب سے قریب تر خود میرے اپنے آپ سے قریب تر میرے اپنے شعور سے قریب تر میرا مالک موجود ہے۔ ونحن اقرب الیمن حبل الورید حبل ورید پورے وجود میں زندگی کو تقسیم کرنے زندگی کو پہنچانے زندگی کو رواں دواں رکھنا' سارے خون کا اجتماعی اور مرکزی نظام اس سے چلتا ہے تو گویا زندگی کے قریب تر خود انسانی وجود کے اندر جو رگ ہے' اس سے بھی قریب تر اللہ کریم موجود ہے۔ یہ تو ہم مانتے ہیں عقلاً" تو ہم نے قبول کیا کیونکہ قرآن کی آیت ہے۔ ہمارا اس پر ایمان ہے لیکن وہ صرف عقلی طور پر ہمارا عقیدہ نہ رہے بلکہ وہ ہمارے بدن کا' ہمارے وجود کا' ہمارے کردار کا حصہ بن جائے یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ ہر شخص کامل تو نہیں بن جاتا لیکن کیا جو سارا حاصل نہیں کر سکتا وہ سارا چھوڑ بھی نہیں سکتا ساری امیدیں اس کے ساتھ وابستہ کرتا چلا جائے تو اس مراقبے کو اس لئے نہیں کرنا کہ آدمی کو کچھ عجائبات نظر آنے لگ جائیں کچھ روشنیاں نظر آنے لگ جائیں یا اسے روح پرواز کرتی ہوئی دکھائی دینے لگ جائے یہ عملی زندگی کو سیدھے راستے پر ڈالنے کا سب سے زیادہ موثر سب سے زیادہ قیمتی نسخہ ہے اور یہ اتنا کمیاب ہے کہ صدیوں نہیں ملا کرتا اگرچہ دنیا عالم اسباب ہے اور اس میں اسباب کو اختیار کرنے کا حکم اللہ کا ہے سبب اختیار کیا جائے گا لیکن اگر اس کا مراقبہ احدیت راسخ ہو تو وہ' وہ سبب اختیار نہیں کرے گا جس کے اختیار کرنے سے اللہ نے روک دیا ہے ایک بات۔ دوسری بات یہ ہوگی کہ اپنی محنت اور اسباب پر نتیجے کی امید نہیں رکھے گا۔ اسے پتہ ہوگا کہ میرے ذمے اسباب اختیار کرنا ہے اور نتیجہ پیدا کرنا اس کا کام ہے جس کا کوئی شریک نہیں اس کا حاصل یہ ہوگا کہ کبھی تھوڑے کام سے اسے زیادہ فائدہ حاصل ہوگا تو بھی اللہ کا شکر ادا کرے گا' تکبر میں نہیں جائے گا کہ میں کوئی بڑا صاحب کمال ہوں وہ سوچے گا کہ میں تو وہی تھا یہ اس کا کرم ہے کہ میں نے سبب چھوٹا سا پکڑا' اس نے نتیجہ بہت بڑا دے دیا' نقصان

کی صورت میں خودکشی کا نہیں سوچے گا اور نفع کی صورت میں فرعون بننے کی نہیں سوچے گا‘ سارے کاموں میں مزے سے جئے گا اس لئے کہ نتائج کی فکر اس کی اپنی نہیں ہوگی نتائج کی امید اپنے مالک سے ہوگی تو محنت کرنا مجاہدے میں وقت لگانا مراقبے میں وقت لگانا تو اس لئے ضروری ہے کہ ساری چیزیں ورا ثتا“ حاصل کی جا سکیں۔ اسلام ہے ہی موروثی اس میں توارث ہے۔ اگر کبھی مراقبہ ہو گیا انوارات بھی نظر آگئے اللہ پر اعتماد قائم ہو گیا تو اسی پہ نہیں ٹھہرنا چاہئے اتنا مجاہدہ اتنی محنت کرنی چاہئے کہ وہ پختہ یقین حاصل ہو جائے جو اللہ کے ساتھ ہونا چاہئے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر آدمی کی اپنی اپنی سوچ اپنا اپنا کیلیبر اپنا اپنا معیار اللہ کی دی ہوئی اپنی اپنی استعداد اپنی اپنی طاقت ہے تو ہر آدمی مختلف ہو گا لیکن بنیادی طور پر کسی میں کوئی کیفیت کمزور ہوگی اور کسی میں مضبوط ہوگی لیکن سب میں یہ کیفیت ہونی چاہئے۔

مقامات کا شوق

فرمایا۔ جب عظیم مانا رب جلیل کو تو اللہ اللہ کرو آخرت کے لئے پڑھو لوگ شادیاں کرتے بھی ہیں‘ چھوڑتے بھی ہیں‘ بچے بھی پیدا ہوتے ہیں یہ دنیا کا ایک نظام ہے جو رہے گا نہ مجھ سے رکتا ہے نہ آپ سے رکتا ہے اس کی ایک ڈگر ہے ایک چلانے والا ہے یہ چلتا رہے گا اگر یہ کام کر سکو تو یہ بہت بڑا کام ہے اور اگر یہ نہیں کر سکتے تمہیں اور مجھے بھی تکوینی امور میں محض تماشاہی بننا ہے جو وہ چاہتا ہے ہونے دو تو یہ مصیبت ہے اس راستے کی کہ کوئی اس طرف آتا نہیں‘ اتنا دنیا میں مصروف ہوتا ہے پھر صرف نماز پڑھ لی‘ سمجھا دین کا حق ادا ہو گیا نمازی بن جانے کو دنیاوی چیزوں کے حصول کا سبب جاننے لگتا ہے تیسری اور سب سے بڑی آزمائش اور مصیبت یہ ہے کہ سب سے آگے نکل بھی جائے‘ تو پھر اسے یہ مصیبت ہوتی ہے کہ پتا نہیں میرے کون کون سے مراقبات ہیں اور کہاں پہنچا ہوں‘ کس عرش پر ہوں‘ کس دائرے میں ہوں‘ اللہ کریم اگر یہ نعمت نصیب کریں اس کے معیار بتا دیئے ہیں اس نے میرے یا کسی دوسرے کی ضرورت ہی باقی نہیں چھوڑی۔

منازل قرب کی شرائط

فرمایا۔ یہاں سے دو امور مستفاد ہوتے ہیں اولا“ یہ کہ منازل قرب کے حصول

کے لئے سخت مجاہدے کی ضرورت ہے جہاں تک فرائض کا تعلق ہے تو اس سے کسی کو چھٹکارا نہیں' ہر حال ادا کرنے ہیں۔ حصول قرب کے لئے تو ایسی محنت کی ضرورت ہے جو اس سے بہت زیادہ ہو' نوافل میں' اذکار میں اور اشاعت دین میں اگر کوئی اسے دیکھ لے تو اس کا وجود مجسم تبلیغ ہو' اس کی عبادت باعث اصلاح خلق ہو اور اس کا کلام دعوت الی الحق ہو۔ فی زمانہ مفہوم بدل گئے ہیں اور روایات کی جگہ حکایات نے لے لی ہے اب عظمت کی دلیل گوشہ نشینی عزلت گیری اور زندگی سے فرار کو سمجھا جاتا ہے حالانکہ حق بات یہ ہے کہ متقدمین صوفیا میں سے بھی جن حضرات نے تنہائی اور خلق خدا سے دوری اختیار کی وہ منازل کی اسی حد پر رہے' جہاں وہ تھے اس سے آگے ترقی نہ کر سکے کیونکہ ترقی کا مدار ہی شریعت مطہرہ پر عمل کرنے کے بعد دوسروں کو اس کی دعوت دینا ہے۔ صرف ذاتی عمل یا اپنے جسم کی محنت ہی کافی نہیں پھر تنہائی نے لین دین یا معاشرت اور مخلوقات کے حقوق کی ادائیگی جیسے اعمال سے بھی محروم کر دیا۔ ہاں ایک بات ہے کہ مکاشفات تیز ہو گئے اور عجائبات کا صدور ہونے لگا اور یہ دونوں امور مقصود ہی نہ تھے انعام باری ہے مگر مقصود نہیں ہیں۔ مقصود اصلی قرب الٰہی تھا جس میں ترقی نہ ہو سکی' نیز یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ تو عبادات نفلی اور تبلیغ دین میں اس قدر مبالغہ فرمائیں کہ اللہ کریم فرما رہا ہے میرے محبوب اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالیئے۔ پھر کون ہے جو عبادات فرضی میں بھی تساہل ہو' نماز درست نہ ہو اگر نماز درست ہو تو اوقات پر نہ ہو' باجماعت نہ ہو اذکار میں تغافل ہو اور پھر ترقی درجات کا متمنی بھی ہے۔ ایسا ہونا محال ہے ہاں اپنی استطاعت بھر محنت کرے اور اللہ کے کرم کا امیدوار رہے نیز قرآن سے ہدایت اسی کو نصیب ہو گی جسے خشیت باری نصیب ہو اور خشیت کے لئے معرفت ضروری ہے خواہ کسی درجہ میں ہو یعنی جس حد تک عظمت باری اس کے باطن میں جاگزیں ہو گی اسی مناسبت سے خشیت یعنی اس کی ناراضگی کا خوف بھی پیدا ہو گا اور جس درجہ کی خشیت ہو گی' قرآن کریم سے اسرار و رموز منکشف ہوتے چلے جائیں گے یہی وجہ ہے کہ لوگ چونکہ خشیت کے درجات میں مختلف ہیں' تو خدا کے اسرار میں بھی تفاوت ہے نیز خشیت کے بے حد مدارج ہیں اس لئے فہم قرآن بھی کسی پر بس نہیں بلکہ ہر غواص جواہرات سے دامن بھرلاتا ہے لیکن معرفت کا واحد ذریعہ اتباع رسالت اور ذکر اسم ذات اور ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔ واذکر

اسم ربک و تبتل الیہ تبتیلا گویا تبتل الی اللہ نصیب ہی کثرت ذکر سے ہوتا ہے اور انسانی بس میں معرفت کا بھی پہلو ہے کہ اللہ کے سامنے ماسوا اللہ کو فراموش کر بیٹھے ورنہ اللہ جل شانہ کی کیفیت وکمیت کے بارے میں تو نہیں سوچا جا سکتا۔ رہی یہ بات کہ اس کے اسرار کیسے غیر منتہی ہیں تو چونکہ یہ کلام باری ہے اور اس کی صفت ذاتی ہے تو جیسے اس کی ذات حدود سے وراء ہے ایسے ہی اس کی صفات حدود سے بالاتر ہیں۔ یہ اللہ بہت بڑا رحم کرنے والا ہے اتنا کہ عاجز مخلوق کو اپنے کلام ذاتی کی لذتوں سے نوازتا ہے' ورنہ اسے کیا غرض' وہ تو ساری کائنات کا خالق و مالک ہے' رزاق ہے' سب اس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں' وہ مخلوق کو اس طرح سنبھالے ہوئے ہے کہ کسی شے کی کوئی حرکت ہو یا سکون' ارادہ ہو یا خیال ظاہر کرے یا پوشیدہ سب کچھ جانتا ہے اس کا علم سب کائنات سے وسیع تر ہے' جس کی نہ اول ہے اور نہ آخر اس کا علم ازلی ہے قدیم ہے' مخاطب بات کرے تو وہ سن رہا ہے' دل میں پوشیدہ رکھے تو بھی وہ جانتا ہے بلکہ اس سے بھی باریک ترشے ترے وجود میں ہے جو تو نہیں جانتا مگر وہ اس سے واقف ہے۔ سِرّ اس بھید کو کہتے ہیں' جو انسان خود جانتا ہو مگر دوسروں سے پوشیدہ رکھتا ہو مگر اخفٰی وہ بھید ہے جس کے سینے میں ہے وہ خود بھی اس کی حقیقت سے کماحقہ آگاہ نہیں اور یہ اس طرح ہے کہ ہر متنفس کو اللہ سے ایک نسبت باطنی حاصل ہے اور وہی نسبت حقیقت ایمان ہے اور اس قدر پوشیدہ کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا حتیٰ کہ شیخ کو مرید کی حالت کا پتہ نہیں بلکہ نبی کو امتی کے اس حال کی خبر نہیں ہوتی بجز اس کے کہ اللہ آگاہ فرما دے۔ جیسے فرمایا' ترجمہ۔ ان لوگوں کو آپ ڈرائیں یا نہ ڈرائیں یہ دونوں اس کے لئے برابر ہے کیونکہ ان کی نسبت باطنی اس قدر ٹوٹ چکی ہے کہ بن نہیں سکتی اگر آپ ﷺ کو پہلے سے خبر ہوتی تو یہ بتانا تحصیل حاصل ہے جو کلام باری میں ممکن نہیں۔ سو اخفٰی وہی بھید ہے جو بندے اور اس کے خالق کے درمیان ہے کتنے ایسے ہیں جو اپنے آپ کو نیک جانتے ہیں مگر وہ مقبول نہیں ہوتے۔ نتیجتاً'' خاتمہ بالایمان نصیب نہیں ہوتا اور کتنے ایسے ہیں جو ہماری نگاہ میں بدکار ہوتے ہیں مگر عنداللہ مقبول اور انہیں خاتمہ بالخیر نصیب ہو جاتا ہے۔ یہ ایک خاص اندرونی تعلق ہے اور جیسا کسی کا تعلق ہوگا اسی طرح اس پر رحمت متوجہ ہوگی۔ اسی لئے مشائخ عظام فرماتے ہیں کہ ذکر اجتماعی میں فائدہ زیادہ ہے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ

جس قدر افراد جمع ہوں گے' اسی قدر نسبتیں ہوں گی اور ہر نسبت کا رنگ جدا ہوتا ہے تو رحمت باری کا ایک رنگا رنگ گلدستہ بن جائے گا۔

فیض

فرمایا۔ ہم جو مراقبات جو اللہ اللہ یا عبادات جسے ہم فیض کہتے ہیں ہماری مراد فیض سے یہ نہیں ہوتی کہ لوگ جن کے پاس آتے ہیں تو اس سے ہماری اولاد پیدا ہوتی ہے حقیقت میں یہ طے ہو چکا ہے' اللہ کو علم ہے کہ اس نے کتنے بندے پیدا کرنے ہیں وہ کسی کے مشورے سے اپنے پروگرام بڑھائے گھٹائے گا نہیں اس نے لوگوں میں عمریں تقسیم کر دیں کسی کے مشورے کا محتاج نہیں آج کوئی اسے کہے کہ اس کی زندگی گھٹا دے' اس کی بڑھا دو' اس کا اپنا معاملہ ہے اس نے رزق بانٹ دیا' لوگوں کو پیدا کرنے کے بعد اس نے مقدر کر دیا کہ فلاں کو اتنا ملے گا فلاں کو اتنا ملے گا۔ دیکھتے نہیں ہو لوگ اربوں روپے جمع کرتے ہیں ان کے اپنے نہیں ہوتے' ان کو کھانے نہیں دیتا' وہ بعد میں آنے والوں کے لئے ہوتے ہیں وہ کھاتے ہیں ہم اس لئے یہاں جمع نہیں ہوتے کہ بزرگوں کے پاس آنے سے مقدمہ جیت جائیں گے کبھی نہیں اس لئے آتے ہیں کہ ہمیں وہ تسکین حاصل ہو' وہ نور ایمان نصیب ہو کہ ہم جب واپس میدان کارگہہ حیات میں جائیں' تو ہمارا اسلامی تشخص ہمارے مسلمان ہونے کی جو حیثیت ہے ہم اسے قائم رکھ سکیں۔ وہ برکات ہیں جو بارگاہ نبوت سے بٹتی ہیں جو اہل اللہ کے سینوں میں ہوتی ہے اور ہم اصطلاح شریعت میں اخذ فیض یا اخذ برکات کہتے ہیں اس سے مراد یہی قلبی کیفیت ہے اور اگر کسی کو ذکر اذکار سے یہ نعمت حاصل نہیں ہو رہی' تو یہ اس غلط فہمی میں نہ پڑے کہ اس کے ذکر کرنے سے بارشیں ہوتی ہیں' وہ پیدا نہیں ہوا تھا تو بارشیں ہوتی تھیں' وہ مر جائے گا' یہ ہوتی رہیں گی تو پھر میں اور آپ اس کا سبب کیسے بن گئے دنیا کا نظام میں اور آپ نہیں تھے' تو چلتا تھا نہیں رہو گے تو چلتا رہے گا کوئی بھی انسان اس کا سبب نہیں ہے۔ اس کی اپنی حکمت بالغہ ہے اس کی اپنی صنعت ہے اس کی اپنی کائنات ہے وہ خود بہتر سمجھتا ہے کہ کس وقت کیا کرنا ہے کس کو کب پیدا کرنا ہے اور کس کو کب دنیا سے اٹھا لینا ہے۔

ہمارا جو مقصد حصول فیض سے ہے' وہ یہ ہے کہ ہم میں وہ جرات وہ طلب وہ کیفیت

آجائے جو صحابہؓ میں تھی چونکہ ان کے سامنے تو شمس نبوت تھا' لیکن کوئی شمہ اس کا نصیب ہو جائے' اس لڑی میں پروئے جائیں' اس راستے میں چل نکلیں' وہ طلب آجائے اس سمت ہمارا قبلہ درست ہو جائے' ہمارا جینا ہمارا مرنا اس راستے پر ہو جائے جو متعین فرما دیا محمد رسول ﷺ نے۔

فنا کا مطلب

فرمایا۔ وہ گروہ جو دعوئ ایمان کے بعد اپنے آپ کو اس مقام پہ لے جاتا ہے جسے فانی کہتے ہیں اور تصوف کا ایک اصول ہے کہ جسے فنا حاصل ہو جائے' وہ وہاں سے پلٹتا نہیں ہے' لوٹتا نہیں ہے واپس نہیں آتا کیونکہ فنا کے بعد اس کا اپنا وجود باقی نہیں رہتا۔ اس فنا سے مراد یہی ہے کہ جس ہستی سے وہ مصفا ہوا' جس ہستی سے اس نے فیض حاصل کیا' جس ہستی سے اس نے برکات حاصل کیں' اس ہستی میں اپنے آپ کو اس طرح مدغم کرتا چلا گیا کہ اس کی اپنی ذاتی پسند نہ رہی بلکہ پسند اس ہستی کی رہی اور اس کا لحاظ بعض اوقات یہاں تک ہوتا ہے کہ غیر طبعی طور پر بھی ظاہر ہوتا رہتا ہے۔

نفاق

فرمایا۔ یہ نفاق ایسی بیماری ہے کہ کوئی یہ سمجھے کہ نفاق صرف آخرت میں ظاہر ہوگا یہ بات نہیں ہے اگرچہ وقتی اور لمحاتی طور پر دھوکا دیتے ہیں پیامبر ﷺ کو مومنین کو۔ لیکن خدا چونکہ جانتا ہوتا ہے' فرمایا سنعذبھم مرتین۔ میں انہیں دوگنا عذاب دیتا ہوں مختلف محققین نے مختلف کیفیات عذاب کی لکھی ہیں لیکن میں نے اسے یوں سمجھا ہے کہ دو دفعہ عذاب دینے سے مراد یہ ہے کہ ایک عذاب تو یہ ہوا کہ نفاق بالآخر دنیا میں پھٹ جاتا ہے اور کوئی بھی منافق اس نفاق کو محفوظ لے کر اس دنیا سے نہیں اٹھتا' یعنی جس بات سے وہ ڈرتا ہے کہ ظاہر نہ ہو جائے' وہ ظاہر ہو کر رہتی ہے اور دوسرا عذاب الٰہی یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ بننا چاہتا ہے وہ بن نہیں پاتا۔

ولایت و نبوت

فرمایا۔ یاد رکھیں کہ نبوت نبی ﷺ کی ذات کا وصف بن جاتا ہے لیکن ولایت ولی کی ذات کا وصف نہیں بنتی۔ ولایت مشروط رہتی ہے ہمیشہ اوصاف انسانی سے اسی لئے نبی معصوم ہوتا ہے' اس سے خطا ہو ہی نہیں سکتی اور ولی مکلف ہوتا ہے کہ جب کبھی وہ وصف چھوڑ دے گا جو ولایت کی تعمیر کا سبب بنا تو ساری عمارت دھڑام سے گر جاتی ہے۔

ولایت اور نبوت میں بنیادی طور پر یہ فرق ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام کی نبوت اس کی ذات کا وصف بن جاتی ہے اس سے جدا نہیں ہو پاتی اور یہ کمال ہوتا ہے نبی کا کہ وہ معصوم عن الخطا ہوتا ہے اور اس سے کبھی غلطی ہوتی ہی نہیں۔ ولی سے خطا کا صدور ممکن ہے ہر لحظہ ہر آن ہر گھڑی جب تک وہ اس دنیا سے رخصت نہیں ہوتا نبی ﷺ کے بعد سب سے غلطی کا امکان رہتا ہے اور ولایت کی بنیاد یہ ہوتی ہے کس درجہ وابستہ ہے اپنے نبی کے ساتھ یا اپنے مربی کے ساتھ یا اپنے شیخ کے ساتھ اگر تو یہ اس کی ذات میں فنا رہے تو یہ ایک ڈھال بن جاتی ہے لیکن اگر اس کی ذات کو استعمال کر کے بنیاد بنا کر اپنی عظمت کا خواہاں رہا تو جس طرح منافق نے ذات پیامبر ﷺ کو بنیاد بنایا کہ میں حضور ﷺ کا غلام ہوں حضور ﷺ کا تابع فرمان ہوں' خدا پر ایمان رکھتا ہوں لیکن اس ایمان اور اس دعوے کے پردے میں تکمیل اپنی خواہشات کی کرتا رہا مومن اور منافق میں بنیادی فرق یہ ہے کہ مومن ساری محنت کرتا ہے حضور ﷺ کے ارشاد کی تکمیل کے لئے اور منافق حضور ﷺ کے حکم بھی اس لئے مانتا ہے کہ آپ کا تابع فرمان کہلا کر اپنا کوئی مفاد حاصل کر لے۔

مثالی جسم

فرمایا۔ انسانوں کی طرف تو روز اول سے لے کر حضور ﷺ تک جب کبھی اور جہاں بھی ضرورت محسوس ہوئی نبی یا رسول مبعوث کر دیا گیا اور آپ ﷺ کے بعد اگر نبوت کا باب بند ہوا تو اللہ نے تعلیمات کو ہمیشہ باقی رکھنے کا ذمہ لے لیا چنانچہ نئے نبی کی ضرورت ہی نہ رہی مگر اس مثالی جسم غریب نے کب دار تکلیف میں قدم رکھا کون اس کی

طرف نبوت مبعوث ہوا اور کس جرم کی سزا اس نے پائی بس ویسے ہی غریب کو پیدا فرما کر پیٹنا شروع کر دیا کمہار کی خدائی ہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہوتا بلکہ بعد از وفات روح اسی لباس میں نظر آتا ہے جس میں دنیا میں انسان رہتا تھا تو صوفیا نے اسی کو یعنی روح کو ہی جسم مثالی کہہ دیا ورنہ اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں رہی وجود انسانی کی بات تو سمجھ لیں کہ وجود مادہ سے بنا ہے اور مادہ عدم سے سو دن رات اربوں اشیاء اور صورتیں بنتی ہیں اور اسی انداز سے فنا بھی ہوتی رہتی ہیں کہ کل شیی ءیر جمع الی اصلہ یعنی ہر شے اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے بالآخر سب ختم ہو جائیں گی اور قیامت کے بعد ان میں سے کوئی شے باقی نہ ہو گی مگر وجود انسانی ختم نہیں ہو گا بلکہ ہمیشہ رہے گا کیوں؟ اس لئے کہ اسے روح سے بہت گہرا تعلق ہے اور روح مادہ سے نہیں' امر الٰہی سے ہے۔ قل الروح من امر ربی روح میرے امر سے ہے امر اللہ کی صفت ذاتی ہے اور ازلی و ابدی ہے اور صفت الٰہی کو فنا نہیں تو روح کو بھی فنا نہیں پھر روح کا رشتہ ذرات بدن سے اس قدر قوی ہے کہ یہ بھی ہمیشہ باقی رہیں گے۔ دوزخ میں رہے یا جنت میں انسان مخلوق ہے' حادث ہے لیکن اللہ نے فیصلہ فرما دیا کہ یہ ہمیشہ رہے گا سو یہ رشتہ برزخ میں ٹوٹ نہیں جاتا جیسا کہ فرعون اور اس کی آل غرق ہوئے تو ارشاد ہے اغرقوا فادخلوا نارا کہ غرق ہوئے اور فوراً" آگ میں داخل ہوئے۔ یہاں اغرقوا سے مراد صرف ان کے ارواح نہیں بلکہ انسان یعنی روح مع الجسد ہے اور وہی غرق آب بھی ہوئے تو ادخلوا کا مصداق بھی وہی ہیں۔ کوئی قرینہ موجود نہیں کہ ادخلوا سے صرف ارواح مراد لی جائیں۔ فرعون کا جسد عنصری اگرچہ آج بھی قاہرہ کے عجائب گھر میں رکھا ہے مگر برزخ کی آگ میں بدستور جل رہا ہے بلکہ ارشاد ہے النار معرضون علیھم غدوا" وعشیا کو صبح و شام آگ تازہ بتازہ بھیج دی جاتی ہے۔ سو روح برزخ میں کسی جگہ بھی ہو اور جس کسی صورت میں بھی ڈھل جائے اس کے ہر ذرے کو روح سے تعلق رہتا ہے اور اس کا انکار کرنے والوں کو آپ دیکھیں تو کبھی جسم مثالی گھڑتے ہیں' کبھی اِسی گڑھے کے قبر ہونے کا انکار کرتے ہیں اور کبھی سرے سے عذاب و ثواب اور نکیرین کا انکار اگر نہیں کرتے تو انکار ہی کی مثل کوئی توجیح گھڑتے ہیں۔ پھر احادیث کی صحت کا انکار کرتے ہیں بزرگان سلف پہ طنز کرتے ہیں حتی کہ صحابہؓ تک ان کی زد سے محفوظ نہیں یہ سب بدحواسیاں صرف اس ایک انکار

کا شاخسانہ ہیں کہ روح کا تعلق ذرات بدن سے کیوں مانیں' بھئی اس لئے مانو کہ یہ ہوتا ہے اس کی خبر اللہ نے دی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے دی ہے۔

فرمایا۔ ذکر اذکار دراصل کمالات اطاعت کا پھل ہوتا ہے اور اطاعت کا کمال ذکر کے سبب سے نصیب ہوتا ہے اس لئے ان دونوں کی نگہداشت اس انداز سے کی جائے کہ میں جو ذکر اذکار کرتا ہوں تو کیا یہ میری عملی زندگی میں تبدیلی پیدا کر رہا ہے یا اپنی عملی زندگی کو جسے میں نیک سمجھتا ہوں کیا اس پر یاد الہٰی کا پھل لگ رہا ہے تو یہ دونوں یعنی ذکر اور اطاعت ایک دوسرے کا سبب بھی ہیں' باعث بھی ہیں اور معیار بھی ہیں اگر عمل میں احترام ہوگا' اللہ کے احکام کا' اللہ کے رسول ﷺ کا تو پھر اطاعت نصیب ہوگی اور اس پر ذکر کا پھل لگ جائے گا اور ذکر کرنے سے اطاعت پیدا ہوگی۔

فرمایا۔ یہ جو ساری کوشش ہو رہی ہے ذکر اذکار کی' احباب کے اجتماعات کی' لطائف اور مراقبات کی۔ اس کا حاصل کیا ہے۔ بندہ وہی ہوتا ہے جو خواہش تو کر سکتا ہے لیکن حکم نہیں دے سکتا' دراصل جو دینے پر فائز ہو گیا وہ تو پھر خود خدا ہو گیا' پھر وہ بندہ تو نہ رہا' تو نے تو برابری کا دعویٰ کر دیا۔ بندہ تو وہی ہے' جو درخواست تو کرے لیکن ہوگا وہی جو مالک چاہے گا۔ ذکر کا مقصد یہ نہیں ہے کہ انوارات نظر آجائیں کیونکہ انوارات ہر کسی کو نظر نہیں آتے اگر دل میں یہ خوف پیدا ہو جائے کہ میں گناہ نہ کروں تو مقصد حاصل ہو گیا لیکن اگر کردار متاثر نہیں ہوتا' ہمارے اعمال نہیں بدلتے' ہمارے اخلاق صحیح نہیں ہوتے' ہماری سوچ صحیح نہیں ہوتی اور ہمیں مختلف روشنیاں نظر آتی ہیں تو اسے استدراج کہتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارا نفس مختلف روشنیاں ہمیں دکھا رہا ہے یا جس عجیب کام کے ساتھ کردار سازی نہ ہو اسے استدراج کہتے ہیں۔ وہ کافر کو بھی ہو سکتا ہے' بلکہ ہوتا ہی بدکاروں کو ہے۔

فرمایا۔ وراثت نبوت کیا ہے' وہی عمل جو نبی ﷺ نے مخلوق کو عطا فرمایا اور وہی کمال بطور وراثت نبی ﷺ کی برکات کو لے کر نبی ﷺ کے امتیوں کو اس طرح بانٹی جائیں کہ ان میں پھر ویسی ہی کیفیات پیدا ہو جائیں جو پچھلے دور میں پیدا ہو چکی ہیں اب اس میں یہ بھی ضروری نہیں کہ سب کو کشف ہو جائے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ سب کو کشف نہیں ہونا چاہئے۔ کشف یا مشاہدے کا ہونا یہ ایک الگ بات ہے کیونکہ عموماً" مشاہدے

اور کشف کے لئے توجہ یکسوئی اور اپنے ذہن کو ارد گرد کی بہت سی الجھنوں سے بچانا ضروری ہوتا ہے' آپ نے دیکھا ہوگا کہ جتنے لوگوں کے مشاہدات و مکاشفات بیان ہوئے ہیں' ان کی زندگیوں کو آپ دیکھیں' تو انہوں نے پوری دنیاوی ضروریات سے' دنیاوی نظام سے کٹ کر لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ کر' کاروبار حیات چھوڑ کر' دوستی دشمن سے الگ ہو کر' ایک گوشہ نشینی کی سی حالت اختیار کر لی' تو جب ذہن مختلف اطراف سے تقسیم ہونے سے بچ گیا تو وہ ایک طرف متوجہ ہو گیا اور اس کو کشف ہو گیا۔

فرمایا۔ اگر کوئی ہر حال میں ذکر کو اپنا لے تو ذکر اسے وہ شعور' وہ خاص "لب" عطا کر دیتا ہے کہ اسے ہر صنعت میں صانع کی عظمت نظر آنے لگ جاتی یعنی دوام ذکر نصیب ہو جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ حقائق جو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائے ہیں' وہ حقائق جو کتاب اللہ میں موجود ہیں تو اپنی حیثیت کے مطابق ہر ذاکر اس میں اللہ کی عظمت کو دیکھنے لگ جاتا ہے' جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے پھر اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ آگ کے عذاب سے نجات پائے' اللہ کی ناراضگی سے محفوظ رہے حشر کی شرمندگی سے بچ جائے آخرت کی رسوائی سے نجات ملے' اللہ اس کی مغفرت فرمائے' یعنی ذکر اس لئے واجب ہے کہ ذکر قلبی وہ دولت ہے جو "لب" عطا کرتی ہے ایک خاص شعور پیدا کرتی ہے' ایک خاص درجے کا فکر عطا کرتی ہے' جو عملی زندگی کو متاثر کر کے اسے اللہ کی ناراضگی سے دور اور اللہ کی رضامندی کے قریب کرتا چلا جاتا ہے۔

فرمایا۔ زندگی گزارنے کے اسباب = زندہ رہنے کے ذرائع' پیٹ بھرنے کے اسباب' اپنی ضرورتوں کا احساس اور ان کی تعمیل اس نے ساری مخلوق کو عطا کیا ہے۔ انسان میں باقی مخلوق کے علاوہ ایک خاص شعور بھی رکھا گیا ہے اس لئے اسے لب کہا گیا ہے لب ہوتا ہے کسی بھی شے کا اصل خلاصہ۔ اس میں جو جان ہوتی ہے اسے لب کہتے ہیں تو انسانی لب کیا ہے۔ وہ خاص شعور جو اسے اللہ نے بخشا ہے' اور وہ شعور یہ ہے کہ وہ صرف اپنی ضروریات کو ہی نہیں پہچانتا بلکہ اپنے مقصد تخلیق کو جانتا ہے اور خالق کی ذات اور اس کی صفات کو بھی پہچانتا ہے یہی وہ خاص شعور ہے' جس نے اسے باقی مخلوق میں بہت ممتاز کر دیا ہے۔

فرمایا۔ تفسیر مظہری میں حضرت پانی پتی مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کریمہ کے تحت لکھا

ہے کہ ذکر دوام اور ذکر قلبی ہر آن کرنا اور سیکھنا یہ ہر مسلمان مرد و عورت پر واجب ہے۔ اس لئے کہ جنہیں لب عطا ہوتا ہے وہ ذکر دوام کا نتیجہ ہوتا ہے اور نتیجہ لب ہی ہوتے ہیں' چونکہ نبی علیہ السلام کبھی یاد الٰہی سے غافل نہیں ہوتا نبی جہاں ہے' وہ زمین ذاکر ہو جاتی ہے' اس کے اجزاء ذاکر ہو جاتے ہیں' جو لباس استعمال کرتے ہیں اس کی تاریں ذاکر ہو جاتی ہیں' جس چیز کا نبی علیہ السلام سے تعلق بنتا چلا جاتا ہے' وہ چیزیں ذاکر ہو جاتی ہیں۔

فرمایا۔ ذکر کی اہمیت ہماری بتائی ہوئی نہیں ہے۔ قرآن حکیم نے اسے اسی درجے کی اہمیت دی ہے کہ کسی مسلمان مرد یا عورت کو اس سے استثنیٰ نہیں بخشا حتیٰ کہ خود نبی رحمت ﷺ کو ارشاد ہے واذکر اسم ربک و تبتل الیہ تبتیلا۔ یہ اس قدر ضروری ہے کہ آپ ﷺ کو اس منصب جلیلہ کے جو باوجود پوری مخلوق میں انفرادی ہے' ذکر کا حکم دیا گیا ہے۔ اس پر حضور ﷺ کا عمل کرنا ثابت ہے حدیث میں موجود ہے کہ آپ ﷺ ہر حال میں اللہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے کوئی حالت آپ ﷺ کی ایسی نہیں ہوتی تھی' جس میں آپ ﷺ ذکر نہیں فرمایا کرتے تھے۔ چلنا' پھرنا' اٹھنا بیٹھنا' کھانا پینا۔ اور یہ جو ذکر اذکار کئے جاتے ہیں' ان کا حاصل کیا ہے۔ ذکر اس لئے کئے جاتے ہیں کہ خشوع الی اللہ نصیب ہو' اللہ جل شانہ کے ساتھ ایک ایسا لگن' نظر نہ آنے والا' بیان نہ کرنے والا' ایک ایسا غیبی اور اندرونی تعلق قائم ہو جائے کہ آدمی جہاں بھی ہو' جس حال میں بھی ہو کہ وہ اپنے رب کو واقعی اپنے قریب محسوس کرے۔

فرمایا۔ آپ اپنے معمولات میں باقاعدگی پیدا کریں کوئی بھی شخص دو اوقات کے ذکر کو مت چھوڑے یاد رکھیں' یہ جو مغرب کے بعد کا ذکر ہے اگر فرصت نہیں ہے تو آپ عشاء کے بعد تک تو کر لیں لیکن ایسا نہ ہو کہ بغیر ذکر کئے سو جائیں چونکہ دن بھر میں جو آلودگی مزاج پہ آتی ہے اور جو کدورت دل پہ وارد ہوتی ہے' لوگوں کے میل جول سے باتیں کرنے سے باتیں سننے سے اور نحوست زدہ مقامات پر گزرنے سے منحوس اور نحوست زدہ اشیاء کھا جانے سے جس طرح کی کدورت وارد ہوتی ہے لطائف پر اور دل پر۔ اس کو بعد مغرب کا ذکر بفضل اللہ دھو دیتا ہے اور آدمی اگر یہ ذکر جم کر اور مجاہدے اور محنت سے کرے' تو پھر رات کو سوتے میں بھی یہ عمل مسلسل چلتا رہتا ہے اور دل اللہ اللہ کرتا رہتا ہے۔ جب سحری کو اٹھ کر ذکر کیا جاتا

ہے تو اس سے ترقی نصیب ہوتی ہے لیکن اس صورت حال میں جتنی خرافات دن کو سہنا پڑی تھیں، شام کو انہیں صاف کیا' ان کے ساتھ محنت کی اور اگر شام کو ان کے ساتھ محنت نہیں کی تو صبح اٹھ کر بھی شاید ساری صاف نہ کرپائے گا کیونکہ کوئی بھی کیفیت جو آپ لے کر آپ سو جائیں گے' وہ بڑھتی رہے گی اگر غفلت لے کر سو گئے تو اس میں اضافہ ہوتا رہے گا اور اگر آپ ذکر کرکے متوجہ الی اللہ ہو کر سو گئے تو آپ تجربہ کرکے دیکھ لیں کہ اتنی اللہ اللہ آپ کا دل بیٹھ کر ذکر کرتے ہوئے نہیں کر رہا ہوتا ہے جب آپ کی سوتے سے آنکھ کھلے گی' تو آپ محسوس کریں گے کہ کتنی شدت سے اللہ اللہ کر رہا ہے لیکن وہ تب' جب آپ اس کو اس کام پر لگا کر سو گئے محنت کرکے' مجاہدہ کرکے سو گئے تو جب اس کی یہ کیفیت ہوگی تو جو ذکر آپ سحری کو کریں گے' اس میں بفضل اللہ وہ مزید کیفیات اخذ کرے گا اور ترقی نصیب ہوگی۔

فرمایا۔ یہ صاحب لب یعنی وہ لوگ جنہیں خاص شعور عقل عطا ہوئی ہے اللہ کریم فرماتے ہیں ان لوگوں میں ایک خصوصیت ہوتی ہے الذین یذکرون اللّٰہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبھم۔ جنہیں وہ لب عطا ہوتا ہے جو صاحب لب ہوتے ہیں یا اولولاباب ہوتے ہیں' وہ کوئی حال اور کوئی لمحہ اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہونے دیتے' خالی نہیں جانے دیتے کھڑے ہوں بیٹھے ہوں' یا لیٹے ہوئے اور اللہ کو یاد کر رہے ہوتے ہیں' اللہ کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں۔ دوام ذکر انہیں تفکر عطا کر دیتا ہے' ویتفکرون فی خلق السمٰوت والارض وہ اس کائنات کی باریکیوں پہ نگاہ ڈالتے ہیں' ارض وسما میں اللہ کی صنعت کو دیکھتے ہیں اور پھر کہہ اٹھتے ہیں کہ اے اللہ تو پاک ہے۔ اتنا بڑا اتنا' صحیح' اتنا نازک اور اتنا مضبوط نظام اور اتنا نازک کہ اس میں ایک ایک ڈوری مکڑی کے تانے کی وہ بھی کسی حساب سے گنی چنی اور لگی بندھی ہے وہ بھی زائد اور بیکار نہیں ہے۔ اس کا بھی مقصد ہے اور اس کا بھی ایک اندازہ اور حساب ہے اور یہ اتنا مضبوط نظام ہے کہ صدیاں گزر گئیں اور یہ نظام چل رہا ہے تو ثابت ہوتا ہے اتنا بڑا نظام بغیر کسی نتیجے کے بنانا فضول ہوگا اور فضول کام تیری شان کے لائق نہیں ہے' تو پاک ہے' اس کا ایک نتیجہ ضرور نکلے گا نہ پہچاننے والوں اور ناشکری کرنے والوں کو سزا ملے گی اللہ اپنی رحمت سے اپنے کرم سے ہمیں اس سزا سے محفوظ رکھنا۔

فرمایا۔ اگر نبی علیہ والصلوۃ والسلام کے ساتھ مادی جسمانی رشتہ بھی ہو اور بدن متعلق

ہو جائے بدن رسول ﷺ سے تو عشق الٰہی ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے اسی طرح' اگر کسی کو روح اطہر ﷺ سے اپنی روح کو پیوست کرنا نصیب ہو جائے تو اس کا نتیجہ کتنا عظیم اور شاندار ہوگا۔

فرمایا۔ شیطان سے بچنے کا صرف ایک نسخہ ہے' ذکر صرف یہ ایک نسخہ ہے۔ اسی لئے اس کے حصول کے لئے راستہ ہے قلب کا تزکیہ' دل کی صفائی ہے۔

فرمایا۔ لکل شی ثقالته وثقالته القلوب ذکر اللہ۔ ہر شے کی ایک پالش ہے' اور دل کی پالش ذکر سے ہوتی ہے اور عجیب بات ہے یہ اللہ کریم کے احسانات میں سے ایک احسان عظیم ہے جس طرح ارشاد ہوا' لقد من اللہ المومنین اذبعث فیھم رسول من انفسھم۔ اللہ کے بے شمار احسانات میں سے ایک احسان یہ ہے کہ کسی کو ایسا شیخ نصیب ہو جائے جو برکات نبوی ﷺ کو بانٹتا ہو اور اگر واقعی ذکر قلبی نصیب ہو جائے تو اس احسان کی مثال کوئی دوسری نہیں ملتی۔

فرمایا۔ معمولات کو پوری محنت اور پابندی سے کیا جائے جیسے رات کو عرض کیا تھا وہ جو لوٹ مچی ہوئی تھی وہ بات حضرت کی ذات کے ساتھ تھی۔ اللہ کی کروڑوں کروڑوں رحمتیں ہوں جو قوت' جو برکت آپ رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ میں تھی' آپ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں تھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں تھی وہ دوسروں میں آ نہیں سکتی اور یہ قاعدہ ہے کہ بعد کے آنے والوں میں وہ قوتیں نہیں ہوا کرتیں اس لئے پہلے سے زیادہ محنت کی ضرورت ہے' وہ دروازہ بند نہیں ہوا' وہ نعمتیں بند نہیں ہوئیں وہ انعامات بند نہیں ہوئے لیکن اس کے حصول کے لئے پہلے سے زیادہ محنت ضروری ہے۔

فرمایا۔ تو میرے بھائی یہ جتنی محنت ذکر اور اذکار کی ہے یہ بہت ضروری ہے اور اگر کوئی اس خیال سے محنت کرتا ہے کہ اللہ اللہ کرنے سے اور یہاں آنے سے اور ان لوگوں کے ملنے سے میرے دنیا کے فلاں کام ہو جائیں گے تو وہ شخص اس عظیم نعمت کی قدر کو سمجھ ہی نہیں سکا دوستوں کو شکوہ تو ہوگا کہ میں ان کی دنیوی ضرورتوں کی باتیں نہیں سنتا' وہ یہ نہیں جانتے کہ میں آپ سب سے زیادہ ضرورت مند اور محتاج انسان ہوں اور میری ذاتی احتیاجات اتنی ہیں کہ شاید آپ میں سے کسی کی نہ ہوں تو جو خود محتاج ہوگا وہ دوسروں کو کیا دے گا۔

فرمایا۔ نوع انسانی میں کتنے افراد ہیں جنہیں ذکر کی ضرورت نہیں ہے اور اس سے مستغنی ہیں تو میرے خیال میں جہاں تک ہمیں قرآن حکیم سے راہنمائی ملتی ہے' اللہ کی مکلف مخلوق میں کوئی فرد ایسا نہیں ہے' جو اس کے ذکر سے مستغنی ہو۔ اسی لئے خداوند کریم نے ذکر سے محروم لوگوں کو غیر عقل مندوں میں شامل کیا ہے اور عقل مند اور دانا انہی کو کہا گیا ہے جو ہر حال میں اس کا ذکر کرتے ہیں' تو گویا جو ذاکر نہیں ہیں وہ عقل مند نہیں ہیں۔

فرمایا۔ ان لک فی النھار سبحا طویلا اے میرے حبیب ﷺ آپ پر ہر طلوع ہونے والا سورج تیرے لئے بہت سی مشقتیں لے کر آتا ہے۔ کتنی عجیب گواہی ہے' اللہ کریم فرماتے ہیں کہ میں جانتا ہوں کہ کل پھر جو سورج طلوع ہو گا اس میں تجھے کتنی مشقت اٹھانا ہے' کتنی محنت کرنا ہے' کتنی تکلیف برداشت کرنا ہے' اس کے باوجود فرمایا کہ ساری رات مت سویا کرو۔ اونقص منه قلیلا اوزد علیه آدھی رات کو جاگیں یا اس سے کم کرلیں لیکن ساری رات میرے حبیب ﷺ سوتے نہیں گزارنی ہے۔ تھوڑی ہو یا زیادہ جاگیں ضرور۔ عجیب پیارا انداز ہے۔ فرمایا۔ میں جانتا ہوں' انسان کا میں خالق ہوں' اس کی ضروریات کا خالق ہوں' ان ناشئتہ الیل ھی اشڈ وطا واقوام قیلا۔ راتوں کو اٹھنا تھکے ہارے آدمی کو محنت مزدوری کر کے کام کاج کر کے تھک کر لیٹے ہوئے آدمی کے لئے بہت مشکل ہے۔ واقوم قیلا۔ لیکن رات کی بات بہت مزا دے جاتی ہے اللہ کریم کو بھی یہ پسند ہے کہ جب ساری دنیا غفلت میں ڈوب جائے' تو میرے بندے مجھ سے باتیں کریں۔ واقوم قیلا بات کا مزا آجاتا ہے رات کو اٹھا کیجئے۔ ورتل القرآن۔ قرآن کو پڑھا کیجئے مزے سے۔ ترتیلا مزے مزے سے' ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجئے اور پھر فرمایا۔ میرے حبیب ﷺ واذکر اسم ربک۔ اپنے پروردگار کے نام کی تکرار کیا کیجئے یعنی ذکر کی یہ تعین بھی فرمادی کہ میرا ذاتی نام دہرائیں۔ رب کا نام تو اللہ ہے' اسم ذات تو صرف اللہ ہے تاکید کردی کہ اللہ اللہ کو دہرائیں' کتنی دیر دہرائیں' فرمایا۔ وتبتل الیه تبتیلا اتنی بار میرے حبیب ﷺ دہرائیں کہ ذہن میں' دل میں دماغ میں نگاہ میں اللہ ہی اللہ رہ جائے اور کائنات محو ہو جائے۔

طلب اور ایمان کے تقاضے

فرمایا۔ اسلام وہ طرز حیات ہے کہ آدمی خوب سوچ سمجھ کر اور تجزیہ کر کے اپنا نفع ونقصان دیکھ کر یہ فیصلہ کرتا ہے کہ مجھے اس راستے پر چلنا ہے اسی لئے ارشاد ہوتا ہے۔ لا اکراہ فی الدین کہ دین قبول کرنے میں کسی طرح کوئی جبر نہیں ہے ہر شخص کا اپنا ذاتی فیصلہ ہونا چاہیئے' یہاں تک تو بات عام فہم ہے لیکن ایمان کا تقاضا اس سے بڑھ کر کچھ آگے تک ہے وہ تقاضا یہ ہے کہ حضور ﷺ کو نہ صرف نبی اور رسول مانا جائے اور نہ صرف ان سارے حقائق کا اقرار کیا جائے جو حضور ﷺ نے پیش فرمائے' یعنی جو حقائق جو عقائد حضور ﷺ نے پیش فرمائے ان میں سے کسی ایک کا انکار حضور ﷺ کی رسالت کا انکار قرار دیا گیا اور نہ صرف یہ بلکہ اس سے بھی باریک تر بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ کو محبوب ترین ہستی قرار دیا جائے اور دل کی گہرائیوں سے اور ٹوٹ کر چاہا جائے یہی تقاضائے ایمان ہے اس کے بغیر ایمان نصیب نہیں ہوتا۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں کسی مومن کو کوئی الجھن پیدا ہو تو وہ آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہو اور جو بات آپ ﷺ کہہ دیں اس پر وہ نہ صرف یہ کہ عمل کرے بلکہ ثم لا یجلون فی انفسھم خرجا" مما قضیت ویسلم تسلیما کہ آپ ﷺ نے جو فیصلہ فرما دیا اس کے متعلق اس کے دل میں بھی کوئی خلش نہ آئے یعنی نہ صرف یہ کہ اسے خندہ پیشانی سے قبول کرے' اس پر عمل کرے بلکہ دل کی گہرائیوں میں بھی اس پہ اعتراض پیدا نہ ہو۔

فرمایا۔ عبادات کوئی بوجھ نہیں ہیں' عبادات مصیبت نہیں ہیں لیکن عبادات کسی چیز کے ساتھ مشروط بھی نہیں ہیں فرمایا عبادات تو کرو میرے لئے لیکن پہلے تو تم اپنی ہجرت کو میری بات پر کھرا کرو۔ اس کی آزمائش کے لئے تم پر مصیبتیں بھی پڑیں گی۔ یہ نہ سمجھو کہ تم نے کہہ دیا ہم مسلمان ہیں اور تمہاری جان چھوٹ جائے گی بلکہ ولنبلونکم بشئی من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات کہیں خوف مسلط ہوگا کہیں بیماری آجائے گی کسی کی موت کا صدمہ آئے گا کہیں کسی سے جدائی کا دکھ ہوگا یہ ساری باتیں گزریں گی یعنی انسان رہو گے اور انسانی ضرورتیں' انسانی تکلیفیں' انسانی پریشانیاں آئیں گی' لیکن اس کے باوجود جب تم اپنی بات پر جمے رہے تو تم اپنی منزل پر پہنچ

گئے۔

فرمایا۔ ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر نماز یا دیگر عبادات جو دنیا میں پھل آور نہیں اس پر آخرت میں بھی پھل نہیں لگے گا۔ آخرت کا تو ہمارے پاس کوئی آئینہ نہیں کہ ہم دیکھ لیں کہ ہماری نمازوں نے یا وظائف نے یا ہمارے ذکر اذکار نے کیا کامیابی حاصل کی لیکن قرآن نے جو معیار دنیا کی کامیابی کا دیا ہے وہ ہمارے پاس ہے اور قرآن کا معیار یہ ہے کہ نماز بے حیائی سے روکتی ہے اب اگر ہماری عبادات درست ہیں' عنداللہ مقبول ہیں تو پھر اللہ ہمیں بے حیائی اور برائی سے بچنے کی قوت دے دے گا۔ میں یہ تو نہیں کہہ رہا ہوں کہ جو شخص فیلڈ میں برائی کرتا ہے وہ نماز چھوڑ دے بلکہ میں یہ کہہ رہا ہوں جو نماز پڑھتا ہے وہ فیلڈ میں برائی کرنا چھوڑ دے۔

فرمایا۔ عبادات دراصل دل کی ایک کیفیت کا نام ہے حقیقت میں عبادات انسان کے اندر ایک کیفیت ہے جب اس کے سامنے ایک ایسی ہستی آئے جو اس کے وجود کی خالق بھی ہو' وجود کی تربیت کرنے والی بھی ہو' وجود کو باقی رکھنے والی بھی ہو اور اس کی ذات پر جو مصیبت آئے یا اسے جو لذت نصیب ہو اس کے تمام حالات پر اس کی قدرت کاملہ کی گرفت ہو اور خود وہ اپنی ذات کے لئے کسی کی محتاج نہ ہو۔

فرمایا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ میرے حبیب ﷺ ان سے کہہ دے کہ اس میں تمہارا قصور نہیں ہے تمہارا قصور اور ہے اور وہ ہے انابت الٰہی کا نہ ہونا۔ اصل خطا جو ہے وہ اس جگہ ہے کہ تمہارے دلوں میں انابت الٰہی ہے ہی نہیں اور خدا کا قاعدہ یہ ہے کہ ان اللّٰہ یضل من یشاء ویھدی الیہ من اناب اللہ کریم جسے چاہے ہدایت سے دور رکھے' اور ہدایت تو وہ دیتا اسی کو ہے' جس کے دل میں انابت آجائے یعنی ہدایت کی تمنا اور ہدایت کی خواہش اور آرزو پیدا کرنا یہ انسان کا کام ہے کہ اس کے دل میں طلب الٰہی پیدا ہو جائے اور اس کو ہدایت نصیب کرنا یہ اللہ کا کام ہے۔

فرمایا۔ کہ جب کسی کے دل میں طلب پیدا ہو جائے تو اللہ کریم اسے ایسے لوگوں کے پاس پہنچا دیتا ہے جو اللہ کے ایسے بندے ہوتے ہیں' جو اللہ کا راستہ بتاتے ہیں اور یہ جو ہم شکوہ کرتے ہیں کہ کہاں جائیں۔ دنیا میں ہر بھیس میں ٹھگ ہیں پیروں کے بھیس میں بھی ٹھگ ہیں

علماء کے بھیس میں بھی ٹھگ ہیں تو انسان کہاں جائے تو یہ شکوہ بے جا ہے جب لوگوں نے خدا ہونے کا جھوٹا دعوی کر لیا نبی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کر لیا تو ولایت کا جھوٹا دعوی کرنے پر تعجب کی کیا بات ہے اصل بات یہ ہے کہ ہم خود جھوٹوں کے پاس جاتے ہیں کیونکہ ہمارے دل میں بھی طلب صادق نہیں ہوتی۔ جہاں طلب صادق ہو' جہاں انابت ہو اسے ہدایت نصیب کرنا یہ اللہ کا کام ہے اور جہاں خلوص نہیں ہو گا تو وہ اگر کسی اہل اللہ کے پاس پہنچا بھی' بیٹھا بھی رہا تب بھی وہ ہمیشہ کے لئے نہیں رہ سکتا۔

فرمایا۔ جہاں تک وسائل کا تعلق ہے۔ میرے بھائی! ہمیں جنون چاہئے ہمیں دانش عقل اور شعور نہیں ہمیں پاگل پن چاہئے پاگلوں کے لئے کیا وسائل ہوتے ہیں دیوانوں کے لئے کون سے ذرائع ہوتے ہیں اب دیوانگی کی ضرورت ہے اس دیوانگی کی اس پاگل پن کی ضرورت ہے جس نے مدینہ منورہ کی اس چھوٹی سی بستی کو یہ موقع نہیں دیا کہ وہ کہہ دے یا سوچ لے کہ بھئی روئے زمین سے لڑنے چلے اقوام عالم سے کیسے لڑو گے ذرائع کہاں سے آئیں گے لیکن انہوں نے کہا یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے یہ اللہ کا کام ہے ہمارا کام لڑنا ہے اور کامیابی حاصل کی۔

فرمایا۔ ہم تعلق باللہ وبالرسول کی بنیاد ہی خلوص پر رکھیں گے اگر خلوص نہیں ہے تو بنیادی طور پر وہ تعلق استوار ہی نہیں رہے گا لیکن اگر ہم نے اس تعلق کو بڑے خلوص سے استوار کیا' اس کتاب سے ہمیں برکات نصیب ہوئیں' نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے ہمیں مقامات نصیب ہوئے' برکات نصیب ہوئیں' کیفیات بھی نصیب ہوئیں اور اگر کسی لمحے آکر خدانخواستہ وہ خلوص ہم سے ضائع ہو گیا نہ رہا تو یہ نہیں کہ صرف خلوص جائے گا بلکہ جب دل کی کیفیت بدلے گی تو اس سبب سے نہ صرف وہ برکات نہیں جائیں گی بلکہ وہ بندہ خود الٹ کر الٹے راستے پر چل پڑے گا اور دوسرے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ تباہی کی طرف لے جائے گا۔ یہ ہے خلوص کے کھو جانے کا برا انجام۔

فرمایا۔ اللہ کی ذات کی طلب کا پیدا ہو جانا اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہونا محض اس سے بات کرنے کے لئے محض اس کا جمال دیکھنے کے لئے محض اس کی ذات کو پانے کے لئے' ترک معاصی کرنا اور اس کی ذات کی رضا کے لئے' اس کے قرب کے لئے' حسن عمل اختیار

کرنا' اس کی تلاش' اس کی جستجو میں سفر کرنا' اس سوچ میں سوجانا کہ اسے کیسے پا سکتا ہوں اور یہ سوچتے ہوئے اٹھ بیٹھنا تو یہ بھی تو ایک مقام ہے اگر تمام عمر اس میں بیت جائے تو بھی بڑی کامیابی ہے۔

فرمایا۔ نبی علیہ السلام کے ساتھ یا کتاب کے ساتھ رب العالمین کے ساتھ تعلق دل کا اور قلبی کیفیات کا ہوتا ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ فائدہ تب ہوگا جب ہمارا تعلق خلوص پر ہو۔

فرمایا۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ کوئی کام بہت زیادہ رفتار سے ہی اور بہت زیادہ عجلت سے ہی شروع ہو اور وہی نتیجہ خیز ہو بلکہ ضروری یہ ہوتا ہے کہ جو کام بھی کیا جائے اس میں دوام ہو اسے اگر مستقل مزاجی سے کیا جائے تو وہ نتیجہ خیز ثابت ہوتا ہے یہ الگ بات ہے کہ کبھی جلدی اور کبھی بدیر نتیجہ خیز ثابت ہو' تو بالآخر وہ قوت جو اس کام کو کرنے کے لئے ضروری ہے اس کا اس وقت ہی اندازہ ہوگا وہ قوت آپ چند دنوں میں حاصل کر پاتے ہیں یا چند مہینوں میں حاصل کر پاتے ہیں یا چند سال لگ جاتے ہیں عین ممکن ہے اس میں بہت زیادہ وقت لگ جائے تو ایک تو یہ اصول ہے کہ کسی بھی کام کو جب آپ شروع کرتے ہیں جب طے کر لیتے ہیں اور جب فیصلہ کر لیتے ہیں کہ مجھے یہ کام کرنا ہے تو بنیادی اصول یہ ہے کہ پھر اسے آپ باقاعدگی سے کریں اگر آپ نے کبھی کر لیا اور کبھی چھوڑ دیا تو اس طرح سے عظیم متوقع نتائج حاصل نہیں ہوتے۔

فرمایا۔ یہ طلب و جستجو اس کا کوئی لمحہ پوری زندگی میں پورے سال میں' پورے Course میں پورے دورانیہ میں پورے ہفتے میں یا کسی نماز کے کسی سجدے کسی ذکر میں ایک لمحہ بھی نصیب ہو جائے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ سینکڑوں بار زندگی نصیب ہونے سے یہ ایک لمحہ قیمتی ہے اور یہ بہت بڑی قیمتی چیز ہے اگر اس میں رائی برابر بھی کوئی درد کی چھوٹی سی ٹھیس آپ کے دل کو صیقل کر سکے تو یہ اللہ کی بہت بڑی عطا ہے۔

فرمایا۔ اگر اللہ نے کسی کو یہ طلب دی اور اگر اللہ نے کسی کو ایسا مدرسہ دے دیا ہے اگر اللہ نے کسی کو کوئی ایسا استاد دے دیا ہے اگر اللہ نے کسی کو کوئی ایسا بندہ دے دیا ہے جہاں سے وہ یہ فن سلوک و تزکیہ حاصل کر سکتا ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کے لئے پھر اور مانگنے کو بھی کچھ رہ نہیں جاتا۔

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ. میرے اس دعا کے بعد

فرمایا۔ یہ راستہ بظاہر بہت مشکل' بہت کٹھن' بہت دشوار ہے لیکن اگر اللہ کریم خلوص دے دے تو یہ آسان ترین راستہ ہے۔ بات صرف مقصد یا طلب کے تبدیل ہو جانے کی ہے' انسان دنیا میں رہتے ہوئے کسی طرح بھی دنیا کی طلب سے آزاد نہیں ہو سکتا اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنی ضرورتوں سے آزاد نہیں ہو سکتا' تو ان کی تکمیل کے لئے ذرائع کی طلب سے کیسے آزاد ہو گا۔ برکات نبوت کا کمال یہ ہے کہ طلب کا رخ بدل جاتا ہے دنیا کی طلب دوسرے درجے میں چلی جاتی ہے اور قرب الٰہی کی طلب اول ہو جاتی ہے۔

فرمایا۔ میں کہتا ہوں کہ ساری زندگی کسی کو الہام و القا نصیب نہ ہو ساری زندگی کسی کو کشف و مشاہدہ نصیب نہ ہو' لیکن مرتے دم تک اس کی طلب میں تڑپتے رہنا بہت بڑی بات ہے۔ ہم بے مایہ سہی' ہم خطار کار سہی' ہم جاہل سہی' ہم بدکار سہی' لیکن ہم اس بات کے طالب تو ہیں اس میں عمر تو لگا سکتے ہیں کہ اللہ کی طلب کبھی کسی لمحے میرے دل میں بھی آجائے اس کے لئے ہر حرام سے بچنے کی کوشش کی جائے اس کے لئے لئے ہر حلال کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اس کے لئے ہر آن اطاعت کی کوشش کی جائے اس کے لئے ہر آن نافرمانی سے بچنے کی کوشش کی جائے۔

فرمایا۔ یہ بہت بڑی نعمت ہے اللہ نے آپ کو یہ طلب اور جستجو دی ہے اللہ اس درد کو قائم رکھے' یہ وہ درد ہے جس کے مریض اس کا خاتمہ نہیں چاہتے بلکہ اس درد میں اپنا خاتمہ چاہتے ہیں یہ وہ بیماری ہے جس کے مریض اس سے شفا نہیں چاہتے اس میں اپنی فنا چاہتے ہیں کہنے والوں کو کہنے دو' اس کی طرف توجہ دے کر اپنا وقت ضائع کرو گے اس سے الجھ کر اپنے وقت برباد کرو گے' جتنی دیر انہیں جواب دینا ہے اتنی دیر ادھر توجہ دو آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔

فرمایا۔ رب جلیل نے ایمان کا ثمرہ اس دنیا میں بندے کا اللہ کے ساتھ تعلق کو قرار دیا ہے ہمارے پاس کسی نیکی کی کوئی رسید نہیں ہے ہمارے پاس کسی عمل کی مقبولیت کی کوئی سند نہیں ہے ہاں خطا اور گناہ کی سند موجود ہے اگر ایسا کرو گے تو یہ جرم ہے یہ خطا ہے یہ گناہ ہے

نیکی کا حکم بھی موجود ہے لیکن اس حکم کے ساتھ خلوص اور کرنے کا طریقہ ارادہ نیت وہ ساری شرائط قبولیت کی ہیں۔ نیکی تب ہی نیکی قرار پاتی ہے' جب وہ قبول ہو جائے اور قبولیت کی ہمارے پاس کوئی سند نہیں ہے یہ ایک ایسا عجیب انداز ہے کہ گناہ کا انسان کو یقین ہو سکتا ہے' نیکی وہ کر تو سکتا ہے لیکن اسے یہ خبر نہیں ہو سکتی کہ نیکی ہے بھی یا محض ہم نیکی سمجھ کر کرتے ہیں دراصل وہ خطا ہوتی ہے یا ریا ہوتی ہے لیکن تمام نیکیوں سے جو حاصل ہوتا ہے وہ ہمارے سامنے قرآن حکیم نے بیان کر دیا ہے اور وہ ہے بندے کے ساتھ اس کے مالک کا تعلق اور بندے کا تعلق اپنے رب کے ساتھ اگر وہ تعلق موجود ہے تو وہ کامیاب ہے۔ اب ہر شخص اپنے دل کا حال جانتا ہے' اپنے دل کی کیفیت جانتا ہے اپنے دل پر بیتنے والے حالات سے واقف ہے۔

فرمایا۔ فاتبعوا واتقو اب اس کے دو حصے ہیں ایک تو یہ ہے کہ اس کتاب کی بلاچون وچرا اطاعت کرلو تاویلیں مت گھڑو' سیدھی سیدھی کتاب ہے جو حکم دیتی ہے وہ مان جاؤ جہاں سے روک دیتی ہے وہاں رک جاؤ لیکن صرف یہ نہیں کہ تم عملاً" بظاہر دکھاوے کے لئے کرو' بلکہ اس کے ساتھ ضروری ہے' وتقوا خلوص قلب سے دل کی گہرائی سے یہ خدشہ رکھتے ہوئے کہ کہیں دل میں تکدر آجائے تو اللہ کریم ناراض نہ ہو جائیں محنت کرو۔

فرمایا۔ ہر کوئی اپنے سرمائے کی حفاظت کرتا ہے پھر انسان کے ذمہ یہ ہے کہ وہ اپنی دولت کی حفاظت کرے بلکہ بالکل اس طرح اس لذت اس تڑپ اس طلب جو قرب الہی کو پانے کے لئے اس کے دل میں بیدار ہو گئی ہے یہی اس کی اپنی پونجی اور اپنی متاع ہے انسان کو چاہئے اس کی حفاظت کرے اور اس کا وجود اس کی جان اس کی اولاد اس کا مال اس کی جائیداد یہ اس کی نہیں بلکہ مسلمان نے تو بیچ دی یہ اب خدا کی ہے اب وہ حکم دے اس کی تعمیل کرے۔ اپنی ملک تو ہے ہی نہیں اس سے پوچھ کر اس میں تصرف کرے۔ رہ گئی حفاظت و نگہبانی و نگہداشت تو وہ اپنے اس سرمائے کی کرے اپنی اس پونجی کی کرے اور اس کی پونجی کیا ہے وہ میٹھا میٹھا درد جو یاد خدا سے پیدا ہوتا ہے وہ لگن وہ تڑپ جو قرب الہی کے لئے دیوانہ کرتا ہے۔

فرمایا۔ لا یعصون اللہ یعنی فرشتے کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے و یفعلون ما تومرون = کہ جو حکم دیا گیا ہے وہ کر رہے ہیں تو اگر ہمیں بھی اس طریقے یعنی فرشتوں سے

قدرت جگائے قدرت ہاتھ منہ دھلائے قدرت ہم سے سجدے کروائے تو ہمارے انسان بننے کی کیا تک تھی پھر تو ہمیں فرشتہ ہونا چاہئے تو اس لئے میرے بھائی کوئی تعویز اللہ نے نہیں بنایا کہ جو ہماری قوت فیصلہ کو متاثر کر کے ہمیں دین دار بنا دے بلکہ فیصلہ ہر شخص کا اپنا ہوگا' جن لوگوں نے خود فیصلہ نہیں کیا وہ نبی کریم ﷺ کے سنہری دور میں بھی محروم رہے جنہوں نے بہت کچھ پالیا ان کی اپنی ہمت تھی صرف یہ ہمت ہی تھی اور جس کے فیصلے میں جتنی گہرائی تھی اتنی برکات نبوی ﷺ سے نصیب ہوئیں۔

فرمایا۔ ہر شخص مقامات قرب میں سے اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات کو حاصل کر سکتا ہے اپنی حیثیت کے مطابق اپنے جذبے کے مطابق۔ وہاں یہ ایک آئینہ بھی بن گیا ہے اب ہر شخص اپنے آپ کو اس فریم میں بھی فٹ کر کے دیکھ سکتا ہے کہ کیا میں اس فریم کے اندر آجاتا ہوں یا میرا کوئی کونہ کھدرا اس سے باہر رہ جاتا ہے یہ تمام ذکر اذکار' یہ تمام سفر اور مصیبت اٹھانے کا یہ تمام مجاہدات کا ماحصل یہی ہے کہ اللہ کے ساتھ تعلق حاصل ہو جائے اللہ پر یقین اور اعتماد حاصل ہو جائے آخرت پر اعمال و کردار میں صلاحیت اور نیکی آجائے اور برائی سے تنفر دوری نصیب ہو جائے اور توبہ کا موقع نصیب ہو اور کوئی شخص خدانخواستہ ان تمام محنتوں کے باوجود پھر بھی فضولیات میں الجھا ہوا ہے تو اسے از سر نو جائزہ لینا ہوگا اس یقین کا جس کے ساتھ وہ اس طرف راغب ہوا۔

فرمایا۔ طعن کرنے والوں کی زبان تو اللہ نے اپنی ذات سے نہ روکی انبیاء علیہم والصلوۃ سے نہ روکی رسولوں سے نہ روکی اب میں اور آپ چاہیں کہ سب لوگ ہمیں اچھا کہیں' یہ ناممکن ہے۔ سادہ سی بات ہے ہمیں کوئی اپنی اچھائی کا دعویٰ تو نہیں ہے کہ ہم سب سے اچھے لوگ ہیں نہ ہمیں کوئی اپنی پارسائی کا دعویٰ ہے اور نہ یہ کہ ہمیں پارسا مانیں' ہاں ہم اپنی طلب کے بندے ہیں ہم اپنی آرزو کے غلام ہیں، ہم اپنی دینی خواہش کے پیچھے مرمٹنے والے لوگ ہیں۔ ہم اپنی اس جستجو میں لگے ہوئے ہیں اور ہماری آرزو ہماری جستجو ہمارا مقصود ہماری غرض وہ اس کی ذات ہے۔

اخلاص

فرمایا۔ ضرورت اور محبت میں ایک فرق ہوتا ہے جسے ہم اس طرح سے جانچ سکتے ہیں کہ ضرورت کسی بھی دوسرے طریقے سے پوری کی جاسکتی ہے مثلاً" ہم کہیں کہ روشنی سے ہمیں محبت ہے اگر بجلی کی روشنی چلی جاتی ہے تو ہم ایک جرنیٹر چلا لیتے ہیں بجلی جانے سے کوئی دکھ محسوس نہیں ہوتا تو یہ ضرورت سے پیار ہے روشنی سے تو نہ ہوا' اسے ہم ضرورت کہیں گے اسے ہم بجلی کی محبت نہیں کہہ سکتے۔ یعنی ضرورت کا یہ خاصہ ہے کہ وہ کسی بھی دوسرے طریقے سے پوری کی جاسکتی ہے اب اگر محبت ہوتی تو جنریٹر چلا کر بھی ہم بجلی کے لئے تڑپتے رہتے کہ بھئی وہ کب آئے اسی طرح لیکن ایسا نہیں۔ دراصل ہم نے محبتیں چھوڑ دیں اور ضرورتوں کو محبتوں کے نام پر پالنا شروع کر دیا ہے' غرض کو اپنی حاجتوں کو ہم نے محبت کا نام دے دیا۔

فرمایا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایسا بہت کم ہے سب سے بڑی محبت جو ہم مسلمانوں کو جس کا دعوی ہے اور جو ہمارے ہاں سمجھی جاتی ہے' وہ یہ ہے کہ ہمیں اللہ والوں سے بڑی محبت ہے لیکن اگر دیکھا جائے تو ہر شخص کو اپنی اغراض سے محبت ہے' فلاں بزرگ کے پاس جانے سے میری یہ خواہش پوری ہو جائے گی' فلاں مزار پر دعا کرنے سے یہ بات بن جائے گی' روضہ اطہر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ جاؤں گا تو صلوۃ والسلام پڑھنے سے میری یہ خواہش پوری ہو جائے گی' تو ایسا بے وقوف انسان ان خواہشوں کو محبت کا نام کیوں دیتا ہے۔

فرمایا۔ اگر یہی محبت دین کو حاصل ہو جائے اور اس کے لئے ہمیں کبھی مال دینا پڑے' تو خرچ کر سکیں' کبھی وقت دینا پڑے تو دے سکیں' کبھی مشقت اٹھانی پڑے تو اٹھا سکیں' اس لئے کہ دین ہمارا محبوب ہے' ہمیں وہ پسند ہے ہم اسے نہیں چھوڑ سکتے' ہم اسے رکھنا چاہتے ہیں ہر نقصان پر بھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دونوں باتیں بیک وقت یعنی دین بھی اور دنیا بھی پوری طرح یکجا نہیں رہتیں۔ انسان اگر دنیا کے ساتھ پورا پورا لگا رہے تو دین میں سے کچھ نہ کچھ چھوڑنا پڑتا ہے' نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور اگر دین پر پورا پورا عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو دنیا میں سے کچھ نہ کچھ چھوڑنا پڑتا ہے۔ ایک طرف کا نقصان اٹھانا پڑتا ہے' تو یہ جذبہ پیدا کرنے کے لئے کہ دل میں وہ کیفیت آجائے کہ آدمی دنیاوی نقصان برداشت کر

لے لیکن دینی نقصان برداشت نہ کرے یہ ہماری اس محبت کا حاصل ہے۔

فرمایا۔ جس قدر معلومات زیادہ ہوتی چلی جائیں گی' جتنا کوئی جانے گا' اتنا ہی اس کا اقرار مضبوط اور اتنا اس کا ایمان ترقی کرتا چلا جائے گا۔ اس کے لئے جاننا شرط ہے' ہم میں اس جاننے کی محبت موجود ہے لیکن اتنی دب جاتی ہے' کہ بے شمار چھوٹی چھوٹی مصلحتوں کے انبار لگ جاتے ہیں اور جب کبھی آپ نے اس محبت کا اندازہ کرنا ہو' تو کسی مسلمان کے سامنے کسی کا حوالہ پیش کر دیں کہ فلاں شخص نے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی' تو وہ گستاخی یہ لفظ ان تمام انباروں کو چیر کر نیچے سے حضور ﷺ کی محبت کو نکال لائے گا' پھر وہ شخص آپ سے بھی لڑ جائے گا۔ نماز نہیں پڑھتا' روزہ نہیں رکھتا اسے اتباع رسالت کا خیال نہیں ہے' لیکن جو کلمہ اس نے پڑھا تھا صمیم قلب سے' اس کے دل میں وہ بات یقینی ہو گئی' یہی جذبہ ہے جو کبھی نہ کبھی ہر مسلمان کو عذاب سے نجات دلا دے گا۔

فرمایا۔ کمال ایمان کے لئے' تکمیل ایمان کے لئے' شعوری محبت اتنی ہی ضروری ہے جتنا جینے کے لئے سانس لینا ضروری ہے اور یہی مطالبہ ہے کتاب اللہ کا بھی۔ ثم لا یجدو فی انفسھم حرجا" مما قضیت حکم دے دیا یا فیصلہ کر دیا۔ اس کے ساتھ یہ نہیں کہ مجلس میں یا فیصلہ پر چون وچرا نہ کرے' یہ نہیں کہ اس پر عمل نہ کرے' بلکہ دل میں بھی اس فیصلہ کے خلاف کوئی شکایت حرف نہ آئے اس کے ساتھ ساتھ حضور اکرم ﷺ کی معرفت ضروری ہو گی کیونکہ آدمی محبت تب ہی کر سکے گا جب وہ حضور ﷺ کے کمالات سے واقف ہو گا۔

فرمایا۔ دوسری محبت ہوتی ہے شعوری محبت جس سے حیوان آشنا نہیں ہیں' کیونکہ اس کو شعور نہیں ہے' عقل نہیں ہے' ایک محبت عقلی اور شعوری ہے کہ انسان تجزیہ کرے کہ میرے لئے' میری انسانیت کے لئے' عالم انسانیت کے لئے' میری زندگی کیلئے' میری موت کے لئے' مابعد الموت کے لئے کون سی بات' کون سی چیز' کون سا انسان کون سی ہستی مفید تر ہے۔ اس تجزیئے کے بعد جسے سب سے مفید پائے گا فطری طور پر اس کی عقلی محبت اس طرف منتقل ہو جائے گی۔ اس کا ذہن' اس کا دماغ یہ فیصلہ کر دے گا کہ مجھے یہ بات یا یہ ہستی نہیں چھوڑنی چاہئے' یہ فیصلہ تب کرے گا جب وہ عقلی طور پر تجزیہ کرے گا۔

فرمایا۔ حضور ﷺ سے محبت = خداوند عالم نے حضور ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ لقد جاکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم ایک تو دیکھو انسانوں میں سے تشریف لائے' شرف انسانیت ہیں' فخر انسانیت ہیں' یعنی تمہیں کسی غیر جنس سے محبت نہیں کرنا پڑی جنس کو جنس سے استفادہ کرنا سہل ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ حضرت آدم علیہ کی اولاد میں سے تمہارے میں سے تمہیں میں سے ہیں اور ایک ایسی شخصیت ایک ایسی ہستی عزیز علیہ ماعنتم کہ پوری انسانیت کو جہاں چوٹ لگے' اسی کا دکھ وہ محسوس فرماتے ہیں' یہاں خطاب ساری انسانیت کو ہے کہ دیکھو کوئی اپنی اولاد کے لئے دکھی ہوتا ہے' کوئی کسی اپنے دوست کا دکھ بانٹتا ہے کوئی اپنے جاننے والے کا دکھ بانٹتا ہے' اک جسے جانتا نہیں پہچانتا نہیں اس کے دکھ بانٹنے کون جائے گا لیکن فرمایا میرا پیغمبر ﷺ اتنا کریم ہے' عزیز علیہ ماعنتم اے نوع انسانی تیرے ایک فرد کو بھی کہیں ٹھوکر لگے' تو اس کا درد محسوس کرتا ہے' اس کے لئے دشوار تر ہے تمہارا دکھوں میں مبتلا ہونا اور کائنات سے بے نیاز تمہارے لئے حریص ہے۔

فرمایا۔ مذاہب عالم کی بنیاد اس دعوی پر ہے کہ ہمیں اللہ جل شان سے محبت ہے اور ہم جو کچھ کر رہے ہیں' وہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے ہے اور اللہ کی رضا اور خوشنودی کیلئے ہی ساری محنت کر رہے ہیں۔ مذہب کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی خود انسانیت کی تاریخ۔ ہر دور میں ہر علاقے اور ملک میں جہاں انسان بستا رہا ہے' اس کے ساتھ مذہب بھی موجود رہا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ مذہب حقہ پر کاربند رہا یا اپنی طرف سے چند رسومات ایجاد کر کے ان کا نام مذہب رکھ لیا۔ بہرحال مذہب انسانیت کی ضرورت ہے اور تخلیقی طور پر اس میں مذہب کی طلب اور جستجو ودیعت کر دی گئی ہے حتی کہ تمام مذاہب سے انکار بھی خود ایک مذہب ہے۔

محبت کی جانچ

فرمایا۔ اب بات جب اس درجہ پر پہنچی کہ ہمیں اللہ سے محبت ہے' تو محبت ایک جذبہ ہے' ایک کیفیت ہے جس میں محبت کرنے والے کی پسند کو دخل نہیں ہوتا' محبت کا خاصہ یہ ہے کہ کسی شخص کا قلب' کسی شخص کا دل' کسی شخص کا باطن' اس کا ضمیر' کسی شخص کی ذات'

کسی دوسری ذات میں اس طرح سے فنا ہو جائے کہ اس کی اپنی کوئی پسند ہی نہ رہے اور جو اس کا محبوب ہے اس کی پسند محبوب کی پسند بن جائے۔ خواہ اس میں اسے کتنی ہی مشکلات' کتنے مصائب اور کس قدر تکالیف برداشت کرنا پڑیں اگر یہ بات نہ ہو تو پھر محبت صادق نہیں ہوتی۔ اب جب دعویٰ ہو محبت الٰہیہ کا' تو یقیناً" یہ اصول وہاں بھی کار فرما ہو گا اور اس طرح سے ہو گا کہ محبت کا مدعی وہ کام کرے جس کے کرنے کا اللہ کریم حکم دیں۔ محبت کے مدعی کو وہ بات پسند ہو جو اس کے محبوب کو یعنی ذات باری کو پسند ہو' اور ہر اس شے سے اسے نفرت ہو جائے جو اللہ جل شانہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ تو جب محبت کے لئے یہ ضروری ہے تو پھر یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی ذریعہ اور واسطہ محب کے پاس ایسا ہو' جو اسے محبوب کی پسند سے آگاہ کر دے' اسے محبوب کی پسند کی خبر پہنچا سکے۔ تو جب بات یہاں پہنچے گی تو فرمایا۔ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری نوع انسانی سے فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ کی محبت کے مدعی ہو تو میری بعثت کے بعد خالق اور مخلوق کے درمیان صرف اور صرف واسطہ میری ہی ذات ہے' ساری مخلوق کے پاس صرف ایک ہستی ہے محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ جو مخلوق کو مرضیات باری سے آگاہ کر سکتی ہے' اور کائنات ارضی پر اپنی بعثت کے بعد صرف اکیلی ہستی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جن کا ہر قول' ہر فعل مرضیات باری کے مطابق ہے۔ اللہ کی مرضیات سے مخلوق کو آگاہ کرنا یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منصب ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اطلاع دینے والے نہیں ہیں بلکہ ساری مخلوق سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرنے والے اور مخلوق سے بڑھ کر اللہ کی مرضیات کو چاہنے والے اور ساری مخلوق سے بڑھ کر مرضیات کو پانے والے بھی ہیں۔ تو ان ہر دو حالتوں میں کوئی شخص ہو' کہیں ہو اس کے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و اتباع کو اختیار کرے۔

فرمایا۔ کجا یہ بات کہ تمہیں اللہ کی طلب ہو اور کجا یہ بات کہ اللہ تمہیں محبوب رکھے' لیکن بات یہاں پھر وہی آ کے بنتی ہے کہ اتباع کیلئے محبت شرط ہے بغیر محبت کے کوئی کسی کے پیچھے نہیں چلتا۔ بغیر عقیدت کے محبت نہیں ہوتی اور بغیر محبت کے اطاعت نہیں ہوتی۔ جہاں اطاعت نہ ہو' وہاں دعویٰ محبت فضول ہے' اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ لا یومن احدکم کوئی بھی تم میں سے ایماندار نہیں ہو سکتا' اس وقت تک جب

تک کائنات ارضی پر بسنے والے ہر فرد وبشر سے زیادہ میری ذات کو محبوب نہ رکھے حتی اکون احب الیہ من والدہ ولدہ والناس اجمعین ماں باپ سے' اولاد سے' کائنات کے ہر فرد وبشر سے اسے اگر عزیز تر ہو تو وہ ذات اقدس محمد رسول ﷺ ہو چونکہ یہ محبت ہی اسے اتباع پہ مجبور کرے گی' اتباع ہی ایمان کی شہادت ہے اور ایمان ہی اتباع کو چاہتا ہے' یہ لازم وملزوم ہیں۔ یہاں وہی مصیبت پیدا ہوگی کہ محبت کرنے کے لئے محبوب کے کمال یا جمال سے آشنا ہونا ضروری ہے محبت کے لئے معرفت شرط ہے' پہچان شرط ہے' جب تک اسے معرفت رسول ﷺ حاصل نہیں ہوگی جب تک وہ عظمت رسول ﷺ سے آشنا نہیں ہوگا' محبت نہیں کر سکے گا اور محبت نہیں ہوگی تو اتباع نہیں ہوگی اتباع نہیں کرے گا تو تباہ ہو جائے گا لیکن اگر کوئی اپنے جذبہ محبت میں بھی صادق ہو' اس میں طلب اور تڑپ بھی موجود ہو' اتباع کی خلاف ورزی کرنا بھی ناپسندیدہ ہو لیکن بحیثیت انسان خطار کار ہوتے ہوئے غلطی سے کوئی گستاخی کر بیٹھے کوئی کام ایسا کر بیٹھے' جو خدا کو پسند نہ ہو جو خدا کے پیامبر ﷺ کو پسند نہ ہو' جو سنت کے خلاف ہو۔ فرمایا میں اس کی بھی ضمانت دیتا ہوں تم محبت کر کے دیکھو یغفر لکم ذنوبکم اللہ تمہاری لغزشوں سے درگزر فرمائے گا بحیثیت انسان جو تم سے خطا ہو جائے گی اللہ کریم اس سے درگزر فرمائیں گے۔

انسانی جسم و عقل و روح

برزخ و مزاج انسانی

فرمایا۔ لیکن یاد رہے جب تک انسان اس دنیا میں موجود ہے اس کی یہ مادی خصوصیات جسم سے خارج نہیں ہو جاتی ہیں دب جاتی ہیں۔ مثلاً" جب کوئی سچ بولنا شروع کر دیتا ہے تو اس میں سے جھوٹ بولنے کی طاقت منفی نہیں ہو جاتی' ہر سچ بولنے کے لئے اس کو اپنے جھوٹ بولنے کی طاقت پہ قابو پانا پڑتا ہے جب کوئی روزے رکھنا شروع کر دیتا ہے تو اس میں سے پانی کی طلب مٹ نہیں جاتی' ہر روزہ رکھنے کے لئے ہر سحری کو نیا عزم زندہ کرنا پڑتا ہے جب کوئی نمازیں شروع کرتا ہے' تو ترک صلوۃ کی عادت ختم نہیں ہو جاتی' ہر نماز کے لئے نیا ارادہ کرنا پڑتا ہے' تب نماز قائم رہ سکتی ہے یہ مثالیں میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ ہر شخص کے

تجربے میں ہے' جب کوئی ذکر کرنا چاہتا ہے تو ہر ذکر کے لئے نیا عزم لینا پڑتا ہے ورنہ فرار کی وہ عادت جو نفس میں موجود رہتی ہے' دب جاتی ہے' ضائع نہیں جاتی حتیٰ کہ انسانی مزاج میں بھی ایسا ہی رہتا ہے میدان حشر میں بھی ویسا ہی رہے گا وجود کو باقی رکھنے کے لئے لذات دینوی ضروری ہے۔ رب جلیل کی معرفت کو پانے کے لئے اس کے ساتھ تعلقات استوار کرنا ضروری ہے کہ ان دونوں میں یہ تفریق دی گئی کہ رب جلیل نے فرمایا میں خالق ہوں اور ہر چیز مخلوق ہے لہٰذا یہ میرے برابر درجہ نہیں پا سکتیں' عظمت میرے لئے ہے' یہ تمہاری ضرورت ہے اس ضرورت کو استعمال کرنے کے لئے میں تمہیں طریقہ سمجھا دیتا ہوں' جس چیز سے روک دوں' اس سے رک جاؤ' جس کی اجازت دے دوں' اسے لے لو جس طریقے سے حاصل کرنے کی اجازت دے دوں' اسی طریقے سے حاصل کرو' تو دو کام ہوں گے میری عظمت و کبریائی کا اظہار ہو گا اور میرے مقابلے میں مخلوق بے قیمت ہو جائے گی' اس کی کوئی قیمت نہیں رہے گی۔ جسے میں کہتا ہوں کہ چھوڑ دو' اسے چھوڑ دیتے ہو' جسے میں کہتا ہوں' اختیار کر لیتے ہو' تو اس کے چھوڑنے میں بھی اور دنیا کے اختیار کرنے میں بھی' دونوں طرف سے میری عظمت میری کبریائی کا اظہار ہو گا' دنیا کو کوئی حیثیت حاصل نہ رہے گی اور دوسری بات یہ ہو گی کہ تمہارے وجود کی ضرورتیں بھی پوری ہوں گی اور یہ تکمیل ضرورت ہی میری اطاعت بن کر میری عبادت بن کر میری معرفت کا سبب بن جائے گا اب اللہ کریم سے ان ہدایات کو لینے کا اقرار کرنا' اسے کہتے ہیں ایمان' توحید باری کا رسول اللہ کی عظمت و کبریائی کا اقرار نبوت و رسالت کا قرار' یہ سارا اقرار کیا ہے کہ دنیا کی زندگی مخلوق کو دنیا کی نعمتوں کو لذتوں کو اسی طرح اختیار کروں گا جس طرح رب العلمین اجازت دیں گے۔

فرمایا۔ جب دنیا کی زندگی ختم ہونے کو آتی ہے تو آخرت بھی نظر آنے لگتی ہے اور فرشتوں سے سلام بھی نصیب ہو جاتا ہے مگر وقت گزر چکا ہوتا ہے۔ نیک بندوں کو فرشتے بشارت دیتے ہیں' بدکاروں اور کافروں سے بھی باتیں کرتے ہیں اور قرآن میں ارشاد ہے کہ انہیں کہتے ہیں کہ تم کیا کرتے رہے' عمر خرافات کی نذر کر دی تو وہ بات سمجھ کر جواب دیتے ہیں کہ ہم تو کمزور لوگ تھے' معاشرے کے دھارے بہتے تھے تو فرشتے کہتے ہیں کہ کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی' نقل مکانی کر لی ہوتی اگر گھر یا جائیداد کی وجہ سے بدکاروں کو چھوڑ کر نیک

لوگوں میں نہیں گئے' تو آج دکان دولت سب چھوٹ رہا ہے اور عذاب کی رسوائی الگ۔

فرمایا۔ چونکہ نفس اور روح دونوں اپنے اپنے دائرہ کار میں اپنی حکومت قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ اربعہ عناصر آگ مٹی ہوا اور پانی جب ملتے ہیں تو ان کے ملنے سے نفس وجود میں آتا ہے۔ اس کی اصل چونکہ مادہ سے ہے اس کی خواہشات اور لذات اور جن چیزوں سے وہ خوش ہوتا ہے وہ سب مادی راحتیں مادی لذتیں ہیں لیکن روح چونکہ براہ راست عالم امر سے متعلق ہے اس لئے اس کی خوشی اور راحت بھی ان باتوں میں ہے جو عالم بالا سے متعلق ہیں۔ ایسے اوصاف جن پر تجلیات باری مترشح ہوں اور جن پر مرضیات باری مرتب ہوں ان میں اس کی خوشی ہے' عبادات روح کی غذا و دوا اور بقاء کا سبب ہیں تو جب عبادات ضائع ہونا شروع ہو جاتی ہیں' تو لامحالہ روح کمزور پڑ جاتا ہے اور اس کی کمزوری نفس کو غلبہ دیتی ہے اور جب نفس غالب ہوتا ہے تو وہ انسان کو اپنی خواہشات کے پیچھے چلاتا ہے۔

فرمایا۔ جب عناصر اربعہ یا وجود کے اجزاء آپس میں ملتے ہیں اور ان پر روح کا پرتو پڑتا ہے تو اس میں حیات آجاتی ہے ایک تو حیات ہوتی ہے روح کی اپنی۔ ایک حیات حیوانی ہوتی ہے اور اس زندگی کی کیفیت ان تمام عناصر میں پیدا ہوتی ہے جو گوشت پوست خون ان رگ پٹھوں کو کام کرنے پہ لگا دیتی ہے اسے حیات حیوانی کہتے ہیں اس حیات حیوانی سے حیوانات سارے زندہ ہیں۔ حیوانات میں عالم امر کی روح نہیں ہے ان کے پاس صرف حیات حیوانی ہے۔

فرمایا۔ ذکر الٰہی کی ضرورت = اس کے ساتھ فرض سنت واجب اور نفل کی ضرورت اپنی اپنی جگہ ضروری ہے یعنی ذکر الٰہی کی ضرورت اس لئے ہے کہ ہمارے دل میں وہ کیفیت پیدا ہو جائے جو حضور الٰہی عطا کرتی ہے۔ اس کیفیت کی ضرورت اس لئے ہے کہ ہم فرائض سنن و نوافل ادا کریں اور ان میں واقعی اللہ کی عبادت کی شان پیدا ہو۔ اب مصیبت جو بنتی ہے وہ یہ ہے کہ اول تو لوگوں کو ذکر کی ضرورت کا احساس نہیں ہوتا اگر کوئی ذکر شروع کر دے تو اس کے نوافل میں اور سنن میں اور مجاہدے میں کمی آنا شروع ہو جاتی ہے تو اس طرف شیطان چکر دے دیتا ہے کہ تمہاری تو ہر سانس میں اللہ اللہ ہوتی ہے تمہارے تو دل کی ہر دھڑکن اللہ اللہ کرتی ہے' تمہیں ان فضولیات کی کیا ضرورت ہے۔ پھر آدمی یہ نہیں سوچتا کہ

جس کی سانس سے کائنات کی ساری سانسوں کو ذکر کی توفیق نصیب ہوئی وہ ذات اقدس ﷺ تو رات رات بھر نوافل ادا کرتی ہے' جس ذات گرامی کے طفیل ذرے ذرے کو ذکر الٰہی نصیب ہوا وہ ذات گرامی تو چاشت بھی پڑھتی ہے' اشراق بھی پڑھتی ہے' اوابین بھی پڑھتی ہیں' تہجد بھی فرض کی حیثیت سے پڑھتی ہے' تو بھلا ہم نے کیا تیر مار لیا کہ ہمیں ان کی ضرورت نہیں رہی۔

فرمایا۔ ہر وہ کام جو آقائے نامدار ﷺ کی سنت کے مطابق کیا جائے عملی ذکر ہے۔ یا ہر وہ کام جو اتباع نبوی میں کیا جائے حتیٰ کہ اگر کوئی اپنی بیوی بچوں کو نان و نفقہ دیتا ہے اور اس خیال سے دیتا ہے کہ میرے نبی ﷺ نے ہمیں یہ طریقہ تعلیم فرمایا ہے کہ ان کا نان نفقہ تیرے ذمے ہے' ماں بچے اپنے پالتی ہے تو اس کا ثواب اسے رب دیتا ہے اور سنت رسول ﷺ کی تعلیم و تعمیل کا ثواب اسے خدا دیتا ہے اور یہ بھی ذکر الٰہی میں داخل ہے۔ اس کے بعد ذکر لسانی کا درجہ ہے کہ آپ زبان سے اللہ کا ذکر کریں مثلاً" اللہ کریم کی کتاب کی تلاوت پیغمبر ﷺ پر درود' تسبیحات مسنونہ' یہ مختلف اذکار یہ ذکر لسانی ہے لیکن زبان ایک ایسا عضو بدن ہے' جو تمام ضروریات دینی و دنیاوی کی ترجمان ہے۔ وہ صرف تسبیحیں ہی نہیں پڑھتی اسے اور بھی بہت کام انجام دینے ہیں۔ اس لئے اس سے آگے کا درجہ ذکر قلبی ہے کیونکہ دل حکمران ہے' یہ نہ سوتا ہے' نہ تھکتا ہے' نہ اپنی ڈیوٹی چھوڑتا ہے اور اگر یہ چھوڑ دے تو انسان اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے' یہ مسلسل چلتا ہے' متواتر کام کرتا ہے' دن ہو یا رات ہو صبح ہو شام ہو' سفر ہو یا حضر ہو' آدمی کھانا کھا رہا ہو یا بات کر رہا ہو' کوئی ایسا نہیں ہے کہ کسی زندہ انسان کا دل سو جائے' وہ اپنے کام میں لگا رہتا ہے اب جو عضو ہمیشہ کے لئے جاگ رہا ہے اس کو سکھایا جا سکتا ہے تو پھر کیوں نہ اس بادشاہ سلامت کو اللہ کے نام پر لگا دیں کہ یہ نہ سوئے نہ وہ مبارک نام اس کی زبان سے ہٹے پھر بنے گا ذکر کثیر۔ دن ہو یا رات ہو سفر ہو حضر ہو' گھر ہو باہر ہو آدمی سولی پہ بھی لٹکا ہوا ہو تو اس سے اللہ اللہ کی آواز آتی ہی رہے گی۔ حتیٰ کہ انسان زمین میں دفن ہو جائے جسم کے اجزاء گل سڑ بھی جائیں مٹی میں بھی مل جائے' اللہ کی قسم وہ مٹی کے ذرات بھی اللہ اللہ کرتے رہتے ہیں بشرطیکہ یہ دنیا میں ذکر الٰہی سے آشنا ہو۔

فرمایا۔ ذکر کا حکم = لوگوں نے اس کے حصول کے لئے عمریں صرف کی ہیں انہوں نے بھی اپنے بزرگوں کے پاس بیٹھ کر عمریں لگا کر وہ روشنی حاصل کی جو سینہ اطہر رسول ﷺ سے چلتی ہے' جو مومنوں کے دلوں کو روشن کرتی ہے اور ذاکر بناتی ہے لیکن یہ از خود نہیں ہوتا' جب تک وہ تائید ساتھ نہ ہو۔ تو بھئی ذکر کا سیکھنا و برکات کا اخذ کرنا صرف تھیوری نہیں ہے' یہ ایک عمل ہے' جو انعکاسی طور پر ہوتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے سینہ اطہر سے ہوتا آیا ہے۔ ہم کو سب کو پتہ ہے کہ ذکر سیکھنے اور اخذ برکات کے بے شمار سلاسل ہیں۔ ہر سلسلے میں ذکر کرنے کا طریقہ تو مختلف ہو سکتا ہے اور یہ اس لئے ہو سکتا ہے کہ اللہ نے رسول اللہ ﷺ نے کسی ایک طریقے پر پابند نہیں کیا ہے بلکہ حکم دے دیا کھڑے ہوئے ذکر کرتے ہو کرو' بیٹھے ہوئے ذکر کرتے ہو کرو' لیٹے ہوئے ذکر کرتے ہو کرو' واذکر ربک فی نفسک اپنے رب کا ذکر اپنے دل میں کرو۔ خفیہ مزے مزے سے لوگوں کو سنا کر نہیں لوگوں سے چھپا کر۔ میری اور تمہاری بات بر دن الجھر۔ بغیر کسی شور کے بالغدو والاصال۔ صبح و شام ہر وقت ولا تکن من الغفلین۔ کوئی لمحہ غفلت میں مت جانے دو' تو آپ لوگوں نے اپنے طبائع' اپنے مزاج آزمائے' کسی نے زبان سے ذکر شروع کر کے دل پر لایا کوئی تسبیح سے شروع ہوا تو دل پر لایا لیکن آخر میں سب اللہ کے نام کو دل تک اور ذکر قلبی تک لے آئے۔ یہ اپنی اپنی قوت کی بات تھی الحمد للہ اللہ کریم کا احسان ہے اللہ نے ہمیں جس سلسلے کی خدمت کا موقع بخشا ان میں مشائخ نے یہ کمال رکھا کہ یہ شروع ہی قلب سے کراتے ہیں' تو یہ بڑی عجیب بات ہے۔ انہوں نے شروع ہی میں وہ قدم اٹھایا' جو بڑی محنت کے بعد سارے سلاسل کے آخر میں آتا ہے کہ اب سالک دل پر خیال کر کے اللہ اللہ کریں۔ جبکہ ہمارے مشائخ نے شروع سے آدمی کو کہہ دیا کہ دل پر توجہ کر کے ذکر کرو اور الحمد للہ دل جاری ہو جاتا ہے' ذاکر ہو جاتا ہے۔ جاگتے ہوئے' اٹھتے ہوئے' بیٹھتے ہوئے' چلتے ہوئے ہر آن اللہ اللہ کرتا رہتا ہے اور دل جب ذاکر ہوتا ہے تب بات بنتی ہے۔ اگر شریعت پر عمل چھوٹنے لگے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ میرا نقصان ہو رہا ہے۔

فرمایا۔ عبادت کا حاصل کیا ہے' ہم ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں کہ تو حکم دے تو رکوع کرتے ہیں جھک جاتے ہیں' اس کی عظمت کے سامنے۔ لیکن اس کا امتحان ہوتا ہے

ہماری عملی زندگی میں۔ جب ہم بازار میں جاتے ہیں' جب ہم دکان پر بیٹھتے ہیں' جب ہم بیوی بچوں کے پاس ہوتے ہیں' جب ہم دوستی دشمنی کرتے ہیں' جب ہم میدان عمل میں جاتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ جو شخص مسجد کے محراب میں جھک رہا تھا اور اپنے پیچھے ایک ہزار آدمی اور بھی جھکا رہا تھا' کیا اس نے بازار میں آ کر اللہ کی اطاعت کی ہے یا نافرمانی کر رہا ہے۔ یہ جو شخص سارا دن بھوکا رہا اور اس نے جو حلال کمایا ہوا ہے اور طیب کھانا وہ بھی نہیں کھاتا' پیاس برداشت کرتا ہے' پانی کا گھونٹ نہیں پیتا کیونکہ اللہ کا حکم ہے کہ شام تک مت کھاؤ' تو جب اللہ نے روک دیا ہے کہ جھوٹ بول کر سودا مت بیچو' کسی سے ظلماً" رشوت نہ لو' کسی کا حق نہ کھاؤ' تو وہاں بھی یہ رکتا ہے یا صرف یہاں چند گھنٹے پیاس روک دی اور وہاں جا کر کروڑوں روپے مار لیتا ہے' لاکھوں کا حق مار لیتا ہے' غریبوں سے پیسے لے لیتا ہے' رشوت لیتا ہے' جھوٹ بولتا ہے' چوری کرتا ہے' پیسے کسی جنس کے لیتا ہے بیچتا اور جنس ہے اگر ایسا کرتا ہے تو عبادت نہیں کرتا۔

فرمایا۔ ذکر کا حکم = الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو قرار آئے گا' دل اپنی جگہ پر پہنچیں گے اور دلوں میں وہ کیفیت آئے گی کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں جم کر کھڑے ہو سکیں تو بارگاہ نبوی ﷺ جو تھی وہ ایک ایسا ادارہ تھا کہ چشم فلک نے نہ اس سے پہلے دیکھا نہ اس کے بعد کوئی سوچ سکتا ہے کہ ایسا ہو گا ایک ہی صف پر بیٹھنے والے ایک ہی استاد کے شاگرد ایک ہی لمحے کی توجہ حاصل کرنے والے جرنیل بھی بن گئے' محدث بھی بن گئے' مفسر بھی بن گئے' فقیہ بھی بن گئے' استاد بھی بن گئے' سپاہی بھی بن گئے' کاروباری بھی بن گئے' سیاست دان بھی بن گئے' حکمران بھی بن گئے' سلطان بھی بن گئے۔

فرمایا۔ محققین صوفیاء نے حصول ذکر کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ پہلے ذکر جہر کرایا کہ لا الہ الا اللہ' کچھ دیر کے بعد الا اللہ' پھر کچھ دیر کے بعد اللہ اللہ۔ یعنی اتنا لمبا ذکر کرانے کے بعد کہا کہ اب خاموش بیٹھ جاؤ اور دل سے سنو کہ دل اللہ اللہ کرتا ہے۔ جس نے ذکر جہر شروع کرایا وہ آخر میں اسی قلبی ذکر پر لے آیا۔ کسی نے کہا کہ زبان کو بند کر دو' آنکھوں کانوں کو بند کر دو' ہر سانس میں کہو اللہ ہو لیکن قلب تو جاری تب ہوتا ہے' جب ذکر کرانے والا ان برکات کا امین ہو' جو حضور ﷺ کی مجلس میں تقسیم ہوتی ہیں' وہ انوارات اس کے سینے میں

ہوں' صرف ذکر کا حکم نہ دے بلکہ دل کو اس طالب کے دل کی طرف متوجہ کرے اور وہ کیفیات و انوارات منعکس کرے اور اب سالک یہ سوچے کہ میرے ہر سانس میں میرے دل کی ہر دھڑکن اللہ کہتی ہے تو پھر وہ انوارات اس میں مستقل حیثیت اختیار کر سکے اور اصطلاح تصوف میں قلب جاری اسی دل کو کہتے ہیں' جس میں وہ نور مستقل سکونت اختیار کر سکے' نرا دل کی دھڑکن کو نہیں کہتے دھڑکن تو آپ سو گز کی دوڑ لگالیں تو بھی تیز ہو جائے گی' پہاڑی پر چڑھ جائیں تب بھی دل کی ٹن ٹن کانوں کو سنائی دیتی ہے' وہ ذکر نہیں ہے۔ ذکر وہ ہے کہ دل کی ہر دھڑکن سے نور کا ایک شعلہ اٹھتا ہے' اس کو قلب جاری ہونا کہتے ہیں تو ہمارے اس سلسلہ جلیلہ میں یہی ذکر قلبی کرایا جاتا ہے۔

اب اللہ سے کیسے رشتہ پیدا ہو گا کیونکہ تعلق پیدا کرنے کے لئے ہم جنس ہونا ضروری ہے' انسان کو انسان سے محبت ہو سکتی ہے' انسان کو پتھر سے بھی محبت ہو سکتی ہے اس کے لئے اس کا رنگ ہو سکتا ہے' اس کی خوبصورتی دیکھ سکتا ہے' اسے محسوس کر سکتا ہے' اسے ہار میں سجا سکتا ہے' بیوٹی پہ لگا سکتا ہے' انسان کو کسی پرندے سے پیار ہو سکتا ہے کیونکہ اس کی آواز سمجھ نہیں سکتا سن تو سکتا ہے۔ اللہ سے کیسے محبت کرے گا' نہ یہ اللہ کو یہاں دیکھ سکتا ہے' ان کانوں میں اس کی آواز نہیں سن سکتا' ہاتھوں سے اسے محسوس نہیں کر سکتا' کوئی اس کی مثال نہیں دی جا سکتی پھر جب اس کے تمام محرکات کی رسائی سے بالاتر ہے تو پھر اسی کے ساتھ محبت کیسے کرے گا' اس کے لئے دنیا کو قربان کیسے کرے گا اس تعلق باللہ کے قیام کا ایک ذریعہ ہے جو ارشاد فرمایا گیا جو خود اللہ نے فرمایا۔ وہ یہ ہے کہ تم صرف میرا نام لیا کرو جس سے میری بات' میرا پیار تمہارے دل میں بسے گا یعنی یہ تعلق باللہ کے قیام کا صرف ایک طریقہ ہے' صرف یہ ایک ذریعہ ہے کہ انسان کے دل میں اللہ کی محبت' اللہ کی معرفت' اللہ جل شانہ کی محبت آجائے' اسی لئے فرمایا کہ دل بنیادی طور حصول محبت کے لئے انسان کو دیا گیا تو دل جب تک معرفت الٰہی کو پا نہیں لیتا' بے قرار رہتا ہے کبھی کافر کے دل کو سکون نہیں ہوتا کبھی اس دل کو سکون نصیب نہیں ہوتا جو بھی معرفت الٰہیہ سے دور رہے خواہ وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا رہے اور وہ نمازیں بھی پڑھتا رہے' اس کی نمازیں بے کیف' اس کے سجدے بے ذوق' نماز بے اثر' اس کی تبلیغ بے اثر' اس کا سفر رائیگاں جاتا ہے۔ ہاں فرمایا میری یاد کو مسلسل شروع کر

دو۔ الابذکر اللہ تطمئن القلوب۔ تم میرا نام دہرانا شروع کردو' دل میں اطمینان آنا
شروع ہو جائے گا۔ اس لئے کہ صرف اسم ذات کی تکرار سے محبت الٰہی کا رشتہ استوار ہونا
شروع ہو جائے گا۔ جب دل میں اللہ سے بات کرنے کی طلب پیدا ہوئی تو اس نے اللہ کو دیکھنے
کی طلب پیدا کرلی' اللہ سے روبرو ہونے کی آرزو پیدا کرلی' یہ ملاقات کہاں ہوگی پھر جہاں
ملاقات ہوگی وہاں کی تیاری شروع ہو جائے گی' یہ سارا نظام از خود درست ہونا شروع ہو تا چلا
جائے گا اور یہ اتنی بڑی ضرورت ہے کہ صرف اس ضرورت کو سمجھنے والا انسان انسان بنتا ہے'
ورنہ انسانیت کھو بیٹھتا ہے۔ انسان کی فضیلت ہی صرف اس بات پر ہے اگر اس بات کو نہیں پا
سکا تو پھر وہ انسان نہیں رہتا۔ اپنے گرد دیکھیں' روئے زمین پر آپ کو قد کاٹھ میں حلیے میں
اعضاء وجوارح میں انسانی شکلیں تو نظر آئیں گی لیکن کوئی انسانی اقدار بھی روئے زمین پر نظر
آتی ہے ؟۔ انسان درندے بن کر رہ گئے' چرندے بن کر رہ گئے' اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ہر
انسان کو جس قدر زندگی کی عناصر کی ضرورت ہے' اس کو اس سے زیادہ ذکر الٰہی کی ضرورت
ہے' اب جو چیز جان سے زیادہ ضروری ہے اس کی اہمیت بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی جتنی اس کی
ضرورت ہے کیونکہ اشیاء کی ضرورت اس کی اہمیت کے مطابق ہوتی ہے۔

باب-2

برکات شیخ

فرمایا۔ جو لوگ برکات نبوی ﷺ کے امین ہوتے ہیں ان سے جب کوئی شاگرد برکات نبوی ﷺ حاصل کرتا ہے تو وہاں وہی قانون درمیان میں آجاتا ہے وہی خلوص چاہیۓ ہوگا وہی ادب واحترام چاہیۓ ہوگا وہی اطلاعت واتباع چاہیۓ ہوگی۔ صرف ایک تبدیلی آجائے گی کہ نبی ﷺ جب کام کرتا ہے تو وہ دلیل ہوتی ہے کہ یہ حق ہے' پوچھنے کی ضرورت نہیں لیکن جب کوئی نبی ﷺ کی اطاعت کے اندر کام کر رہا ہے تو ہمارے لئے واجب اتباع نبوی ہے لیکن اگر وہ اطاعت نبی ﷺ سے بھک گیا تو ہم اطاعت نبی ﷺ کریں گے' ہم پھر اس کا اعتبار نہیں کریں گے کہ یہ شخص نیک ہے یا حضور ﷺ کا جانشین ہے' نہیں' وہ بات ختم ہو گئی' جانشینی کا مطلب الگ راستہ بنانا نہیں ہوگا بلکہ جانشینی کا یا وراثت کا یا خلافت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انہی نقوش کف پا پر چلا جائے' الگ راستہ نہ بنایا جائے۔ جو لوگ برکات نبوی ﷺ اور اتباع نبوی کے اصول پر خلوص' ذکر قلبی' کیفیات قلبی' (جن کا نام تصوف یا سلوک رکھ دیا گیا ہے اور قرآن انہیں تزکیہ کا نام دیتا ہے) حاصل کرتے ہیں' ان کا قانون بھی وہی ہے کہ خلوص کے ساتھ شیخ کے ساتھ رشتہ رکھیں۔ اس سے وہ کیفیات اپنے دل میں لائیں اور ان کیفیات سے انہیں اللہ کی کتاب پر عمل کرنے کی توفیق نصیب ہو اور پورے خلوص سے اس پر عمل کریں لیکن اگر کبھی ان کے دل میں گستاخی آگئی یا شیخ سے بے وفائی کا خیال آگیا تو جو سلوک نبی ﷺ کے ساتھ بے

وفائی کرنے والے کے ساتھ ہوتا ہے وہی سلوک ان کے ساتھ ہوگا۔

مجاہدے

فرمایا۔ "بغیر کسی مجاہدے کے خود آدمی کی اپنی اصلاح ہی نہیں ہوپاتی جب تک وہ محنت نہ کرے' جب تک وہ مجاہدہ نہ کرے' وہ خود اپنی اصلاح نہیں کرسکتا۔ تو "میاں" اللہ کی عطاء اور اللہ کے احسانات تو بہت زیادہ ہیں' ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے دامن کو پھیلائیں بھی بہت زیادہ اور سیدھا بھی رکھیں۔ یہ دو بنیادی باتیں تھیں جو میں عرض کرنا چاہتا تھا اور یہ ہمیں حضرت جی رحمت اللہ علیہ سے حاصل بھی کرنا ہے اور جو حاصل کیا ہے اس کا شکر ادا کرنے کا طریقہ بھی یہی ہے کہ ہم اس نعمت عظمیٰ کو سنبھالیں' اپنے سینوں میں جگہ دیں اور آنے والی نسلوں کو منتقل کرکے جائیں۔"

میدان عمل وسلوک

فرمایا۔ حضرت جی رحمت اللہ علیہ کو اللہ نے یہ قوت دی اور یہ سعادت بخشی کہ انہوں نے اس نظام کو خانقاہی گوشوں سے اور اندرون خانہ بیٹھنے سے نکال کر میدان عمل سے روشناس کرایا اور ہمیں یہ درس دیا کہ قلوب میں تجلیات باری پہنچانا یہ ہمارے ذمے ہے اور منور قلوب کو لے کر میدان کارزار میں مصروف عمل ہونا یہ تمہارے ذمے ہے۔

اللہ کا یہ احسان ہے کہ حضرت جی رحمت اللہ علیہ کے وصال کے بعد بحمد اللہ اللہ کریم کا احسان فرمایاہے یہ اس کا احسان ہے کہ یہاں آج انسانوں کا جم غفیر نظر آرہا ہے۔ یہ سارے وہ لوگ ہیں' جو اس روشنی' اس نور کے متلاشی ہیں جو حضور اکرم ﷺ نے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو تب سے لے کر آج تک مشائخ عظام اس کو سینہ بسینہ نقل کرتے آرہے ہیں۔

عمل وبرکات

فرمایا۔ یہ جب تک دل میں شیطان کو القاء کرنے کی قوت ہے تو رحمان کی بات بھی مقابلے میں نہیں آئے گی اور بات نہیں بنے گی یہ تبلیغ وسارے جلسے اور ساری تحریر محض

رسم ہوگی' اس پر عمل نہیں ہوگا۔ یہی ہماری آج کی مصیبت ہے کہ یہ مل بیٹھنا' یہ آنا جانا صرف اس لئے ہے کہ یہ میرے رب کی تقسیم ہوتی ہے کہ اس نے اس ویرانے میں اپنا ایک ایسا بندہ پیدا کردیا' جسے ایسی نعمت اتنی قوت عطاء کردی جس نے سارے جہان کو روشن کردیا"
فرمایا۔ شیخ کا کام برکات نبوی ﷺ اور تعلیمات نبوی ﷺ کو ہم تک پہنچانا ہے۔ انہیں اخذ کرنا' اس پر عمل کرنا' ان کے لئے اپنا وقت لگانا اور اپنے آرام کو لگانا' اپنے مال کو لگانا' اپنی جان کو لگانا یہ ہم سے ہر ایک پر الگ الگ ضروری ہے اور جتنا کوئی کرے گا' اتنا فائدہ پائے گا' نہیں کرے گا تو اسلام رسم نہیں ہے' اسلام حقائق کا نام ہے' اسلام افسانہ نہیں ہے' اسلام رسومات کا مجموعہ نہیں ہے' یہ اللہ اور بندے کے تعلقات کا مجموعہ ہے۔"

کوائف شیخ

فرمایا۔ "اول تو یہ ہے کہ خود صاحب دل ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ پھر اسے تقسیم کرنے پر مامور بھی کیا گیا ہو اور اگر کسی شخص سے فائدہ حاصل کرنا شروع ہو جائے تو یہ اس بات کی دلیل بن جاتا ہے کہ یہ صاحب حال بھی ہے اور مامور ہے اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے۔ اسے اجازت بھی ہے تو اس دنیا سے اگر کوئی چیز کمائی جاسکتی ہے تو یہی حالت ہے کہ آدمی اس کا مصدق بن جائے کہ " الذین یذکرون اللّٰہ قیاما" وعلی جنوبھم"

محنت و مجاہدہ

فرمایا۔ "مقامات و منازل تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی حضرت کی صحبت کے علاوہ بہت زیادہ محنت کرے' مسلسل کرتا رہے۔ اس سے استعداد پیدا ہوتی ہے اور پھر ایک مجلس میں آدمی اتنا کچھ حاصل کرلیتا ہے' جتنا سالوں میں نہیں کرسکتا۔ حصول برکات کے لئے تو کچھ استعداد کی بھی شرط ہے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم جب یہاں رہتے ہیں تو ہم لطائف مسلسل کرتے ہیں اور جب چلے جاتے ہیں تو پھر کوئی پکڑ کر بٹھالے' بیٹھ گئے ورنہ نہیں کرتے ہیں"

مقررہ وقت

فرمایا۔ اس موقع کو غنیمت سمجھو' پتہ نہیں کل ہم میں کون ہو گا اور کون نہیں ہو گا' ہم سب کو اللہ کے حضور پیش ہونا ہے میری دیانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ میں ہر آنے والے کو اللہ کی رضا کے مطابق زندگی بسر کرنے کا عادی بنانے کے لئے یہ ساری محنت کر سکوں۔ آپ کا نظریہ یہ بھی ہونا چاہئے کہ آپ کو یہاں آکر سیکھنا ہے' اپنی خواہشات منوانے کیلئے نہیں' آپ بھی یہاں کچھ ماننے کے لئے تشریف لائیں۔"

شیخ کی اہمیت

فرمایا۔ "اس طرح ہم تصوف یا روحانی کمال حاصل کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے شیخ یا استاد جو ہو اسے اس فن میں دسترس حاصل ہو اور اس میں اتنی قوت ہو کہ وہ دوسروں کو یہ نعمت پہنچا سکے یا منتقل کر سکے۔ بالکل اسی کے ساتھ طالب کی طلب بھی صادق ہو اور اس کا مزاج بھی مستقل ہو۔ ایک شخص اگر صدی بھر محنت کرتا رہے لیکن اسے تسکین حاصل نہ' وہ شش و پنج میں رہے کہ دیکھتے ہیں شاید کوئی انہونی بات ہو ہی جائے۔ ممکن ہے' کچھ بھی نہ ہو' تو ایک صدی کی محنت کا بھی اسے کوئی فائدہ نہیں اسی طرح اگر شیخ ہی کامل نہ ہو تو پھر سرے سے بات ہی گئی لیکن اگر کامل بھی ہو' اس میں استعداد بھی ہو' قوت بھی ہو عطاء بھی کر سکتا ہو اور طالب ہی مذبذب رہے تو وہ طالب اس سے فائدے نہیں اٹھا سکتا۔"

پیر کا مطلب

فرمایا۔ پیری نام ہے ان برکات کو تقسیم کرنے کا جو آقائے نامدار ﷺ نے تقسیم فرمائیں اور سالک کے قلب میں وہ عشق و گداز پیدا کرے کہ مصیبت یا پریشانی آئے تو بھی اللہ اللہ کرے اور آسائش و راحت آئے تو بھی اللہ ہی پر بھروسہ ہو"

حصول برکات

فرمایا۔ "تعلیمات کے لئے جس طرح ہمیں مدارس' اداروں اور جس طرح اساتذہ یا معروف عالم حضرات کی خدمت میں حاضر ہونا پڑتا ہے' محنت اور مجاہدہ کرنا پڑتا ہے' اس طرح

حصول برکات کے لئے حاملین برکات کے پاس ان کی خدمت میں حاضر ہونا پڑتا ہے' مجاہدہ کرنا پڑتا ہے' محنت کرنی پڑتی ہے اور یہ جو خانقاہیں یا ہمارے ہاں تصوف کے جو ادارے چلے آرہے ہیں' ان سب کا مقصد اور ان سب کا دائرہ عمل یہی ہوتا ہے کہ ان برکات کو تقسیم کریں۔ اب یہ اور بات ہے کہ اصل کی بجائے دھوکے سے کہیں نقل میں گرفتار ہو جائے تو اس کی پہچان کیا ہوگی کیسے خبر ہوگی کہ ہم جہاں محنت کر رہے ہیں' ہم جس شخص کے ساتھ چل رہے ہیں یا ہم جس ادارے میں یا جس خانقاہ میں حاضر ہوتے ہیں' وہاں سے ہمیں برکات نبوی ﷺ نصیب ہوتی ہیں یا نہیں' یہاں جو کچھ کہتے ہیں یہ درست ہے بھی یا نہیں۔ اس کی پہچان یہ ہوگی کہ حضور ﷺ سے جن لوگوں کو برکات حاصل ہوئیں' ان پر کیا اثر مرتب ہوا' ان پر اگر اثر یہ مرتب ہوا کہ وہ لوگ عملی زندگی میں نیکی سے بیگانہ تھے' یکسر ان کے مزاج بدل گئے اور نیکی کی طلب ان میں پیدا ہو گئی اور نیکی کو انہوں نے یوں اپنایا کہ وہ اور نیکی ہم نام ہو گئے تو بس یہی شخص برکات نبوت ﷺ کا حامل ہے' ورنہ نہیں۔"

قوت شیخ

فرمایا۔ "جب شیخ کو خداوند عالم اپنے انوار و تجلیات اور برکات نصیب فرماتے ہیں تو ان کو یہ قوت و استعداد بخشتے ہیں کہ وہ دوسرے قلوب کو منور کر سکیں وہ بھی جائے امن ہو جاتے ہیں مشائخ عظائم ہمیشہ جائے امن رہا کرتے ہیں اور وہ تجلیات ذاتی جو بیت اللہ شریف پہ وارد ہوتی ہیں' ان سے بھی قریب ترین تجلیات اہل اللہ کے قلوب پر وارد ہوتی ہے لیکن یاد رہے ان برکات کے حصول کے لئے بھی شرط یہی ہے کہ آدمی اپنے دل کو لے کر ان کے قدموں میں ڈال دے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم کسی ایک آدمی کے پاس نیکی لینے کے لئے کم ہی جاتے ہیں' ہمارا حال یہ ہے کہ ہمیں کوئی سمجھ ہو کہ وہاں کوئی نیک آدمی بستا ہے' اللہ کا مقرب ہے' نیک ہے' اللہ اللہ کرتا ہے تو اس کے پاس بھی ہم دنیا ہی لے کر جاتے ہیں دین کی غرض لے کر بہت کم لوگ جاتے ہیں اور یہ بڑی عجیب بات ہے کہ عموماً" اہل اللہ دنیوی مسائل میں مبتلا رہتے ہیں۔"

حصول فیض

فرمایا۔ ''جب ہم اہل اللہ کے پاس جاتے ہیں' کسی کو نیک سمجھ کر جاتے ہیں' کسی سے اللہ اللہ سیکھنے جاتے ہیں تو اگر دل میں یہ خواہش ہو کہ اس طرح ان کے ساتھ ملنے سے مجھے کوئی عہدہ مل جائے گا یا کم ازکم میں بھی ان کی طرح پیر ہی بن جاؤں گا۔ معتبر بن جاؤں گا یا دوسروں پر میری بڑائی ظاہر ہوگی' لوگ مجھے بڑا سمجھیں گے تو وہ اگر ہزاروں برس بھی ان خواہشات کو لے کر بڑے سے بڑے ولی اللہ کی خدمت میں بیٹھا رہے' جب بھی اٹھے گا کورے کا کورا ہو گا بلکہ ایسے لوگوں سے بدتر ہو گا جو اس شخص کی ولایت کے ہی منکر تھے اور کبھی اسے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔''

سلسلہ و شیخ کی قوت

فرمایا۔ ''اب اگر آپ اس بات پر رہیں کہ سارا کچھ میں ہی کر سکتا ہوں' تو یہ آپ کا وہم ہے' جتنا میں کر سکتا ہوں' اتنا آپ سارے کر سکتے ہیں کیونکہ اس سلسلے عالیہ کی برکات ایسی ہیں کہ کوئی ساتھی جو ایک دفعہ یہاں سے لطائف سیکھ کر جاتا ہے' کسی کو پاس بٹھا کر لطائف کرائے' تو اس کے لطائف منور ہو جائیں گے۔ صاحب مجاز کی تو بہت بڑی طاقت ہوتی ہے' اس کے ساتھ تائید ہوتی ہے مشائخ کی' وہ کرانے والے خود کراتے رہتے ہیں' کام ہوتا رہتا ہے' درمیان میں ایک لنک اسٹیبلش کرنا ہوتا ہے' صاحب مجاز درمیان میں ایک رابطے کی کڑی ہوتا ہے' وہ تو ایک پلگ کا شو ہے' جہاں وہ بیٹھا ہو گا' وہاں سے وہ لگا دے گا' برکات آئے گی' اللہ اللہ خیر سلا۔ تو میری گزارش یہ ہے کہ اس ضمن میں آپ حضرات کو جس قدر کام کرنا چاہئے تھا' مجھے اتنا نظر نہیں آیا' میں یہ سمجھا ہوں کہ آپ نے تھوڑا کیا ہے اور آپ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ سارا میں کرلوں حالانکہ میں بھی ایک مشت غبار' ایک عام آدمی ہوں' آپ سے کوئی بڑھ کر نہیں ہوں میں. ہر طرح سے ایک عام انسان ہوں' میری اپنی ذمہ داری ہے' بحمد للہ میں اس کے لئے کوشش کرتا رہتا ہوں' آپ کی بھی اپنی ذمہ داریاں ہیں' آپ بھی سارے صاحب مجاز اتنے ہی مکلف ہیں' پھر دوسری جگہوں میں جو ضلعی امراء ہیں' جتنے جتنے ساتھی کسی گاؤں میں کوئی چار ساتھیوں کو ذکر کراتا ہے یا کسی سے ذمہ داری سنبھالی

ہے تو اپنی ذمہ داری کو ہر ساتھی محسوس کرے' جو کچھ بھی نہیں ہے' وہ بھی ممبر تو ہے امین تو ہے وہ بھی سلسلے کا' اس کا بھی حق بنتا ہے' اپنی حیثیت کے مطابق اس کو آگے پہنچائے' صرف اس لئے کہ اللہ کی مخلوق پھر سے اللہ کے دروازے پر آئے۔ درمیان میں سے وہ رکاوٹیں وہ باتیں جو انسانوں پر بوجھ اور بارگاہ الوہیت کے سامنے حجاب بنی ہے ان کو ہٹایا جائے اور پھر سے مسلمانوں کو رب کے روبرو کھڑا کیا جائے جو صحیح اور حقیقی اسلام ہے کہ اللہ سے بندوں کو روبرو اور بالمشافہ کیا جائے' میری دعا بھی ہے اور مجھے امید بھی ہے کہ اتنی لمبی بات سے میں کم ازکم آپ کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا ہوں کہ آپ ہمت کریں تو کام ہو سکتا ہے۔"

تعویز و محنت

فرمایا۔ " اس کے لئے نہ کوئی تعویز کر سکے گا۔ اس کے لئے آپ محنت کرنے کے مکلف ہیں' آپ مکلف ہیں ایسا شخص تلاش کرنے کے جو دل کو ذاکر کر سکے' جس کا دل ذاکر ہو اور جو آپ کے دل کو ذاکر کر سکے۔ اس کے بعد اس شخص کی ذمہ داری ہے کہ وہ پورے اخلاص کے ساتھ آپ کے ساتھ محنت کرے تاکہ آپ کا دل روشن ہو' آپ کے دل کو چسکا پڑے جمال الٰہی کا' آپ کو سجدوں کی چاشنی محسوس ہو' آپ کو گناہ کی کڑواہٹ محسوس ہو' آپ کو غفلت کی تلخی محسوس ہو اور آپ کو رات جاگتے رہنے کی لذتوں سے آشنائی حاصل ہو جائے پھر دیکھتا ہوں کون آپ کو سلا لیتا ہے اور کون آپ کو پکڑ کر اٹھانے آتا ہے پھر ایک آٹو میٹک سسٹم اسٹیبلش ہو جاتا ہے۔"

برکات شیخ کا معیار

فرمایا۔"جو کیفیات من جانب اللہ قلوب پر اور ارواح پر اور باطن پر وارد ہوتی ہیں اور جو برکات حضور ﷺ کے طفیل نصیب ہوئیں وہ دائمی ابدی ہیں اور انسان کی دونوں عالم کی فلاح کی ذمہ دار ہیں۔ تو ہمیں دو طرح سے جائزہ لینا چاہئے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اسی ادارے میں یا اس شخص کے پاس یا اس مکتب فکر میں داخل ہو کر مجھ میں تبدیلی آئی پھر ایک صورت اس کی دوسری ہے' بعض لوگ متاثر نہیں ہوتے' بعض ایسے ہوتے ہیں جو خود اثر پذیر نہیں ہوتے' انہیں اس شخص کو یا ادارے کو الزام دینے سے پہلے

اردگرد دیکھنا چاہئے کہ اگر میں متاثر نہیں ہوا تو میرے ساتھ کتنے لوگ بیٹھے ہیں' یہ لوگ یہاں آنے سے پہلے کیسے تھے اور یہاں آکر ان میں کیا تبدیلی آئی پھر اگر وہ سمجھے کہ اس شخص کے اردگرد بسنے والے سچ بولتے ہیں' دیانت دار ہیں' محبت کرنے والے لوگ ہیں' نیکی کرتے ہیں' اور برائی سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اور میرے دل کی کیفیت تبدیلی نہیں ہوتی تو اسے اپنے آپ کا جائزہ لینا چاہئے کہ کوئی نقص مجھ میں ایسا ہے کہ میں متاثر نہیں ہو رہا اور اگر سبھی ایک جیسے نظر آئیں تو پھر وہاں سے رخصت ہو جانے میں ہی عافیت ہے۔ جہاں ایمانیات میں خلوص اعمال میں خشوع و خضوع نیکی کی رغبت اور برائی سے بیزاری نصیب نہ ہو وہاں وقت لگانا وقت کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔"

فرمایا۔ "اس کے لئے کسی مفتی کے فتوے کی کیا ضرورت ہے' آدمی اپنا خود ممتحن ہے خود مفتی ہے' خود دیکھو بہرحال اگر تمہاری یہ مجلس' تمہارا یہ طریقہ' تمہارے یہ اذکار گناہ کی طرف لے جا رہے ہیں' تو خدا کے لئے چھوڑ دو' گناہ کی طرف اگر جانا ہے تو بالکل کوئی فائدہ نہیں' لیکن اگر یہ مجالس تمہیں نیکی کی طرف لے جا رہی ہیں تو کسی سے مشورہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اگر کوئی کاروبار کرتا ہے اور سرمایہ بڑھ رہا ہے تو وہ کسی سے مشورہ لینے جاتا ہے' اسے کیا ضرورت ہے؟۔

عظمت شیخ

فرمایا۔ "یہاں آکر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہم نے یہ بات دیکھی کہ جو آیا اسے احوال قلبی نصیب ہوئے' بہت نصیب ہوئے یا تھوڑے ہوئے لیکن ہر آنے والے کو نصیب ہوئے۔ یہ بھی ہم نے یہاں دیکھا کہ عورتیں بچے کھلا رہی ہیں' گھروں میں روٹیاں پکا رہی ہیں اور فنا فی الرسول بھی ہیں بات ہوتی ہے تو بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کرتی ہیں۔ پوری تاریخ تصوف میں کہیں یہ چیز نہیں ملتی کہ ہر آنے والے کو یہ احوال قلبی نصیب ہو جائیں۔

اب یہ اللہ کریم کا احسان ہے اللہ کریم آپ کو بہت زیادہ ہمت دے' بہت زیادہ توفیق دے اور یہ دولت اتنی حاصل کیجئے کہ اس ملک میں غلبہ اسلام بن جائے۔ میں آپ کو پورے یقین کے ساتھ یہ کہہ رہا ہوں کہ آپ کی طاقت افرادی قوت میں نہیں' آپ کی طاقت مالی

قوت میں نہیں ہے' یہ سارے وسائل عارضی ہیں' وقتی ہیں' آپ کی اصل طاقت اس ذکر الٰہی میں اور شیخ کی برکات میں ہے اور برکات نبوی ﷺ میں ہے۔ اصل قوت ہمارا اثاثہ جو ہے' سرمایہ جو ہے وہ یہ دولت ہے۔ باقی وسائل جو ہیں جو آپ کا کارساز ہے' مسبب الاسباب ہے' وہ بنا دے گا' بن جائیں گے' حتی الامکان ہم ان کے لئے کوشش بھی کرتے ہیں' مال بھی دیتے ہیں' جان بھی حاضر ہے لیکن اگر یہ نعمت نہ ہو تو جیسے باقی ہیں ویسے ہم بھی ہیں' کوئی فرق نہیں پڑے گا اگر ہم کامیاب بھی ہو جائیں تو افراد بدل جائیں گے' پہلے والے چلے جائیں گے اور آجائیں گے حالات نہیں بدلیں گے۔ حالات تب ہی بدلیں گے جب یہ دولت لے کر بدکاروں کی جگہ دین داروں کو بٹھایا جائے' دین' دین داروں سے نافذ ہو گا بدکاروں سے دین کی خدمت نہیں ہوتی۔ اللہ کریم آپ سب کو توفیق عطاء فرمائے اور اتنی مہلت ضرور دے کہ وطن عزیز پر اسلام کو نافذ کیا جاسکے۔"

اہل اللہ اور مشکلات کا حل

فرمایا۔ "الحمد للہ اہل اللہ کی برکات ایسے ہوتے ہیں جس سے کروڑوں مصیبتیں ٹل جاتی ہیں' کروڑوں پریشانیاں ٹل جاتی ہیں' لیکن یہ کوئی معیار نہیں ہے چونکہ یہ سب کچھ ان لوگوں کو بھی مل رہا ہے' اہل اللہ تو اپنی جگہ رہے جو لوگ رسول ﷺ پر ایمان نہیں رکھتے جو خود خدا پر ایمان نہیں رکھتے' ان کے پاس بھی ڈھیروں دولت ہے' صحت ہے' اولاد ہے' حکومتیں ہیں' سلطنتیں ہیں' اس لئے یہ تو کوئی معیار نہیں رہا۔"

صاحب مجاز کی اہمیت

فرمایا۔ "مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ وہ حضرات جنہیں اللہ نے اس انعام کے لئے منتخب کیا اور جنہیں اس عزت و عظمت سے نوازا' جس کا اظہار میدان حشر میں ہو گا دنیا میں نہیں' قبر میں پتہ چلے گا کہ صاحب مجاز ہونا کسی بھی سلسلے کا کتنی اہمیت رکھتا ہے۔ آج وہی صاحب مجاز مجھے کہتے ہیں "کہ جب تک آپ ملک میں کام نہیں کرتے تو ہم سے نہیں ہوتا' کیسی عجیب بات ہے۔ کسی صحابیؓ نے تربیت پانے کے بعد یہ اعتراض نہیں کیا تھا کہ رسول ﷺ دنیا سے پردہ فرما گئے' اب یہ کام ہم سے نہیں ہو تا۔ ہم کیا ہیں' ہم تو کوئی شے ہی

نہیں، ہم کیا ہیں، ہماری حیثیت کیا' ہم تو ایک لنک اور ایک رابطہ ہیں' ایک استاد ہیں' جس نے کسی سے پڑھا اور آگے لوگوں کو پڑھا رہا ہے ہماری حیثیت کیا ہے؟ جو کام میں کر رہا ہوں' اللہ ایک پتھر سے ایک درخت سے اور کسی بھی بندے سے' جس سے چاہے یہ کام لے سکتا ہے' یہ اس کی مرضی ہے کہ مجھ سے اگر کام لے رہا ہے تو یہ اس کا احسان ہے۔ میری کوئی حیثیت نہیں لیکن رسول ﷺ نے جب چشمہ عالم سے پردہ فرمایا تو کیا کسی صحابیؓ نے یہ کہا کہ حضور ﷺ تو دنیا سے تشریف لے گئے' اب اسلام کا کام ہونے سے رہا اگر یہی کہتے تو اسلام جزیرہ نمائے عرب سے بھی سمٹنا شروع ہو جاتا لیکن ان کا کام یہ تھا کہ ہم نے سیکھا حضور ﷺ سے ہے اور اسی کو آگے پہنچانا ہے' تو آج بھی اسلام اسی طرح پھیلے گا جب ہر سیکھنے والا جو سیکھ چکا ہے اسے سکھانے پر تل جائے۔"

معیار عظمت شیخ

فرمایا۔ "اس عبرت ناک صورت حال سے بچانا اور اللہ جل شانہ کی معرفت عطا کرانا یہ شیخ کا کام ہے اگر تو یہ نعمت نصیب ہو تو الحمدللہ اور اگر واقعہ اس کے خلاف ہو' تو پھر سمجھ لیجئے کہ ہم نے وقت ضائع کیا ہے' پھر ہمیں تلاش کرنا ہوگا کہیں کوئی مسنگ لنک ہے اگر وہ مسنگ لنک شیخ میں ہے تو پھر کسی کو بھی فائدہ نہیں ہونا چاہئے اگر پیر میں نقص ہے' استاد میں نقص ہے' شیخ میں وہ مسنگ لنک ہے' تو پھر کسی بھی طالب کو فائدہ نہیں ہونا چاہئے' کسی کو بھی محبت الٰہی نہیں ملنی چاہئے' کسی کو بھی تعلق رسالت ﷺ نہیں ملنا چاہئے' کسی دل میں بھی یاد الٰہی نہیں بسنی چاہئے' کسی کے کردار کی بھی اصلاح نہیں ہونی چاہئے لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو پھر آپ اپنی اصلاح کریں اور اپنی طلب میں خلوص پیدا کریں۔"

مقصد عبادت

فرمایا۔ "ولہ من فی السموت والارض و من عندہ لا یستکبرون عن عبادتہ ولا یستحسرون" "ہر شعبے میں الگ طرح کی آزمائش اور ابتلا ہوتی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اب پندرہویں صدی ہجری جا رہی ہے اور پندرہ سو سال بعد برکات نبوی ﷺ کو تلاش کرنا کارے دارد۔ بہت مشکل کام ہے کہ کوئی اس کا قائل ہو کر' اس

پر یقین کر کے' اس کی تلاش و جستجو میں نکلے' لوگ نیکی کا بھی اجر دنیا میں وصول کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کو بھی تجربہ ہوگا' میرے ساتھ بھی بات ہوتی رہتی ہے' اکثر ڈاک میں ہوتا ہے' جی نماز بھی باقاعدگی سے پڑھتا ہوں' حج بھی کیا' یہ بھی کیا' وہ بھی کیا' بیٹا پھر بیمار ہو گیا ہے گویا یہ سارا نماز و حج بیٹے کی صحت کا کوئی کفارہ تھا' فرض نہیں تھا یا کاروبار میں نقصان ہو گیا' جی نماز بھی باقاعدگی سے پڑھتا ہوں یعنی جو کوئی نماز روزہ کرتا ہے' اس سے وہ یہ امید رکھتا ہے کہ اس کے بدلے میں میرے دنیاوی کام سیدھے ہوتے رہیں اور یہ وہ تصور ہے جو باطل مذاہب سے اسلام میں در آیا یعنی مذاہب باطلہ کی عبادت کا تصور یہ ہے کہ عبادات کے بدلے دنیاوی فوائد حاصل ہو جائیں۔ انسانی مزاج ہے اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے دوری کا یہ اثر ہے کہ اب پندرہویں صدی میں کوئی بڑی اللہ عطا کرے' کوئی بڑا حوصلہ عطاء کرے کہ وہ پندرہ صدیوں کا سینہ چیر کر اپنا تعلق' اپنا رشتہ اس عہد زرین سے جوڑے اور کم از کم اس مخمصے سے تو باہر آئے پھر خط میں یہ ہوتا ہے کہ ہر کام کے لئے کوئی وظیفہ بتائیں' پرسوں ایک خط تھا کہ میرا بہنوئی دوسری شادی کرنا چاہتا ہے' کوئی وظیفہ بتائیں کہ وہ رک جائے۔ میں نے لکھا بھائی شریعت نے اجازت دی ہے اور اس کی اپنی شرائط ہیں اگر وہ شرعی شرائط پوری کرتا ہے' تو کرے' نہیں کرتا تو وہ خود جوابدہ ہوگا۔ ایسا کون سا وظیفہ ہے جو کسی کو ٹانگ سے پکڑ کر باندھ رکھے کہ کہیں جا کر شادی نہ کرے۔"

اطاعت شیخ

فرمایا۔ "حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ ایک جملہ بار بار ارشاد فرمایا کرتے تھے اکثر ساتھیوں کو یاد ہوگا کہ "صوفی کی تربیت تب ہو سکتی ہے جب وہ شیخ کے ساتھ اس طرح ہو' جس طرح مردہ غسال کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔"" حضرت رحمتہ اللہ علیہ اکثر یہ جملہ دہرایا کرتے تھے اور اس طرح سے ہونا جس طرح آپ کر رہے ہیں' بڑا ہی دشوار کام ہے۔ چل کر آجانا' دو راتیں رہ جانا' ہفتہ رہ جانا یا مہینہ رہ جانا یہ بڑی بات نہیں ہے لیکن اپنی پسند کو چھوڑنا اور بات ہے"

روحانی بیعت کی شرط

فرمایا۔ "میں نے ایک شرط زائد رکھی ہے اس سال' ورنہ شیخ سلسلہ کو حق حاصل ہوتا

ہے کہ جب طالب کی روح میں یہ استعداد ہو کہ بغیر کسی کی امداد کے اپنی قوت پرواز کے دربار نبوت میں حاضر ہو' وہ اسے بیعت کرا دے خواہ اس شخص کو مشاہدہ ہوتا ہو یا نہ ہو' اس کے لئے شیخ کا مشاہدہ کافی ہے۔ میں نے اس سال اس پر پابندی لگادی ہے اس لئے صرف ان لوگوں کو بیعت کروایا' جنہیں مشاہدات نصیب ہوئے اور میں نے یہ اس لئے معیار مقرر کیا ہے اور یہ چند سال تو ہے تاکہ کوئی جماعت سے کٹ کر علیحدہ دکان نہ کھولے اور یہ کہے کہ میں بیعت کروا رہا ہوں تو وہ ان لوگوں کو یہ نعمت بھی عطاء کرے' اگر حضور ﷺ کا دیدار اور زیارت بھی ہو رہی ہو اور جب یہ نعمت حاصل ہو جائے تو میرے جیسے ناکارہ انسان کی تائید کی کیا ضرورت ہے اگر کسی کو خود مشاہدہ نہ ہو تو وہ اس بات پر بے جھجک اعتماد نہ کرے کہ میری بیعت مرکز کے علاوہ کہیں ہو رہی ہے' کچھ نہیں ہوگا۔ یہ میں اپنی ذات کے لئے عرض نہیں کر رہا ہوں' آپ کی اجتماعیت کے لئے' جماعت کی مرکزیت کے لئے اور حضرت کے ارشادات کی تکمیل کے لئے عرض کر رہا ہوں۔

فرمایا۔ ''اس کے بعد کیا ہوا' ہو رہا ہے اور کیا ہوگا یہ الگ بات ہے ہاں اتنا عرض کروں کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے دو باتیں ارشاد فرمائیں تھیں ایک یہ کہ پوری توجہ محنت سے جماعت کو چلاؤ' انشاء اللہ کوئی رکاوٹ نہ ہوگی اگر کوئی اختلاف کر کے جانا چاہے تو اسے پیچھے سے آواز دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تمہیں کسی کا محتاج نہیں رکھے گا ممکن ہے الفاظ کچھ حد تک بدل گئے ہوں' مفہوم یہی تھا۔''

شیخ کی ذمہ داری

فرمایا۔ ''مشائخ کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ ہمیں بچپن سے جوانی کی طرف چلائیں' دینی اعتبار سے ہمیں بچپن سے لڑکپن سے نکال کر ہمیں وہ شعور عطاء کریں کہ جس طرح یہ پیسہ یہ روپیہ یہ کپڑا ہم ضائع نہیں کرتے کیوں اس لئے کہ معاشرے میں ہمارے والدین نے ہمارے دوستوں نے ہمارے اساتذہ نے ہمیں بچپن سے جوانی کی طرف آتے ہوئے راستے میں سمجھا دیا ہے کہ ان چیزوں کی ایک قیمت ہے' انہیں کمانا پڑتا ہے اور یہ مل جائیں تو انہیں سنبھال کر رکھنا چاہئے' یہ ہماری ضرورت کی چیزیں ہیں تو ہم انہیں بڑی احتیاط سے رکھتے ہیں لیکن دین

کے معاملے میں یہ احتیاط کیوں نہیں آتی۔ شاید اس لئے کہ ہمیں کوئی ایسا معاشرہ کوئی ایسا ماحول کوئی ایسا رفیق کوئی ایسا شفیق انسان کوئی ایسا بزرگ کوئی ایسا دوست کوئی ایسی درسگاہ نہیں ملی' جو ہمیں دینی اعتبار سے اس بچپن سے جوانی کی طرف لے جاتی اور ہم فرائض کو سن کر واجبات کو حلال وحرام کی تمیز کو اوامر ونہی کو صلوۃ والسلام کو اپنے عجز ونیاز کو ہم جس طرح دنیا کی ایک ایک چیز کو سنبھال کر رکھتے ہیں کہ یہ کپڑا جوتا تو صرف دنیا میں کام آئے گا لیکن یہ تو میری ابدی زندگی کا ابدی راحتوں کا ساماں ہے یہ کیوں ضائع کروں۔"

عقیدت شیخ

فرمایا۔ "اس طرح اپنے شیخ سے خلوص رکھیئے اگر واقعی آپ کو شیخ نصیب ہو اور شیخ کی بڑی سادہ سی نشانی ہے نبی علیہ العلوۃ والسلام سے صحابہؓ نے عرض کی یا رسول ﷺ آپ ﷺ دنیا سے پردہ فرماجائیں گے' طرح طرح کے لوگ ہوں گے' نیک بھی ہوں گے' عابد وزاہد بھی ہوں گے' مخلص بھی ہوں گے' لیکن ان میں مکار بھی شامل ہو جائیں گے بہروپئے بھی آجائیں گے' جو بظاہر بڑا نیکی کا لباس بنالیں گے' حلیہ نیکوں کا ہوگا اور اندر سے پتہ نہیں کیا ہوں گے؟ تو کیسے فرق پتہ چلے گا کسی بندے کو کس طرح سمجھا جائے کہ یہ صحیح درست آدمی ہے' اس کے پاس بیٹھا جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا جس کو دیکھ کر خدا یاد آئے یعنی جس کے پاس رہ کر تم خود کو اللہ کے قریب لے جاتے ہوئے محسوس کرو وہ بندہ حق پر ہوگا' جس کے ساتھ ملنے سے تمہیں گناہ سے بچنے کا کوئی خیال دل میں پیدا ہو جائے' نیکی کی طرف بڑھنے کی رغبت پیدا ہو جائے' عمل میں صلاحیت پیدا ہو جائے' طلب صادق پیدا ہو جائے' دل میں خلوص پیدا ہو جائے' اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے کھری محبت پیدا ہو جائے' وہ کھرا بندہ ہوگا اور اگر وہ تمہیں دنیوی لالچ میں اور دھوکے میں لا کر اور تم سے جھوٹ بول کر تم سے فریب کرے' اس میں مبتلا کرنا چاہتا ہے تو پھر اگر ایسے راستے پر چل پڑو گے' تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ آدمی غلط ہے اور اگر پھر بھی ایسے شخص کے ساتھ ہو تو پھر طالب میں خلوص نہیں ہے۔"

طلب و شیخ

فرمایا۔ جن کے دل متوجہ نہ ہوئے وہ آپ ﷺ کی تئیس سالہ نبوی زندگی میں بھی کلمہ پڑھنے کے باوجود ساتھ رہنے کے باوجود خالی رہے اور کفر میں ترقی کر گئے۔ پہلے خالی کافر تھے پھر منافق بن گئے اور منافق شدید ترین کافر ہوتا ہے۔ تو جب نبوت کے ہاں حال یہ ہے تو کوئی بھی شخص جب کسی ولی اللہ کی خدمت میں جائے اور اس کے دل میں رضائے باری کی طلب نہ ہو بلکہ کوئی دنیاوی خواہش ہو' کوئی بھی دنیا کی' عہدے کی' مال و دولت کی' ترقی کی یا معتبر بننے کی۔ اپنا کوئی دنیوی وقار بنانے کی رضائے باری کو چھوڑ کر کوئی بھی دنیا کی خواہش اس کے دل میں ہو تو وہ خواہ ساری عمر کسی بڑے سے بڑے ولی کی خدمت میں بیٹھا رہے' اٹھے گا تو پہلے سے بھی گیا گزرا ہوگا۔ حصول فیض کے لئے فائدہ حاصل کرنے کے لئے' دل کو خالی کر کے پیش کرنا شرط ہے' جب حضور ﷺ کی ذات اقدس سے فائدہ نہ لے سکے تو کسی ولی اللہ سے تو فائدہ لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

فرمایا۔ آپ دیکھتے ہیں' ہمارے بیشتر لوگ اہل اللہ کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ ملاقاتوں کے لئے جاتے ہیں' دعاؤں کے لئے جاتے ہیں لیکن ان کی اپنی زندگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیوں نہیں پڑتا اس لئے کہ ہم دل کو خدا کے لئے خالی کر کے کسی کی خدمت میں جاتے ہی نہیں۔ ہمارے ہر سفر میں دنیا مقصود ہوتی ہے' خدا اور خدا کا رسول یا آخرت یا اخروی فلاح مدنظر رکھنے والے کم لوگ ہوتے ہیں اور بیشتر لوگوں کو یہ بات باور کرا دی جائے کہ ولی اللہ بھی انسان ہوتے ہیں' میری اور آپ کی طرح وہ بھی اللہ کے محتاج اسی طرح ہیں' جس طرح میں اور آپ اگر دنیا ہی مانگنی ہے تو خدا سے مانگو' جو سب کو دے رہا ہے' تمہیں بھی دے گا۔

فرمایا۔ ہمارے سلسلہ میں دنیا کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک لوگ تجلیات باری دیکھتے ہیں' محسوس کرتے ہیں' اپنے دل میں نبی کریم ﷺ کی بارگاہ سے مشرف ہوتے ہیں' زیارت نبوی سے مشرف ہوتے ہیں' لوگ دونوں جہانوں کو نہ صرف سنتے ہیں بلکہ دیکھ بھی پاتے ہیں' یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے' یہ صرف کہنے کی بات نہیں ہے' یہ بہت عجیب بات ہے۔ ان کا اندازہ وہ لوگ کریں گے جو ہمیں نہیں پا سکیں گے' انہیں اندازہ ہو

گا کہ کیسے لوگ تھے اور کاش ہمیں بھی وقت ملا ہوتا، یہ نعمت ہم نے بھی حاصل کی ہوتی۔

اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے میں بھی ایک مشت غبار ہوں' رب کریم کی مرضی کہ اس نے کس کس کے ذمہ کیا کیا خدمت کردی ہے' یہ اس کی اپنی مرضی۔ میری بھی ذمہ داری ہے اور آپ سب کو جو ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں' وہ آپ کی بھی ذمہ داریاں ہیں۔ مجھے شروع سے من مانی کرنے کی عادت نہیں ہے' آپ مجھے اس معاملے میں سخت مزاج پاتے ہیں لیکن وہ بات چونکہ میری بات نہیں ہوتی اور میں زندگی بھر تیس پچیس سال میں حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ رہا ہوں' میں نے دوسری دفعہ کسی بات کی وضاحت نہیں پوچھی۔ اپنے شیخ سے کبھی بھی پوری زندگی کوئی نہیں دکھا سکتا کہ کبھی حضرت نے کوئی جملہ فرمایا ہو جو میں نے سمجھا اور بعض اوقات میں غلط سمجھا' اس میں میں نے نقصان اٹھایا' بعد میں حضرت کو علم ہوا فرمایا خواہ مخواہ تو نے نقصان کر دیا' یہ تو مقصد نہیں تھا لیکن میں نے بات دہرائی نہیں' اس پر عمل کر دیا اور بس۔ جب بات کی جاسکتی تھی' جب روبرو تھے' جب ایک عالم میں تھے' تب بات کبھی نہیں کی تھی اب تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے میں جب کہہ دیتا ہوں' میں اپنی طرف سے پوری دیانت داری سے کوشش کرتا ہوں کہ میں اپنی بات نہ کہوں کیونکہ میری کوئی حیثیت نہیں ہے' میری حیثیت ایک ذرے اور واسطے کی ہے' اللہ کریم کا شکر ہے' میں شیخ سلسلہ ہوں میں جو کہہ دوں حضرت کی طرف سے مجھے اجازت ہے اور جتنے یہ صاحب کشف حضرات بیٹھے ہیں بڑے حضرت جی سے پوچھ لو مشائخ سے پوچھ لو بارگاہ نبوی میں مراقبہ کر کے دیکھ لو تم جب پوچھو گے تمہیں یہی جواب ملے گا اسے جا کر پوچھو جس کا جی چاہے اور جب جی چاہے مراقبہ کر کے پوچھ لو تمہین یہی جواب ملے گا اس لئے کہ تمہارا رابطہ میرے ساتھ ہے لیکن جس طرح تمہیں جواب نہیں ملتا اس طرح مجھے بھی اپنی بات کرنے کی اجازت نہیں ملتی' جو وہاں سے ملتی ہے وہ آپ تک پہنچاتا ہوں' یہ جو آپ کو خلافتیں بانٹی گئیں ہیں' ان میں میری کوئی رشتہ داری' میری کسی کے ساتھ ذاتی دلچسپی' کوئی کسی نے مجھے چندہ نہیں دیا کوئی میرا اس میں ذاتی انٹرسٹ کوئی اس میں دلچسپی نہیں ہے جو لوگ کام کر رہے ہیں وہی جو حضور اکرم ﷺ نے اپنی پسند سے پسند فرما دیئے' شاید میرے منہ سے بھی نام نکل گئے ہوں لیکن بہرحال جنہیں صاحب مجاز بنا دیا گیا' ان سے برکات بھی اتنی ہی مل سکتی

ہیں، جتنی میرے پاس بیٹھ کر مل سکتی ہیں۔

فرمایا۔ "لوگ نے ایسے پیر بنا دیئے ہیں آسان راستہ ہے نماز پڑھو، یا نہ پڑھو، محنت کرو نہ کرو، بنے بنائے پیر بن جاؤ۔ یہاں تو خود کو بیچنا پڑتا ہے، خود کو ہارنا پڑتا ہے، اس شکست میں فتح ہے، جو ہارے گا، وہ جیتے گا اور یہ یاد رکھو کہ یہ دلیل کافی ہے کہ جب شیطان دل میں بات القا کر سکتا ہے تو اللہ کی بات اگر اس کی زبان پر ہے تو کوئی فائدہ نہیں۔ یہ جب دل میں آجائے تو قوت پیدا ہوگی۔ دل ہی......... اس کا جواب دے گا اور بات بنے گی اور یہ قوت حضور اکرم ﷺ میں اس درجہ کی ہے کہ جس خشک تنے کے ساتھ وجود اقدس نے مس کیا وہ بھی عشق و محبت کے جذبے سے آشنا ہو گیا۔

فرمایا۔ "اس لئے ہم میں سے ہر فرد پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ جو جس مقام پر ہے وہاں وہ پوری محنت، پوری دیانت خشوع کے ساتھ پورا مجاہدہ کرے اور اس کا حق ادا کرے یعنی آپ کو سیکھنا ہے تو آپ سیکھنے کے لئے آئیں آپ وقت نکالیں کہ یہ آپ کا مقصد حیات ہے اور اگر خدا نے مجھے سکھانے پہ بٹھا دیا ہے، میں سکھاؤں، میں آپ سے نہ کہوں، آج میرے پاس وقت نہیں ہے۔ تو یہ پکڑ پکڑ کر لانے والی بات نہیں میاں یہ تو تب نصیب ہوتی ہے جب دیوانہ وار کوئی دوڑ کر آئے، جن کو پکڑ کر لایا جاتا ہے، خالی وہ بھی نہیں رہتے، کچھ حاصل کریں گے۔ اللہ کے احسان سے کچھ عقائد کی اصلاح ہو جائے گی۔ کچھ نمازوں میں اور اس میں کچھ تربیت اور کچھ ربط پیدا ہو جائے گا، کسی حد تک گناہ سے رغبت کم ہوگی، نفرت پیدا ہو جائے گی، کچھ نیکی کی محبت پیدا ہو جائے گی۔

فرمایا۔ اگر ہم اہل حق کے ساتھ ہیں تو ہمارے مزاج میں مثبت تبدیلی پیدا ہونا چاہئے اور نہ صرف عملی زندگی میں تبدیلی آئے بلکہ درون دل، دل کی گہرائیوں میں گناہ اور برائی کے لئے تنفر اور ناپسندیدگی پیدا ہو اور دل کی گہرائیوں میں نیکی کی طلب پیدا ہو بھلائی کی طلب پیدا ہو، انسان نیکی کر کے راحت محسوس کرے اور گناہ اگر بتقضائے بشریت اس سے ہو جائے تو گناہ اسے لذت نہ دے، بلکہ گناہ اسے ایذا میں اور ایک کوفت میں اور اندرونی تکلیف میں مبتلا کر دے اگر تو اللہ کریم یہ حالت عطا فرمائیں تو جس شخص کے پاس بیٹھنے سے یہ حالت نصیب ہو، وہ شخص صاحب حال صاحب حق ہوگا، جس ادارے جس خانقاہ میں یہ حالت نصیب ہو، اسے

ہمیشہ ہمیشہ اس کی محبت اختیار کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

فرمایا۔ "یہ اللہ کی نعمت ہے لیکن آسان کام بھی نہیں ہے' تو پھر اگر ساری محنت کو صرف اس بات پر محدود رکھیں گے' آپ نے زیارت کرلی' میں نے آپ کی زیارت کرلی' کچھ نہیں ہے۔ یہ قلبی قوت ہے' حال قلبی ہے' جمال قلبی ہے' جسے ہم اپنے دلوں میں سمولیں' مہلت تھوڑی دیر کی ہے' موت فارغ کردے گی سارے کاموں سے' دوسری بار زندگی نہیں دی جائے گی' تو یہ حضوری' یہ حاضری' اسے رسمی نام رنگ مت دو' آپ خوش قسمت لوگ ہیں لوگوں نے عمریں بسر کردیں' بڑے سفر کئے کہ کوئی ایک قلب بتادے۔ ابھی آپ خوش قسمت ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم ہستی پیدا کردی جس کے سلسلے میں فنافی الرسول کی کوئی بات بھی ہے"

تمہیں جو برکات جو انوارات جو تجلیات نصیب ہو رہی ہیں انہیں پوری قوت سے مومنین کے قلوب میں انڈیل دو اور یہی شیخ کی توجہ ہے یہی کام ہوتا ہے شیخ کا کہ اس کے اپنے قلب میں حرارت ہو' نور ہو' قوت ہو اور وہ قوت طالب کے سینے میں اتار دیں اور اس کا نتیجہ یہ ہو کہ اس طالب کو نیکی پر ثابت قدم رہنے کی توفیق مل جائے' فیشتو الدین امنوا ایمان والوں کو ثابت قدمی نصیب ہو' توجہ کا الٹی میٹ ریزلٹ یا منطقی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر نیکی پر جم جانے کی قوت نصیب ہوتی ہے' آدمی تذبذب میں نہیں رہتا کہ کبھی ادھر بھاگے' ایک جگہ جم کر کھڑا ہونے کا حوصلہ نصیب ہوتا ہے۔"

فرمایا۔ "ہماری خواہشات درست نہیں ہیں۔ بنیادی طور پر ہماری آرزو درست نہیں ہے' ہم اللہ کی عظمت کے لئے نہیں' خدا کے دین کے لئے نہیں بلکہ خانہ پری کرتے ہیں تو خدا ہمیں پیر بھی ایسے دیتا ہے' جنہوں نے دو دو دواتیں رکھی ہوئی ہیں' دنیاوی اعتبار سے بھی افسران کو' ان افسران کو بتا رکھا ہوتا ہے کہ اگر نیلی سیاہی سے رقعہ آئے تو اس کی پرواہ نہ کرنا کالی سیاہی سے آئے تو اس کا کام کردینا' اتنے کھرے لوگ ہیں پیر بھی اس زمانے کے کہ نیلی اور کالی سیاہیاں بنا رکھی ہوتی ہیں۔"

فرمایا۔ "ہماری ذمہ داری ہے کہ حق کو بیان کریں اللہ کے نزدیک ہم تو سرخرو کہ بار الٰہی ہم نے اپنا حق ادا کیا' فرض ادا کیا اور پیغام پہنچایا اور دوسری بات یہ ہے کہ ممکن ہے اللہ

انہیں توبہ کی توفیق دے ہی دے' شاید ان میں سے کوئی توبہ کر ہی لے' تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اس امید پر جہاد کرتے رہے' لڑتے رہے' محنت کرتے رہے' خود حق پر عمل کیا اور دوسروں کو حق پر عمل کرنے کی دعوت دیتے رہے' مختلف ذرائع استعمال کرتے رہے برائی سے روکے رکھیں تو یہی کامیابی ہے۔

فرمایا۔ "سب سے مشکل کام یہی ہے جس کے لئے تصوف اور سلوک اور سارے اذکار اور نیک لوگوں کی محفلیں اختیار کی جاتی ہیں کہ ہم میں وہ قوت پیدا ہو جائے کہ رسوم کی قید سے نکل کر اتباع رسالت کو اپنا سکیں۔ سو اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھنے کے فوائد جانچنے کے لئے معیار بھی یہ ہے کہ ہر شخص کی زندگی کا اپنا معیار ہوتا ہے' ساری دنیا حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ اور سید عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ نہیں بن سکتی ہر شخص کو اپنا معیار دیکھنا ہے کہ اس محفل میں آنے سے پہلے میرے لیل و نہار کیسے تھے' نماز کیسی تھی' میرے خیالات' جذبات' اعمال اور کردار کیا تھے اور کیا اس محفل میں آنے سے کوئی مثبت تبدیلی آئی ہے یا نہیں۔ تبدیلی ہر ایک کے حال میں اس کی اپنی حیثیت اور استعداد کے مطابق آئے گی۔ کسی کو مشاہدات مکاشفات ہوں نہ ہوں کوئی فرق نہیں پڑتا' ہوں تو اللہ تعالی کا انعام ہے' نہ ہوں تو اس کی اپنی مرضی۔ مشاہدہ ہوگا اور سب کو ہوگا ایک وقت آئے گا۔ فرمایا فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید جب مادی آنکھ بند ہوتی ہے' تو دل کی آنکھ کھل جاتی ہے' جسے ہم آنکھ بند ہونا کہتے ہیں۔ حقیقتاً آنکھ کھل جاتی ہے۔ ہم سب کو بلکہ کافر کو بھی فرشتے نظر آتے ہیں' جنت دکھائی جاتی ہے' دوزخ بھی دکھائی جاتی ہے' مومن کو بھی ہر شے نظر آتی ہے جب کشف ہو' مشاہدہ ہو۔ تو چاہیئے یہ کہ جب آنکھ کھلے تو پاس دیکھنے کو سرمایہ ہو اور اس کا معیار یہ ہے کہ اپنی زندگی کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش پا پر نچھاور کر دو اگر کوئی کر سکتا ہے تو زندگی میں کرنے کا صرف یہی ایک کام ہے اور جس سے یہ نہ ہو سکا' اس نے کچھ بھی نہیں کیا۔"

فرمایا۔ "یہ میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ ہمارے شیخ رحمتہ اللہ علیہ نے بھی روئے زمین پر لکھ کر پھیلا دیا کہ ہمارے پاس آؤ' میں ہی اس وقت فنافی الرسول کرا سکتا ہوں۔ ہم بھی اس دعوت پر قائم رہے اور ہم بھی بدستور یہ بات کہتے ہیں۔ تو ہم جب یہ بات برملا کہتے ہیں تو

لوگ بھی کہنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ جو ہماری دعوت ہے ہمارا عمل اس کی تردید نہ کرے بلکہ تائید کریں۔"

فرمایا۔ "خدا کے لئے مجھے اس دلدل میں گھسیٹنے کی کوشش مت کریں' میں بالکل اپنے شیخ کی طرح میدان میں تنہا سکون سے رہوں گا انشاء اللہ۔ جہاں تجلیات باری نصیب ہو سکتی ہیں جہاں ذکر قلبی نصیب ہو سکے' بال اور کھال ذاکر ہو سکتی ہو وہاں اس نعمت کو چھوڑ کر آپ اس بات پر بیٹھ جائیں' مجھے یہ تعویذ دیدو مجھے وہ دم کر کے دو' مجھے یہ کر دو' میری بیوی ڈرتی ہے' میرا بچہ روتا ہے' بیویاں ڈرتی ہیں اور بچے روتے ہیں' یہ دنیا کا اصول ہے۔ بہرحال صحت اور بیماری امارات وغربت' طاقت اور کمزور جوانی اور بڑھاپا' اقتدار اور زوال' یہ اللہ کا مقرر کردہ ہے' اس سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ جن ملکوں میں گورے حکومت کرتے تھے ان کی اولادیں انہی ممالک میں گداگری کرتی ہیں اور جو لوگ کسی ملک میں گداگری کرتے ہیں' ان کی پشت میں اس ملک کے حکمران پیدا ہو جاتے ہیں یہ قانون ہے اللہ کا۔ جو لوگ دھکا دے کر دیوار گرا دیتے ہیں' ایک زمانہ آتا ہے کہ وہ چلنے کے لئے دیواروں کا سہارا لیتے ہیں' جو لوگ دور تک دیکھنے کی سکت رکھتے ہیں' ایک زمانہ آتا ہے کہ وہ ٹٹول کر چیز تلاش کرتے ہیں' یہ میرے رب کا نظام ہے' اسے آپ روک سکتے ہیں نہ میرا تعویذ۔ نہ کسی کا دم نہ کسی کی چھو۔ اگر آپ نے اس طرح سے سمجھا ہے تو آپ کو غلطی لگ رہی ہے کیونکہ میں جیتے جی مزار نہیں بننا چاہتا مجھے قطعاً" یہ بھی پسند نہیں ہوتا کہ میں آؤں اور آپ اٹھ کر کھڑے ہو جائیں۔ لاالہ اللہ محمد الرسول اللہ۔ مجھے یہ بات پسند نہیں' میں بالکل ایک عام آدمی رہنا آسان سمجھتا ہوں' میری اپنی ڈیوٹی میرا اپنا فریضہ ہے' آپ کا اپنا فریضہ ہے' ظاہری ادب واحترام کی توقع نہیں کرتا' جہاں ادب واحترام ہوتا ہے' وہ بات کرنے میں بھی ملاقات میں بھی چلنے پھرنے میں بھی نظر آتا رہتا ہے' اس کے لئے ظاہری چیزوں کی ضرورت نہیں پڑتی اور اگر کسی شخص کے دل میں یہ بات آجائے کہ اس کے آنے پر لوگ کھڑے ہو جائیں تو اللہ کے عذاب کی گرفت میں آنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔"

فرمایا۔ ہم اگر کسی کو نیک سمجھتے ہیں یا ولی اللہ سمجھتے ہیں تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جو میں چاہتا ہوں کہ فلاں بزرگ کے مزار پر جانے سے فلاں ولی اللہ کے ملنے سے فلاں نیک آدمی کے

ملنے سے جیسا میں چاہتا ہوں' ویسا ہو جائے گا اگر یہ فلسفہ انسانوں کے ذہن سے نکال دیا جائے تو ہمارے ملک میں یہ جتنی عرسوں کی بہاریں ہیں اور جتنے لوگ سلاموں کے لئے جاتے ہیں یہ ایک دم سے ختم ہو جائیں۔ یہ ساری فلاسفی ہم سمجھتے ہیں کہ بزرگوں کے ساتھ ہمارا تعلق ہے' اصل بات یہ نہیں ہے۔ اصل بات وہ جو ہماری اپنی غلط فہمی ہے کہ فلاں بزرگ کے پاس جانے سے جو میں کہتا ہوں وہ ہو جائے' جبکہ بزرگ کو بزرگی اس بات پر ملتی ہے کہ ساری زندگی جو وہ چاہتا تھا اس نے وہ چھوڑ دیا اور وہ اپنا لیا' جو اللہ چاہتا ہے۔ یعنی اس کا اپنا یہ حال ہے کہ ساری زندگی جو کچھ وہ چاہتا تھا' اس نے وہ چھوڑ دیا اور وہ اپنا لیا جو اللہ چاہتا ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس کے پاس جائیں گے' تو وہ ہو جائے گا جو ہم چاہتے ہیں۔ کتنا الٹا وا ہے ایسا کبھی ہو سکتا ہے' ایسا ہونا کیا ممکن ہے؟ یا اگر کوئی شیخ اس بات پر اپنی دکان چمکائے بیٹھا ہے تو وہ بھی شیخ نہیں ہے۔

فرمایا۔ "اگر کوئی چاہے کہ چند دن کی صحبت شیخ میں ساری ترقی حاصل ہو جائے اور پھر مجھے علیحدگی میں کچھ نہ کرنا پڑے تو بات ایسے نہیں بنتی۔ ایک تو اس میں بنیاد ہے کہ دل پر غفلت نہ آئے' دل کی طرف متوجہ رہے' ہمہ وقت ہر آن ذکر کرو وذکر ربک اذا نسیت۔ اگر ذہن سے بات اتر جائے' تو جیسے یاد آئے پھر پلٹ جائے' کثرت سے متوجہ رہے دل کی طرف' زبان کو زیادہ باتوں میں لگانے کی نسبت ذکر اذکار میں لگائے' درود شریف میں لگائے' کلمہ پڑھے' کوئی ایک آیت دہراتا ہے۔ تسبیح پڑھتا رہے' معاملات میں بات بہت بگڑ چکی ہے' کوشش کرے کہ کسی کا حق نہ رکھے' اپنے حق کو ضائع نہ ہونے دے' جیسا کسی کا حق رکھنا جرم ہے اپنے حقوق کو ضائع کرنا بھی جرم ہے۔

فرمایا۔ یہ دو اوقات جو ہیں مغرب سے عشاء تک اور سحری سے فجر تک۔ پہلی بنیادی بات تو یہ ہے کہ اس کی فضیلت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے' وہ اپنی جگہ پر ہے۔ سلسلہ کے تمام مشائخ جو برزخ میں تشریف رکھتے ہیں' وہ بھی ان اوقات میں ذکر کے معمول میں مشغول ہوتے ہیں اور ان دو اوقات میں ذکر کرنے والے کو پورے سلسلے کو توجہ نصیب ہوتی رہتی ہے' ان دو وقتوں کے علاوہ بھی جو ذکر کرے گا وہ خالی تو نہیں جاتا لیکن وہ لطف وہ توجہ ان اوقات کے علاوہ نصیب نہیں ہوتی۔ ذکر اور لطائف بنیاد ہیں اگر عمارت ہزار منزلہ بھی

چلی جائے تو وہ بنیاد سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔ کوئی کہاں بھی چلا جائے وہ ان اوقات میں اپنے اذکار کو اپنے مراقبات کو اپنے معمولات کو چھوڑے نہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھ لیں کہ عبادات امور عادیہ کی طرح نہیں بن سکتے' ان کے لئے ساری زندگی اہتمام کرنا پڑتا ہے' یہ پوری زندگی کی محنت ہے اور ہمیشہ اپنے آپ کو اس کے لئے تیار کرنا پڑتا ہے' یہ ایک مسلسل جہاد ہے' مسلسل مجاہدہ ہے۔"

فرمایا۔ عام طور سے خطوں میں آجاتا ہے حضرت دعا کریں کہ جی سحری کو جاگ نہیں آتی۔ یہ حضرت کی دعاؤں سے نہیں' اہتمام سے آئے گی اگر کسی کو سفر پر جانا ہو' تو اس نے کبھی خط نہیں لکھا کہ مجھے فلاں تاریخ کو بس پر بیٹھنا ہے' آپ دعا کریں کہ میں وقت پر اٹھ جاؤں خود بخود اٹھ جاتے ہیں اور کوئی دنیوی کام ہو تو آدمی ساری ساری رات بیدار رہتا ہے اور خود بخود اہتمام کرلیتا ہے۔ ان چیزوں کے لئے' اس کام کے لئے دنیاوی کاموں سے زیادہ اہتمام کی ضرورت ہے اور کرنا چاہئے اور کرنا پڑتا ہے۔ پھر بعض منازل بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں کہ یا تو آرام سے رہو' وظائف کرو' نماز پڑھو اتنا کافی ہے اور اگر آگے ہی قدم بڑھاؤ گے تو پھر رونے چلانے کی ضرورت نہیں۔ چونکہ یہ راہ جو ہے اس میں دنیاوی مصائب اس طرح ہوتے ہیں جس طرح لازم و ملزوم ہوتے ہیں اور جنہیں تم بڑا فریاد رس سمجھتے ہو اور چٹھیاں لکھتے ہیں کہ ہمارے لئے دعا کرو' ان کی مصیبتیں اگر تم پر آجائیں' تو شاید یہ راستہ بھی چھوڑ دو۔ منازل قرب جو ہیں ان کے ساتھ مصائب ضروری ہیں اب اگر کوئی شہید ہونا چاہتا ہے تو' کیا وہ چاہے گا کہ مجھے زخم بھی نہ لگے اور شہید ہو جاؤں اس کے لئے قتل ہونا پڑے گا' سرباز ارہونا پڑے گا' پتہ نہیں کتنے زخم لگیں گے کتنا تڑپنا پڑے گا' کتنا مچلنا ہو گا تو پھر وہ شہادت کی طلب ہی چھوڑ دے۔ بعض منازل ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کے لئے عبادات مکمل بھی ہوں تو بھی بغیر مصیبت آئے وہ عبور نہیں ہوتیں۔ علاوہ ازیں ایسے منازل جن کے ساتھ مصائب نہ بھی ہوں' ان کے لئے بھی جب عبادات میں اذکار میں معمولات میں کمی رہ جاتی ہے' تو اس کمی کو پورا کرنے کے لئے مصیبت آتی ہے' اس کے بدلے اللہ کریم وہ کمی پوری فرمادیتے ہیں۔"

فرمایا۔ "ان لوگوں کی تلاش کرو اور ان کے طریق کو اختیار کرو۔ قرآن کریم نے اس جگہ یہ نہ فرمایا کہ صرف قرآن کا راستہ اختیار کرو کیونکہ محض کتاب اللہ انسانی تربیت کے لئے

کافی نہیں اور نہ یہ فرمایا کہ رسول کا راستہ اختیار کرو کیونکہ رسول کریم ﷺ کی بقاء اس دنیا میں دائمی نہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی دوسرا رسول ﷺ اور نبی نہیں' اس لئے صراط مستقیم جن لوگوں کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے' ان میں نبین کے علاوہ ایسے حضرات شامل کر دیئے گئے جو تا قیامت ہمیشہ موجود رہیں گے یعنی صدیقین شہداء اور صالحین ہیں۔ خلاصہ یہ کہ سیدھا راستہ معلوم کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے کچھ رجال یعنی انسانوں کا پتہ دیا کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ ایک حدیث میں حق پر قائم رہنے والی جماعت کا پتہ دیتے ہوئے اس خاص طرز میں شاید اس کی طرف اشارہ ہو کہ انسان کی تعلیم و تربیت محض کتابوں اور روایتوں سے نہیں ہو سکتی بلکہ ماہرین کی صحبت اور ان سے سیکھ کر ہوتی ہے' یعنی در حقیقت انسان کا معلم اور مربی انسان ہی ہو سکتا ہے محض کتاب معلم اور مربی نہیں ہو سکتی ہے۔"

"یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو دنیا کے تمام کاروبار میں مشاہدہ میں آتی ہے کہ محض کتابی تعلیم سے کوئی انجینئر نہیں بن سکتا ہے۔ اسی طرح قرآن وحدیث کا محض کتابی مطالعہ انسان کی اخلاقی تربیت اور عملی تعلیم کے لئے ہرگز کافی نہیں' جب تک کسی محقق ماہر سے باقاعدہ حاصل نہ کیا جائے۔ قرآن وحدیث کے معاملہ میں بہت سے لکھے پڑھے مغالطے میں مبتلا ہیں کہ محض ترجمہ یا تفسیر دیکھ کر ماہر ہو سکتے ہیں' یہ بالکل فطرت کے خلاف تصور ہے اگر محض کتاب کافی ہوتی تو رسولوں کے بھیجنے کی ضرورت نہ ہوتی"۔

معلوم ہوا کہ انسان کی فلاح و اصلاح کے لئے ضروری ہے ایک کتاب اللہ جس میں انسانی زندگی سے متعلقہ احکام موجود ہیں اور دوسرے رجال اللہ۔ ان سے استفادہ کی صورت یہ ہے کہ کتاب اللہ کے اصولوں پر رجال اللہ کو پرکھا جائے جو اس معیار پر نہ ہو' تو ان کو رجال اللہ ہی نہ سمجھا جائے اور جب رجال اللہ صحیح ہو جائیں تو ان سے کتاب اللہ کا مفہوم سیکھے اور اس پر عمل کرتا جائے۔ فرقہ وارانہ اختلافات کا بڑا سبب یہی ہے کہ لوگوں نے صرف کتاب اللہ کو لیا اور رجال اللہ اور ان کی تفسیر و تعلیم کو کوئی اہمیت نہ دی اور کچھ لوگوں نے صرف رجال اللہ کو معیار لیا اور کتاب اللہ سے آنکھ بند کرلی اور ان دونوں صورتوں کا نتیجہ گمراہی ہے۔"

باب۔3

توبہ کے متعلقات

فرمایا:-توبہ کے متعلقات = کسی سے تھوڑی سی بھول ہوئی ہے یا زیادہ ہوئی ہے بہرحال اس کی معافی اللہ سے طلب کرنا چاہئے۔ یہ احساس دراصل اس احساس پر نصیب ہوتی ہے کہ فتاب علیہ۔ اللہ کی بخشش عظیم اور عام ہوتی ہے اس بخشش کا اثر یہ ہوتا ہے کہ کسی کے دل میں خیال ہو کہ جو توبہ میں نے کی ہے' وہ قبول ہوئی یا نہیں۔ تو توبہ کی قبولیت کی سند یہ ہے کہ اسے ہدایت نصیب ہو جائے' اسے اصلاح احوال نصیب ہو جائے' اسے یاد اللہ نصیب ہو جائے' عبادت میں باقاعدگی آجائے' وہ حرام سے بچنے لگا' جھوٹ سے بچنے لگا' اللہ کی نافرمانی سے بچنے لگا' تو گویا توبہ قبول ہو گئی ہے۔ وہ کیفیت جس نے اسے توبہ پر مجبور کیا' یہ احساس و شعور جس نے اس میں یہ درد پیدا کیا کہ وہ توبہ کیلئے بڑھا اور اس توبہ میں حقیقت تھی سچائی تھی۔ وہ محض رسماً" نہیں تھی' اور رواجاً" نہیں تھی۔ اس میں اتنی سچائی تھی کہ اللہ نے اسے قبول فرمایا۔ جب ہماری توبہ کے پیچھے ایک درد ہو اور توبہ قبول ہو جائے تو اس کے قبول کرنے کے سبب کو درد دل کہتے ہیں۔

فرمایا۔ ایک ہوتا ہے کہ دین کے کسی حکم پر بندہ عمل نہیں کر سکتا' یہ گناہ ہوتا ہے جرم ہے' فسق ہے دوسری بات یہ ہوتی ہے کہ وہ حکم ہی کو قابل عمل نہیں سمجھتا کہ ایسا ہونا ہی ممکن نہیں' یہ گناہ نہیں ہے' یہ کفر ہے یہ دین سے انکار ہے یہ ایمان کے خلاف ہے۔ یہی ایذائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور ایذائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدترین کفر ہوتا ہے۔

فرمایا۔ شکر و توبہ = اسلام یہ ہے کہ نہ تو تم ان نعمتوں کو ترک کر دو' اپنے اوپر حرام نہ کرو' جو اللہ نے حلال کی ہیں انہیں حرام کرنا بھلا کہاں کی بھلائی ہے بلکہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ادائے شکر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جو نعمت اللہ نے تجھے دی ہے' اس کا اظہار ہو۔ اللہ نے تمہیں اگر اختیار دیا ہے' تو غریبوں کی داد رسی کرو تاکہ تمہارے اختیارات کا اظہار ہو کہ یہ صاحب اقتدار ہے لیکن اس اقتدار کو آپ حق پرستی میں عدل پروری اور غریب پروری میں اور لوگوں کی فریاد رسی میں خرچ کرتے ہیں' تو یہ عین شکر کرنے کا صحیح طریقہ ہے کہ اللہ نے آپ کو اقتدار دیا اور آپ اس کا شکر ادا کر رہے ہیں۔ اس طرح اللہ کریم نے دولت دی ہے' تو دولت مند کا طریقہ شکر یہ ہے کہ اس کے لباس سے اس کے رہن سہن سے' اس کے اخلاق سے' اس کے میل جول سے' اس کی حیثیت کا اندازہ ہو زکوۃ ادا کرے' وہ مساکین پر صدقہ کرے' اس کے گھر کے گرد کوئی غریب بھوکا نہ سوئے' وہ کسی بیمار کی خبر گیری کرے اور اگر کسی کو نظر آئے تو اچھے حال میں نظر آئے تاکہ لوگوں کو پتہ چلے کہ اس پر اللہ کا احسان ہے۔ اس دولت کو چھپا کر پھٹے ہوئے کپڑے پہن کر آپ کوئی نیکی نہیں کما سکتے' ہاں اس دولت سے آپ بھانڈ نچانا شروع کر دیں' اس دولت کو آپ ضائع کرنا شروع کر دیں' تو یہ حد سے گذرنا ہو گا جس کی اجازت نہیں۔

فرمایا۔ گناہ کی توجیہہ = انسانی کردار بہت موثر ہوتا ہے' ہم جب اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں تو اکثر لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ میں اپنا بھگتوں گا تم کیوں فکر کرتے ہو اگر میں غلطی کرتا ہوں' تو میں اپنی بھگت لوں گا اس حد تک بھی صحیح نہیں ہے۔ صحیح اس لئے نہیں ہے کہ اس نے خود اپنا وجود نہیں بنایا کہ اس پر عذاب لاتا ہے' یا اس پر خرابی لاتا ہے' وہ وجود کس کا دیا ہوا ہے' وہ اس کے پاس امانت ہے' وہ قوت وہ علم' وہ عقل' وہ نگاہ' وہ ہاتھ' وہ پاؤں جسے وہ استعمال کر رہا ہے' وہ کس کی عطا ہے۔ کوئی اس کا حساب لے گا اور اگر ٹھیک نہیں کر رہا' وہ لیکن یہ بھی کہتا ہے "کہ میں جانوں میرا دینے والا جانے' آپ کا کیا کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ روئے زمین پر تباہی پھیلائے' دوسروں کو بھی مصیبت میں مبتلا کر دے اور گناہ کا یہی وہ پہلو ہے' جس کی بخشش میں شاید بہت سی مشکل پیش آئے۔ جہاں تک اللہ جل شانہ کی ذات کا حق ہے وہ تو ایسا کریم ہے فرما رہا ہے۔ لیذیقہم بعض الذی عملوا۔ انسانی افعال سے

دنیا میں بہت خرابی پیدا ہوتی ہے اگر بے شمار گناہ معاف کر کے ان میں سے چند اور بعض کے اثرات بھی بہت تھوڑے حد تک دکھا دیتا ہوں' لیکن اس حد تک نہیں کہ تم لوگ تباہ ہو جاؤ بلکہ اس حد تک ظاہر کئے جاتے ہیں کہ تمہیں اس گناہ سے حیا آئے اور تم واپس آجاؤ۔ وہ ایسا کریم ہے کہ نہ صرف یہ کہ واپسی کا دروازہ بند نہیں کرتا' بلکہ واپسی کے لئے اسباب پیدا کرتا رہتا ہے' لیکن اگر کوئی واپس آنے کی نہیں سوچتا' تو اس کی اپنی بد قسمتی ہے۔

فرمایا۔ گناہ و ثواب کے تصور = ہمارے یہاں گناہ و ثواب کے تصور نے پوری قوم کو بے عملی کی نیند سلا دیا ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم ہر بگڑنے والے کام کو مقدر کے سپرد کر دیتے ہیں کبھی یہ سوچنے کا تکلف نہیں کرتے کہ مجھ سے کہاں کوتاہی ہوئی' میں نے کہاں غلطی کی' میں اس غلطی کا اعادہ نہ کروں۔ یہ سوچنے کے بجائے ہم یہ کہتے ہیں' بس اللہ کو یہی منظور تھا' مقدر میں یہی تھا' ایسا ہی ہونا تھا یہ اسلامی نقطہ نظر نہیں ہے۔ اسلامی نقطہ نظر یہ ہے کہ جو ہونا ہے' اللہ قادر ہے' اس کی مرضی' جو چاہے' وہ کرے' لیکن جو عقل جو خرد و شعور جو اسباب و وسائل اس نے آپ کو دیئے ہیں' آپ شریعت کے مطابق ان وسائل کو پوری طرح سے استعمال میں لانے کے مکلف ہیں۔ ہم اپنی پوری کوشش کرنے کے مکلف ہیں' شرعی قاعدے کے مطابق ہم اپنی طرف سے پوری کوشش کریں اس کے بعد اگر نتیجہ ہماری منشا کے مطابق حاصل نہیں ہوتا' تو اس کا جرم ہم پر نہیں آئے گا اللہ قادر ہے اس کی مرضی' جو چاہے کرے لیکن جب ہم نے غلطی کی' ہم نے کوتاہی کی' ہم نے اپنا کام نہیں کیا' ہم نے عمل ہی نہیں کیا' ہم نے عملی زندگی سے منہ موڑ لیا' تو پھر جو نقصان ہو گا اس کے ذمہ دار ہم ہیں۔ یہ اتنا آسان نہیں ہے کہ اپنی کوتاہی کا احساس ہی نہ کیا جائے بلکہ سارا کچھ اللہ کے ذمے لگا دیا جائے اللہ کریم نے بے شمار امور کو انسان کی محنت اور کاوش کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے جسے شریعت میں تقدیر معلق کہتے ہیں قضائے معلق کہ انسانی محنت و کوشش کے ساتھ اسے منتھی کر دیا گیا کہ اگر اس نے محنت کی' تو اس کا نتیجہ اس طرح بدل دیا جائے گا اگر اس نے محنت نہ کی تو اس کا نتیجہ اس طرح ہو گا اس کا حساب بھی ہو گا مگر طے شدہ امور میں ہماری محنت اور کوشش کو دخل نہیں تو حساب محاسبہ کس بات کا ہے۔

دوسرا نقصان وہ فلسفہ ہے جسے ہمارے ہاں ثواب کہتے ہیں میں نہیں سمجھتا' میں نے

نہیں پڑھا میری نگاہ سے نہیں گزرا کہ کسی نے اسکی تعریف کا تعین کیا ہو ثواب ہوتا کیا ہے نماز پڑھو ثواب ملے گا' روزہ رکھو' ثواب ملے گا' سب باتوں کا ثواب ملے گا لیکن ثواب کیا شے ہے؟ وہ کہتے ہیں' پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تو ملے گا مرنے کے بعد' جب ملے گا تو دیکھی جائے گی ایسی محنت اور ایسی مزدوری کا کیا فائدہ' جس کی اجرت ہی بروقت نہ ملے۔ رب جلیل نے جو دین ہمیں عطا فرمایا ہے اس کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد عالی ہے کہ جس آدمی سے مزدوری کراتے ہو' اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی اجرت ادا کرو ہم بندے عاجز اور محتاج ہیں' ہم کسی سے مزدوری تب کرائیں' جب ہمارے پاس دینے کے لئے اجرت موجود ہو اور جیسے وہ کام ختم کرے' ہم اس کا بدلہ ہتھیلی پر رکھ دیں۔ ہمارے لئے تو یہ پابندی ہے اور خود قادر مطلق ہے جس کے خزانوں میں کوئی کمی ممکن نہیں ہے' جسے کسی سے لینا نہیں کسی سے پوچھنا نہیں اپنی مرضی سے دینا ہے' اپنی مرضی کرنی ہے' اپنی مرضی سے فیصلہ کرنا ہے' اسکی مزدوری کی جائے' تو خود ادھار کرتا ہے ادھار کا یہ تصور سمجھ میں نہیں آتا۔

فرمایا۔ اللہ کریم نے توبہ کی یہ صورت ارشاد فرمائی ہے کہ اگر کوئی نادانی سے' برائی کر بیٹھے اور پھر اس حرکت پر شرمندہ ہو اور فوراً" توبہ کرلے' تو اللہ کریم ایسے لوگوں کی توبہ قبول کرلیتے ہیں۔ یہاں برائی کا تعلق جہالت سے ہے اس جہالت سے مراد یہ نہ ہوگا کہ گناہ سے واقف نہ تھا ورنہ عملاً" ایسا نہ کرتا۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ ہر وہ فعل جو اللہ کریم اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے خلاف ہو' وہ جہالت ہے خواہ کتنے بڑے دانشور سے صادر ہو۔ حضرت قتادہؓ کی روایت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس بات پر اجماع ہے' کہ ہر گناہ جہالت ہے' خواہ ارادے سے کیا جائے' یا غیر ارادی طور پر صادر ہو' اور ہر وہ شخص جو اللہ کی نافرمانی کرے' جاہل ہے۔ پھر جلدی سے توبہ کرے اب اس جلدی کی حد مقرر کی گئی ہے صرف ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو عمر بھر برائی پر کاربند رہیں اور جب موت آجائے یعنی فرشتہ یا آخرت نظر آنے لگے' تو اس وقت توبہ کا خیال آئے تو ایسے لوگوں کی توبہ' قبول نہیں ہوتی ہے۔

فرمایا۔ توبہ کی قبولیت سے مراد یہ ہے کہ برائیاں نیکیوں پر چھا جائیں اور اعمال ضائع نہ ہو جائیں ورنہ یہ ایک ایسی حالت ہے کہ توبہ کی توفیق ہی نصیب نہ ہوتی اور دل پر کسی بات کا

اثر نہ ہوتا۔اسی طرح گستاخ رسول کو بھی توفیق توبہ نہیں ملتی ورنہ جو لوگ مخلص تھے لیکن اسلام کی حقانیت اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کریمانہ سے واقف نہ تھے جب ان پر حقیقت واضح ہوئی تو تائب ہو کر حلقہ خدام میں شامل ہو گئے' مگر گستاخ کو یہ تقدس نصیب نہ ہوا۔

دراصل توبہ کا پہلا رکن یہ ہے کہ گناہ سے ندامت ہو اور دل میں خجالت کو محسوس کرے یا پھر اپنی غلطی کا احساس ہو۔دوسری بات یہ ہے کہ گناہ کو فوراً" چھوڑ دے اور آئندہ نہ کرنے کا عہد کرے یعنی آئندہ کے لئے اپنے کردار کی اصلاح کرتا رہے جبکہ کردار ہمیشہ نظریات کے تابع ہوتا ہے لہٰذا عقیدہ اور عمل کو ٹھیک کرنے کا نام توبہ ہے۔جس نے اپنے کردار سے اپنی ندامت کو ثابت کیا' وہی صحیح توبہ کرنے والا شمار ہو گا اور اللہ نہ صرف ایسی توبہ سے گناہوں کو معاف فرماتا ہے بلکہ اللہ ایسا کریم ہے کہ سیات کو حسنات میں بدل دیتا ہے اور گناہوں کے بدلے نیکیاں نصیب ہوتی ہیں۔تیسری بات یہ ہے کہ جس قدر ممکن ہو' تلافی مافات کرے یعنی اگر نماز روزہ چھوٹا ہے' قضا ادا کرنا شروع کر دے' جو بھی یاد ہے' کسی کا مال ناجائز طریقے سے لیا ہے' واپس کر دے' کسی سے زیادتی ہوئی ہے' کسی کا مال ناجائز طریقے سے لیا ہے معافی مانگے یعنی ممکن حد تک تلافی کی کوشش ضروری ہے' صرف زبان سے توبہ توبہ کہنا اور عملی طور پر گناہ میں ملوث رہنا توبہ نہیں کہلاتا ہے۔

فرمایا۔گناہ کے اثرات اور ربوبیت == اللہ کریم کا نظام ایسا ہے کہ اس میں کوئی بات ضائع نہیں ہوتی slip نہیں ہوتی۔بڑی عجیب بات یہ ہے کہ کہیں چھپ کر بھی کوئی جرم کر بیٹھتا ہے تو اس کے اثرات اس کی ذات پر' معاشرے پر' ماحول پر' اس کی زندگی' اس کی موت اور مابعد الموت پر بھی یقیناً" مرتب ہوتے ہیں۔کوئی چیز slip نہیں ہوتی Miss نہیں ہوتی' وربک علیٰ کل شیی حفیظ یہاں اللہ کریم نے اپنا نام رب استعمال فرمایا ہے۔واللہ علیٰ کل شی حفیظ' اللہ ہر چیز کو محفوظ رکھتا ہے۔یہاں رب کا نام استعمال فرمایا ربوبیت باری کو ہم اگر دیکھیں' تو یہ سسٹم اتنا complicated ہے کہ بندہ اسے سمجھ نہیں سکتا' جب اللہ نے زمین بنائی' اس میں جو مخلوق بنائی تو مخلوق کا وجود بعد میں بنا لیکن ہر وجود کے ذرات اس میں تب سے مقرر کر دئے گئے تھے' جب اس نے زمین بنائی' ان تمام ذرات کو اس نے زمین کا حصہ بنا دیا۔

اب اس نے ایک process establish کردیا مثلاً" میرا ایک وجود بنتا ہے لیکن اس میں چند اصولوں کا عمل دخل ہے کہ اس زمین پہ کتنے انقلاب آئے' شاید کسی زمانے میں وہ ذرات زیر آب رہے ہوں' جو کبھی جاکر میرا وجود بنیں گے۔ سمندر کے کسی انتہائی گہرے حصہ میں ہوں یا پھر شاید میرے آنے سے پہلے وہاں سے پانی ہٹ گیا ہو' سبزہ اگ گیا ہو' پھل بن گئے ہوں یا کہیں چاول اگے' کہیں کھیتیاں اگیں' تو یہ سب کیا ہے' مختلف Atoms ہیں' ان کے مختلف تناسب سے مل جانے سے مختلف چیزیں بن جاتی ہیں۔ یہی ذرات جب ایک خاص نسبت سے ملتے ہیں تو وہ سونا بن جاتا ہے' دوسری نسبت سے ملتے ہیں تو چاندی بن جاتے ہیں' تیسری نسبت سے ملتے ہیں تو سکہ بن جاتے ہیں' ایک اور نسبت سے جمع ہوتے ہیں' ہیرا بن جاتے ہیں' ایک اور نسبت سے جمع ہوتے ہیں' تو درخت بن جاتے ہیں' پھل بن جاتا ہے' پتہ بن جاتا ہے' کسی اور نسبت سے جمع ہوتے ہیں' چاول بن جاتے ہیں' ایک اور نسبت سے جمع ہوتے ہیں' گندم بن جاتی ہے تو پھر یہ سارے ذرات آخر جل کر یا راکھ بننے کے بعد ختم ہونے کے بعد پھر واپس اپنی پہلی والی حالت میں چلے جاتے ہیں جو cells ہیں Atoms ہیں وہ waste نہیں ہوتے اسے آپ جلا دیں' اسے آپ کسی بھٹی سے نکال لیں وہ واپس اپنی اس Shape میں چلے جاتے ہیں اس کی وہ جو Atomic Position ہے' اپنی جگہ منجمد ہے تو اب اگر ہم اس نظام کو سوچیں' تو اس کا نظام ربوبیت کتنا مضبوط ہے کہ ان ذرات کو کہیں' اس نے کچھ ذرات سے ایک جانور بنائے وہ گائے ہیں بھینس ہیں بکری ہے انہی ذرات سے کچھ اس نے گھاس اگائی' پھر وہ گھاس اس کے پیٹ میں گئی پھر کچھ گوشت بنا کہیں دودھ بنا' اور یہی ربوبیت کے مظاہر ہیں۔

فرمایا۔ گناہ و روح کی حیات = یہ جو ہم کہتے ہیں کہ ہم نے کب روح کو دیکھا' ہم نے کب آخرت کو دیکھا ہے پھر دیکھا جائے گا۔ میرے بھائی ہم نے کب اللہ کو دیکھا' ہم نے کب فرشتوں کو دیکھا' تو کیا پھر ان سب چیزوں کو دیکھنے کے بعد مانیں گے۔ لیکن پھر ماننے کا وقت گزر چکا ہوگا' ماننے کا وقت تو اب ہے۔ ہم اگر جائیں گے بھی' آخرت کو دیکھ کر دنیا میں دوبارہ بھی آجائیں تو اتنے حقائق ہم نہیں سمجھ سکتے' جتنے حقائق اللہ کے نبی ﷺ نے اور اس ذات باری نے ہمیں دیکھنے سے پہلے ارشاد فرما دیئے۔ اس یقین میں کمزوری ہمیں گناہ پر اکساتی ہے' خیر ہے' یار کیا ہوگا' کیا بگڑ رہا ہے' اگر یہ یقین ہو کہ واقعی بگاڑ ہوگا تو پھر آدمی گناہ کے قریب نہیں

جاتا ہاں اگر کسی گناہ گار سے بہ تقاضائے بشریت کبھی کوئی غلطی ہو جاتی ہے لیکن وہ گناہ انہیں ہضم نہیں ہوتا' وہ توبہ کرتے ہیں' وہ روتے ہیں' وہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں۔

اذظلموا انفسھم اے میرے حبیب۔ اگر یہ اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھیں "گناہ کر بیٹھیں' پھر تیری بارگاہ میں حاضر ہو جائیں' پھر تیری غلامی کو اختیار کر لیتے ہیں' تیری اطاعت کا وعدہ کرتے ہیں اور اللہ سے مغفرت چاہتے ہیں' تو ایسوں کے لئے جب تو بھی دعا کر دے میں قبول کروں گا۔

وہ کروڑوں اربوں گناہ لائیں' تو میں نہ صرف گناہ معاف کرتا ہوں' بلکہ اس کے بدلے انہیں نیکیاں دیتا ہوں" کہ تم نے گناہ کئے تھے' میں تمہیں نیکیاں دیتا ہوں مگر شرط ہے کہ نبی کی دعوت کا یقین کامل ہو اور جو پیغام نبی علیہ السلام نے دیا ہے اس پر اعتماد ہو" اور صرف پیٹ بھرنے کے لئے زندہ نہ رہے بلکہ اپنی روح کو بھی حیات بخشے اور یہ یاد رکھیں جب روح میں زندگی آجاتی ہے' تو جس طرح جسم اگر زندہ ہو تو اسے کھانے کی بھوک لگتی ہے صحت مند ہو تو اسے کھانے کی بھوک لگتی ہے اسی طرح جب روح میں صحت اور تازگی آتی ہے' تو اسے ذکرو اذکار کی عبادات کی' رکوع و سجود کی بھوک لگتی ہے اب ہمارا مسجد آنے کو جی نہیں چاہتا ہے لیکن جب روح میں طاقت آجاتی ہے تو پھر مسجد سے جانے کو جی نہیں چاہتا' چونکہ اسے وہاں مسجد میں وہ ساری چیزیں ملتی ہیں جو اس کی صحت جو اس کی قوت جو اس کی حیات کا سبب بنتی ہیں۔ اگر گناہ کی تلخی محسوس نہ ہو یا عبادات کے چھوٹ جانے سے ذائقہ نہ بگڑے' تو سمجھ لو کہ اگر روح مری نہیں تو بے ہوش ضرور ہے یا ضرور سو رہی ہے کیونکہ اگر یہ نسبت ٹوٹ جائے' تو روح پر موت تو نہیں آتی کیونکہ روح کی موت تو کفر ہے یعنی روح کی موت سے مراد یہ ہوتا ہے کہ انسان اسلام سے خارج ہو کر کفر کی وادیوں میں بھٹک جاتا ہے اور اگر روح زندہ رہے تو پھر ایمان نصیب رہتا ہے لیکن صرف زندگی ہی نہیں زندگی کے ساتھ صحت کی بھی ضرورت ہوتی ہے ایک شخص نہ اٹھ سکے نہ بیٹھ سکے نہ سن سکے نہ پی سکے تو اسے کتنی دیر زندہ رکھیں گے اور اسے کون زندہ تصور کرے گا اگر روح کا بھی یہ حال ہو کہ وہ عبادت کا مطالبہ کرے' نہ تلاوت کا مطالبہ کرے اسے گناہ کی کڑواہٹ محسوس نہ ہو' نہ اسے برائی کی تلخی محسوس ہو تو سمجھیں وہ صرف برائے نام زندہ ہے۔

فرمایا۔ توبہ کے نتائج = یہ تائب عجیب لوگ ہوتے ہیں ان میں خلوص ہوتا ہے' تو ایک شخص نے بیس برس کی نمازیں لوٹائیں بجائے ان کا جواز تلاش کرنے کے یا کوئی حیلہ بہانہ تراشنے کے اس نے توبہ کرنا آسان سمجھا اور توبہ کا کمال ہوتا ہے کہ محبت الٰہی سے بندے میں وہ جرات آتی ہے کہ جہاں قصور ہوتا ہے' اسے قبول کرتا ہے اور یہی اللہ کو پسند ہے۔ اس نے بندے کو بندہ بنایا ہے اور بندہ فرشتہ نہیں ہوسکتا فرشتے کو اس نے پیدا کیا' اس سے قصور ہوتا ہی نہیں' اگر ہمیں بھی اتنا ہی پاک اور صاف دیکھنا اسے منظور ہوتا' تو ہمیں بھی فرشتوں کی طرح پیدا کر دیتا' قصور سے مبرا' اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس لئے نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم سب سے گناہ چھوٹ جائیں' تو اللہ تمہیں اٹھالے گا اور تمہاری جگہ پھر کوئی ایسے بندے پیدا کردے گا' جو خطائیں بھی کریں گے اور توبہ بھی کریں گے اس سے گڑگڑا کر معافیاں بھی مانگیں گے بندے کا مقام یہی ہے۔ بندے سے خطا کا ہونا عجیب بات نہیں ہے لیکن تعلق باللہ میں اگر خلوص ہو تو ایک خطا پر بندہ مستقل نہیں رہتا بلکہ اللہ اس پہ اس کی خطا کو عیاں کردیتا ہے پھر اس میں وہ جرات آجاتی ہے کہ وہ اسے قبول کرلیتا ہے' زندگی میں بہت سے تجربے ہوئے ہیں میں نے سوائے صوفیوں کے' سوائے اس طبقے کے' کسی کو اپنا قصور فراخ دلی سے قبول کرتے ہوئے نہیں پایا۔

فرمایا۔ گناہ وملائکہ کا استغفار = اب رہی دوسری بات کہ ہر ایکشن کا ایک ری ایکشن ہوتا ہے' ہر فعل کے نتیجہ میں ایک اثر مرتب ہوتا ہے۔ اس طرح جب بدکاری یا شرک و کفر اس قدر قوی ہو جاتا ہے کہ تعلیمات نبوی ﷺ کی کوئی پرواہ نہیں کرتا تو اس کے ری ایکشن کے طور پر دنیا کو تباہ ہو جانا چاہئے پھر یہ آسمان کس طرح قائم ہے اور زمین کیوں سبزے اگل رہی ہے کیونکہ عبادت کی مثال اگر ابر رحمت کی ہے تو گناہ یقیناً" آگ کی تاثیر رکھتا ہے اور جب کثرت اور غلبہ گناہ کو حاصل ہے تو اس کا نتیجہ کیوں موخر ہے اور مخلوق کس سبب سے فرصت پارہی ہے اور کون سی وجہ ہے کہ زمین اور آسمان قائم ہیں اس بیلنس کو قائم یا اس ترازو کو پورا رکھنے کے لئے اس قدر کثرت سے فرشتوں کے لشکر عبادت پہ لگادیئے ہیں گویا آسمان کی کمران کے بوجھ سے جھک گئی ہے اور یہ صرف وہ فرشتے ہیں جو تسبیح و تحمید میں لگے ہوئے اپنے عمل سے بھی اہل زمین کے لئے طلب مغفرت کا سبب بنے ہوئے ہیں اور دیکھ

لو اللہ جل شانہ کس قدر بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے کہ بنی آدم کے اعمال تو بہت پہلے ہر شے کو تباہ کر دیتے مگر اس کی بخشش و رحمت نے اس کو بچا کے رکھا ہے۔

فرمایا۔ توبہ کی دوامی دعوت = مصیبت یہ ہے کہ انسان نے جو راستہ چن لیا ہے اللہ سے دوری کا اس میں جو مصیبتیں جو پریشانیاں جو نشیب و فراز ہیں ان میں یہ خود کو خود گرا رہا ہے وہ تو اسے لحہ بہ لحہ صدا دیتا ہے کہ کہیں سے پلٹ' آ تجھے واپسی کا سفر نہیں کرنا پڑے گا جانے کا سفر تو نے اپنی مرضی سے کیا سب سے زیادہ مشقت گناہ میں کرنی پڑتی ہے ہر جرم بہت مشکل ہوتا ہے تو راستہ بڑا کٹھن ہے اگر ساری زندگی تو اس مسلسل عذاب میں چلتا چلتا بہت دور نکل گیا تو فرماتا ہے تو صرف فیصلہ کر لے مجھے وہاں سے آواز دے میں تجھے واپس اچک لوں گا۔ کبھی آپ نے دیکھا کہ ساٹھ برس کے گناہوں کے لئے ساٹھ برس کی توبہ کی ضرورت ہو۔ ایک لحہ چاہئے وہ لحہ جب انسان فیصلہ کر سکے کہ مجھے واپس جانا ہے تو فرمایا میں وہاں تجھے لے لوں گا اب اس سے زیادہ کرم کے متعلق سوچا نہیں جا سکتا۔ وہاں صرف ایک بات اس نے چھوڑ دی کہ ساری کائنات کو زبردستی نہیں پکڑتا اس لئے کہ جہاں اس کی تقدیر کی زبردستی میں جکڑا ہوا ہے اس نے چاہا ایک مخلوق ایسی بھی ہو کوئی تو ایسا بھی ہو جو کبھی میرے پیار میں گردن جھکا دے اپنی پسند سے کائنات کا ہر ذرہ۔ لا تتحرک ذرۃ الا باذن اللّٰہ کائنات کا ہر ذرہ میرے حکم کا اسیر ہے کوئی تو ایسا بھی ہو جو میرے جمال پر فریفتہ ہو۔

فرمایا۔ توبہ 'گناہ واتباع نبوی ﷺ = وہ طرز عمل 'وہ معاشی نظام' وہ قانون وہ سیاسی نظام جو نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے دیا وہ تو منظور نہیں ہے لیکن ہم پھر بھی مسلمان ہیں یہ سلامتی نہیں ہے اسلام یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمان ہر طرح سے سرنڈر کر دیتا ہے اپنے اختیارات حضور ﷺ کے قدموں میں پھینک دیتا ہے اپنی رائے سے دست بردار ہو جاتا ہے اور صرف اور صرف اتباع نبوی ﷺ کے لئے اپنی پوری کوشش صرف کر دیتا ہے' یہ اسلام ہے اب اس میں اس سے کمی رہ جاتی ہے اور وہ پوری طرح کر نہیں پاتا اس سے گناہ سرزد ہو جاتے ہیں بتقاضائے بشریت انسان ہے خطا کر گذرتا ہے یہ الگ بات ہے اس کے لئے اللہ کی رحمت وسیع تر ہے اس کے لئے نبی رحمت ﷺ کا دامان رحمت وسیع تر ہے بتقاضائے بشریت خطائیں بھی ہوں گی کمیاں بھی

ہوں گی گناہ بھی ہوں گے کیوں کہ وہ بندہ کبھی فرشتہ نہیں بن سکتا' انسان انسان ہی رہے گا وہ فرشتہ نہیں بن سکے گا کہ اس سے کوئی خطا نہ ہو عام آدمی نبوت کی عظمت کو بھی نہیں پا سکتا کہ وہ معصوم ہو جائے لیکن اس کا ارادہ اس کا فیصلہ اس کی جدوجہد ہو اب اس کوشش اس کی محنت اتباع نبوی ﷺ کی ہو اب اس میں وہ مطمئن ہو کر بیٹھ رہا اور اسلام کے خلاف زندگی بسر کرتا رہا تو کیا یہ اسلام ہے۔

فرمایا۔ گناہ کا سرکاری علاج = اللہ کا ذکر کیا کرو جب یہ ذکر کرو گے تو تمہیں نبی کائنات ﷺ کا قرب حاصل ہو گا خدا کا قرب حاصل ہو گا' اللہ کی تجلیات حاصل ہوں گی نبی کی رحمت حاصل ہو گی تمہارے دل میں وہ نور پیدا ہو گا جو تمہاری برائیوں کے درمیان ایک پردہ' ایک دیوار بن جائے گا تمہارے اور نیکیوں کے درمیان ایک پل اور ایک راستہ بن جائے گا جس طرح آج تمہیں روٹی کھانے کی بھوک لگتی ہے اسی طرح نیکی اور عبادت کرنے کی بھی بھوک لگنا شروع ہو جائے گی جس طرح تم اب دنیاوی غلاظت سے بچنا چاہتے ہو کہیں راستے میں غلاظت پڑی ہو کوئی شخص بھی دیکھ لے تو دور سے گذرتا ہے اسی طرح گناہوں سے تمہارا دل متنفر ہو جائے گا اور تم گناہ سے بچ کر گذرنے لگو گے تو قرآن کریم نے ہمارے مرض کی نشان دہی بھی فرمادی اس کی دوا اس کا علاج بھی تجویز فرمادیا اب اگر کسی کو اپنے مرض کا بھی نہ پتہ ہو اس کے سامنے دوا بھی موجود ہو اسے پرہیز بھی بتادیا جائے تو وہ علاج بھی نہ کرے دوا بھی نہ کھائے بدپرہیزی بھی کرتا رہے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ شخص مرجائے گا یہی حال ہمارا ہے ہم اللہ کا ذکر نہیں کرتے ہم نیکی نہیں کرتے ہم عبادت نہیں کرتے' ہم اطاعت نہیں کرتے اور اس کے ساتھ بدپرہیزی یعنی گناہ مسلسل کرتے ہیں نتیجہ کیا ہوتا ہے ہم مرجاتے ہیں اور ایمان کی موت انسان کو اسلام سے نکال دیتی ہے۔

فرمایا۔ ثواب و گناہ کا تصور = ثواب ایک ایسا لفظ ہے اس کے معانی اور مفاہیم سے ہم آشنا نہیں ہیں اس پر مزید ایک زیادتی یہ کی جاتی ہے کہ یہ ہماری مجبوری ہے ثواب تو اگلی دنیا میں جاکر آخرت میں ملے گا ثواب کو آپ نے کیا کرنا ہے ثواب سے پیٹ نہیں بھرتا ثواب کو آپ نے کھانا تو نہیں ہے ثواب کا لباس تو نہیں پہننا یہ تو بعد میں ملے گا۔ انسان جو مخلوق ہے محتاج ہے اسے رب جلیل حکم دیتا ہے کہ کسی سے اگر مزدوری کراتے ہو تو اس سے پہلے طے

کرلو اور اس کی مزدوری فوراً" ادا کرو اور خود ادھاری مزدوری دے دیں یہ ناممکن ہے۔

فرمایا۔ حیات النبی ﷺ کے اثرات = آپ ﷺ کی موت بھی صرف اتنی ہے کہ اس دنیا سے روح کا تعلق یا روح کی وجہ سے جسم کا جو مادی تعلق غذا' لباس' یا گرمی سردی سے تھا یا تکلیف شرعی سے تھا وہ ختم ہو گیا اور حضور ﷺ رونق افروز عالم برزخ ہوئے۔ اب جملہ ضروریات برزخ سے متعلق ہو گئیں سو حیات باعتبار کیفیت کے جسمانی اور دنیاوی ہے اور باعتبار عالم کے برزخی ٹھہری۔ آپ ﷺ کی حیات ہی قاسم برکات ہے اور رحمت باری ہے اگر روح اطہر ﷺ جسم مقدس ﷺ سے جدا ہو تو پھر رسالت نہ رہی کہ رسالت صفت ہے جو محمد ﷺ کو حاصل تھی۔ اور یہ مجموعہ روح و جسم کا نام نامی ہے اگر روح علیحدہ ہو تو کہا جائے گا آپ ﷺ کی روح یا جسم علیحدہ ہو تو یہی الفاظ کہے جائیں گے۔ مجرد روح یا اکیلے جسم کو محمد ﷺ بن عبد اللہ نہیں کہا جائے گا۔

فرمایا۔ گناہ کے درجات = گناہ کے فلسفے میں دو درجے ہیں ایک آدمی سے گناہ ہو جاتا ہے انسان ہے خطا کرتا ہے لیکن وہ یہ سمجھتا ہے کہ کام کرنے کا صحیح اسلوب وہ تھا جو میں نے چھوڑ دیا اور جو میں نے کیا یہ غلط ہے اسے گناہ کہتے ہیں اور یہ سمجھنا جو میں نے کیا ہے صحیح یہ ہے اس کے خلاف جو کہا جاتا ہے اس طرح کرو یہ بات غلط ہے اسے اعراض کہتے ہیں اعراض ایمان کو سلب کر لیتا ہے اور اعراض کرنے والے کے لئے نجات کی امید باقی نہیں رہتی اس لئے فرمایا اعراض کا بوجھ جو ہے خلدین فیھا ایک دن کے لئے نہیں انہیں ہمیشہ کے لئے عذاب اٹھانا ہو گا اور خلود ہمیشہ کفر کے لئے ہے۔

فرمایا۔ استغفار کی ضرورت دوامی = لیکن حق یہ ہے کہ عبادت کے ساتھ بھی استغفار کی ضرورت ہے نبی علیہ الصلوۃ خود دن بھر استغفار کرتے تھے ساری کائنات کے سارے خلوص جمع کر کے سارے خشوع و خضوع کو جمع کر کے ساری عمر سجدے کرتا رہے۔ تو آپ ﷺ کے ایک سجدے کی مثال نہیں بن سکتی آپ ﷺ کا سجدہ آپ ﷺ کا ہی سجدہ ہے اس کے باوجود آپ ﷺ فرماتے ہیں میں استغفار کرتا ہوں اور ہم فخر میں اکڑ میں برائی پہ آجاتے ہیں اب اگر کوئی ایسا بندہ ٹوٹے پھوٹے سجدے دس دن

کرنے کے بعد اس واہمے کا شکار ہو گیا کہ میں نے اللہ کا بڑا کام کیا اللہ ہی میرے کام نہیں کرتا تو بتائیے اس غریب نے عبادت کی یا اپنے لئے مصیبت خریدی۔طب کا ایک اصول ہے کہ دنیا میں کوئی چیز زہر نہیں ہے۔دیسی طب والے جو ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہر چیز کی ایک خوراک ہوتی ہے اس کی مقدار بڑھانے گھٹانے سے وہ زہر بن جاتی ہے مثلاً" دودھ ہے غذا بھی ہے دوا بھی ہے ایک بندے کے پیٹ میں آپ پانچ سیر دودھ ٹھونس دیتے ہیں اس کے لئے وہی زہر ہے اسی طرح جس کو آپ زہر کہتے ہیں اس کی ڈوز بہت ہلکی ہوتی ہے اور وہ ہلکی ڈوز اگر آپ سنکھیے کی بھی،کسی آرسینک کی بھی لیتے ہیں تو وہ دوا بن جاتی ہے تو کوئی بھی چیز جب اس کا اوزان یا اس کا جو میزانیہ بنا ہوا ہے جب اس کی ترتیب ڈسٹرب ہوتی ہے تو وہ غذا نہیں رہتی وہ زہر بن جاتی ہے یہی حال عبادت کا بھی ہے جب ان کے اصول غلط ہوتے ہیں ارادے بدلتے ہیں خشوع وخضوع گڈمڈ ہوتا ہے تو پھر یہ بجائے ترقی کے یہی انسان کی گرفت کا سبب بن جاتے ہیں تو ہر سجدے کے ساتھ بھی ہر قیام کے ساتھ بھی ہر رکوع کے ساتھ بھی ہر مراقبے ہر ذکر کے ساتھ بھی دو باتیں ہونی چاہئیں ایک تو سمجھا جائے کہ یااللہ جو میں نے کیا ہے اس میں کمی ہے کوتاہی ہے اور دوسرا یہ کہ میں توبہ کرتا ہوں۔

فرمایا۔گناہ اور ہم = کیا آپ کو حیرت نہیں ہوتی کہ جب ہم سب کہتے ہیں اللہ ہمارا خالق ہے' جب ہم سب اپنے مسلمان ہونے کا دعوی کرتے ہیں' جب ہم سب اس کا اقرار کرتے ہیں کہ دنیا کے ہر عمل کو ہمارا پروردگار دیکھ رہا ہے' جو کچھ ہم کرتے ہیں' اس کے سامنے کرتے ہیں' جو کہتے ہیں' وہ سن رہا ہے اور پھر بھی ہمارا ایمان ہے کہ اس سارے کا جواب ہمیں اللہ کے روبرو دینا ہوگا۔اس سارے اقرار کے بعد کیا انسانوں کے کردار کی اصلاح ہو گئی کیا ہم گناہ سے اجتناب کرتے ہیں 'کیا ہم جھوٹ بولنے سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں کیا ہم کسی کو دھوکا نہیں دیتے کیا ہم اپنے کردار کو اس سانچے میں ڈھال رہے ہیں جو قرآن کا مقصود اور معیار ہے بالکل نہیں کیوں؟جب ہر شخص یہ مانتا ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں' اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اللہ میری حرکات کو دیکھ رہا ہے میری ہر آواز کو سن رہا ہے اور مجھ سے باز پرس بھی کرے گا تو پھر ہم اپنے کردار میں اس کی اطاعت کیوں نہیں کرتے؟

فرمایا۔گناہ و تکبر و عجب = گناہ میں اور بے عملی میں ایک بات رہتی ہے کہ آدمی کے

دل میں کسی حد تک کوئی عجز رہتا ہے کہ میں کام نہیں کر رہا میں غلط کر رہا ہوں اگر ایمان ہی چلا جائے تو الگ بات ہے کچھ رمق ایمان کی ہو تو احساس رہتا ہے کہ میں اگر نماز نہیں پڑھتا تو میں اچھا نہیں کر رہا مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے کم از کم اپنے آپ کو گناہ گار خطا کار اور کمزور سمجھتا رہتا ہے بعض اوقات اس کا یہ احساس ہی بحیثیت توبہ قبول کر لیا جاتا ہے اور اسے نیکی کی توفیق عطا کر دی جاتی ہے لیکن یہ جو عبادت پر گھمنڈ آ جاتا ہے اس سے آدمی توبہ ہی نہیں کرتا مر جاتا ہے یہ ایسا فتور ہے کہ اگر عبادت کرنے کے بعد اسے اپنی عبادت پہ غرور آ جائے کہ میں نے بڑا تیر مار لیا میں بڑا پارسا ہوں میں بڑا نیک ہوں میں بڑا افضل ہوں مجھ جیسا جہان میں کوئی نہیں تو اسی تکبر میں مارا جاتا ہے پھر اسے واپسی کا راستہ ہی نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تکبر میرا اوڑھنا ہے۔ تو جس کسی نے بڑائی کا اظہار کیا اس نے تو میری چادر میں ہاتھ ڈالا وہ مجھ سے میرا اوڑھنا چھیننا چاہتا ہے بڑائی تو میری اوپر لپیٹنے والی چادر ہے یعنی بڑائی تو سزاوار ہی مجھے ہے۔

فرمایا۔ گناہ کا مطلب = جب بھی گناہ کا فلسفہ زیر بحث آتا ہے' صغیرہ کبیرہ کی بحث چلتی ہے تو حدیث کے مطابق بعض جرائم کو کبیرہ اور اس کے علاوہ باقی کو صغیرہ شمار کیا جاتا ہے لیکن اس کے بعد جب گناہ کے فلسفے پر بات ہوتی ہے کہ گناہ بجائے خود کیا ہے تو علماء فرماتے ہیں کہ گناہ کبھی صغیرہ نہیں ہوتا اس اعتبار سے صغیرہ ہوتا ہے کہ وہ گناہ چھوٹا ہوتا ہے لیکن اگر اسے اس اعتبار سے دیکھا جائے کہ نافرمانی کس کی ہوئی تو پھر وہ صغیرہ نہیں رہتا یعنی جرم کے اعتبار سے دیکھا جائے۔ جرم کی نوعیت کیا ہے' تو آپ شمار کریں گے یا حدیث میں جو ارشاد ہے وہ جرم کی نوعیت پر ہے کہ ہر جرم جو ہے یہ چھوٹا ہے اور یہ جرم جو ہے یہ بڑا ہے جس کا وزن جرم کی نوعیت پر ہے لیکن اگر اس حیثیت سے دیکھا جائے کہ یہ جرم کرتے وقت کس کا حکم توڑا گیا نافرمانی کس کی کی گئی تو پھر صغیرہ کوئی نہیں رہتا پھر تو گناہ کبیرہ ہی ہے گناہ تو ہے ہی کبیرہ کیونکہ گناہ اللہ کریم کے حکم کو توڑنے کا نام ہے۔

فرمایا۔ گناہ کے کائنات پر بداثرات = ظهر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس خشکی میں سمندروں میں خرابی پیدا ہوئی لوگوں کے کردار کی وجہ سے جب انسان نے اللہ کا قانون توڑ کر دنیا کو اپنی مرضی سے چلانا چاہا خرابی پیدا ہوئی۔ آپ ایک گھڑی اس کے قاعدے کے مطابق استعمال کرتے ہیں ایک موڑ اس کی بک لیٹ کے مطابق

فرمایا۔ گناہ کے کائنات پر بداثرات = ظہر الفساد فی البر و البحر بما کسبت اید الناس خشکی میں سمندروں میں خرابی پیدا ہوئی لوگوں کے کردار کی وجہ سے جب انسان نے اللہ کا قانون توڑ کر دنیا کو اپنی مرضی سے چلانا چاہا خرابی پیدا ہوئی۔ آپ ایک گھڑی اس کے قاعدے کے مطابق استعمال کرتے ہیں ایک موڑ اس کی بک لیٹ کے مطابق چلاتے ہیں ایک کپڑا اس کے پہننے کے سلیقے کے مطابق پہنتے ہیں اگر کوئی شلوار گلے میں پہن لے اور قمیض کمر سے لپیٹ لے تو شاید اس کا بدن تو کسی حد تک ڈھانپ لے لیکن وہ اس کے لئے حسین ہوگی نہ اسے آرام دے گی اب اس میں شلوار قمیض کا کوئی قصور نہیں اسی شلوار قمیض کو جس طرح پہننے کے لئے بنایا گیا ہے اس طرح پہنا جائے گا آرام بھی دے گی زینت بھی ہوگی اسی کو الٹ دیں تو تکلیف بھی دے گی اور بد صورتی بھی ہوگی اور اگر ہم دائیں پاؤں کا جوتا بائیں میں پہن لیں تو وہ کاٹتا ہے اتنی بڑی وسیع کائنات کا چلانے کا جو طریقہ اس کے بنانے والے نے ارشاد فرمایا اس کے بغیر جب چلانا چاہیں گے فساد تو ہوگا خرابی تو ہوگی تکلیف کا سبب تو ہوگی پھر اللہ جل شانہ کریم اتنا ہے کہ انسانی کردار سے جو بگاڑ پیدا ہوتا ہے وہ اس کو ایک حد تک رکھتا ہے ورنہ دنیا تباہ ہو چکی ہوتی پھر اس کی اصلاح فرما دیتا ہے اسے روک لیتا ہے اور جتنی خرابی انسانی کردار سے پیدا ہونی چاہئے اتنی نہیں ہونے دیتا فرمایا اس لئے لیذیق ھم بعض الذی عملو اان کے کچھ کرتوت جو ہیں ان کا اثر ظاہر ہوتا ہے اور اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ انسان کو اپنے کردار کے نتائج کا کچھ اندازہ ہو سکے میں جو کچھ کر رہا ہوں اس پر کیا نتائج مرتب ہو رہے ہیں اور اس دنیا میں اگر اسے اندازہ ہو تو ممکن ہے وہ توبہ کر لے واپس آ جائے اللہ اسے ہدایت دے یعنی اللہ پھر اتنا کریم ہے کہ گناہوں پر بھی شفقت فرماتا ہے اور جتنی برائی جتنی خطا جتنا گناہ ہم کرتے ہیں اتنی سزا نہیں دیتا۔

فرمایا۔ گناہ و ظلم = رب کریم ہر ایک کے حال کو دیکھ رہا ہے یاد رکھیں ظلم کے لئے بہت زیادہ لمبی مہلت نہیں دی جاتی یہ اللہ کا قانون ہے کفر برداشت ہو تا رہتا ہے یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ساری دنیا کافر ہو جائے تو کفر کے لئے بڑی لمبی مہلت مل سکتی ہے ساری دنیا مشرک ہو جائے شرک کے لئے بڑی لمبی مہلت مل سکتی ہے لیکن جب سب لوگ ظلم پر تل جائیں تو ظلم کے لئے لمبی مہلت نہیں دی جاتی یہ قانون ہے قدرت کا کافر قومیں مدتیں کافر رہیں اور وہ

چلاتے ہیں ایک کپڑا اس کے پہننے کے سلیقے کے مطابق پہنتے ہیں اگر کوئی شلوار گلے میں پہن لے اور قمیض کمر سے لپیٹ لے تو شاید اس کا بدن تو کسی حد تک ڈھانپ لے لیکن وہ اس کے لئے حسین ہوگی نہ اسے آرام دے گی اب اس میں شلوار قمیض کا کوئی قصور نہیں اسی شلوار قمیض کو جس طرح پہننے کے لئے بنایا گیا ہے اس طرح پہنا جائے گا آرام بھی دے گی زینت بھی ہوگی اسی کو الٹ دیں تو تکلیف بھی دے گی اور بدصورتی بھی ہوگی اور اگر ہم دائیں پاؤں کا جوتا بائیں میں پہن لیں تو وہ کاٹتا ہے اتنی بڑی وسیع کائنات کا چلانے کا جو طریقہ اس کے بنانے والے نے ارشاد فرمایا اس کے بغیر جب چلانا چاہیں گے فساد تو ہوگا خرابی تو ہوگی تکلیف کا سبب تو ہوگی پھر اللہ جل شانہ کریم اتنا ہے کہ انسانی کردار سے جو بگاڑ پیدا ہوتا ہے وہ اس کو ایک حد تک رکھتا ہے ورنہ دنیا تباہ ہو چکی ہوتی پھر اس کی اصلاح فرما دیتا ہے اسے روک لیتا ہے اور جتنی خرابی انسانی کردار سے پیدا ہونی چاہئے اتنی نہیں ہونے دیتا فرمایا اس لئے لیذیقہم بعض الذی عملوا ان کے کچھ کرتوت جو ہیں ان کا اثر ظاہر ہوتا ہے اور اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ انسان کو اپنے کردار کے نتائج کا کچھ اندازہ ہو سکے میں جو کچھ کر رہا ہوں اس پر کیا نتائج مرتب ہو رہے ہیں اور اس دنیا میں اگر اسے اندازہ ہو تو ممکن ہے وہ توبہ کر لے واپس آجائے اللہ اسے ہدایت دے یعنی اللہ پھر اتنا کریم ہے کہ گناہوں پر بھی شفقت فرماتا ہے اور جتنی برائی جتنی خطا جتنا گناہ ہم کرتے ہیں اتنی سزا نہیں دیتا۔

فرمایا۔ گناہ و ظلم = رب کریم ہر ایک کے حال کو دیکھ رہا ہے یاد رکھیں ظلم کے لئے بہت زیادہ لمبی مہلت نہیں دی جاتی یہ اللہ کا قانون ہے کفر برداشت ہوتا رہتا ہے یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ساری دنیا کافر ہو جائے تو کفر کے لئے بڑی لمبی مہلت مل سکتی ہے ساری دنیا مشرک ہو جائے شرک کے لئے بڑی لمبی مہلت مل سکتی ہے لیکن جب سب لوگ ظلم پر تل جائیں تو ظلم کے لئے لمبی مہلت نہیں دی جاتی یہ قانون ہے قدرت کا کافر قومیں مدتیں کافر رہیں اور وہ حکومتیں کرتی رہیں لیکن جب انہوں نے ظلم کرنا شروع کر دیا تو ان کی مدت ختم ہو گئی۔

فرمایا۔ گناہ سے تباہی کے بعد = اللہ کریم نے کوئی مخلوق دوسرے کے ایذا کے لئے نہیں بنائی۔ سب پر ایک دوسرے کی حیات کا دارومدار ہے جسے ہم تخریب سمجھتے ہیں یہ تعمیر کا پیش خیمہ ہوتی ہے جسے ہم بربادی سمجھتے ہیں یہ آبادیوں کے لئے کی جاتی ہے ہم فصلیں کاٹتے

ہیں تو آپ کبھی اس پر روتے ہیں یہ کھیت برباد ہو گئے حالانکہ آپ اپنے ہاتھ سے ساری فصل کاٹ لیتے ہیں اس لئے کہ کسی نئے دن کی آبیاری کے لئے کسی نئی فصل کی تیاری کے لئے آپ فصل کاٹ رہے ہوتے ہیں جو پک چکی ہوتی ہے۔

یہ جو حادثات قوموں پہ گذرتے ہیں یا ملکوں پر گذرتے ہیں افراد پہ گذرتے ہیں ان کا وقت پورا ہو چکا ہوتا ہے قادر مطلق انہیں سٹیج سے ہٹا دیتا ہے یہ پریشانی کی بات نہیں ہوتی بلکہ میدان ہموار کیا جاتا ہے کسی نئے آنے والے کی آمد کے لئے اگر یہ بربادی ہوتی تو اب تک دینا برباد ہو چکی ہوتی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قوموں کی قومیں صفحہ ہستی سے مٹ گئیں لیکن دنیا برباد تو نہیں ہوئی جس طرح زندگی میں آپ نے کتنی فصلیں کاٹیں کھیت اجڑ تو نہیں گئے کیونکہ ہر فصل کا کاٹنا کسی نئی فصل کے بونے کے لئے ہوتا ہے ہر درخت کو ہم جہاں سے اکھیڑتے ہیں وہاں کوئی نیا بیج اگ رہا ہوتا ہے ہر پھل ہم جہاں سے توڑتے ہیں اگر نہیں توڑیں گے تو خرابی ہوگی اس کا بروقت توڑ لینا ہی نئے پھل کی آمد کا بھی علاج ہے اور اس کا مصرف بھی ہے۔

فرمایا۔ گناہ کیسے = گناہ کرنے کا ارادہ کرنے سے گناہ نہیں لکھا جاتا بلکہ اگر اس ارادے کو چھوڑ دیا جائے اور اللہ سے رجوع کر لیا جائے توبہ کر لی جائے جو نیکی ہے اس پر ثواب لکھا جاتا ہے اور گناہ تب لکھا جاتا ہے جب اس پر عمل کیا جائے وہ صادر ہو جائے۔

فرمایا۔ اصلاح و گناہ = ہر شخص کی اصلاح کی رفتار علیحدہ ہوتی ہے ہر شخص کو بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نہ سمجھ لیں یعنی ہر آنے والا پہلے دن ہی ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ نہیں بن جائے گا یہ فرق ضرور پڑے گا وہ زندگی میں پہلے دن بھر میں سو گناہ کیا کرتا تھا اب نوے پر آجائے اسی پر آجائے پچھتر پر آجائے' اور اگر قائم رہا تو وہی شخص کھرا اور مخلص ہو جائے گا اور اسے گناہوں سے نفرت ہو جائے گی یعنی ہر شخص کے اخذ کرنے کی استعداد ہوتی ہے بعض شخص ایک نقطے پر مڑ جاتے ہیں ان کی زندگی میں انقلاب آجاتا ہے یہ اپنی اپنی جرات اور حیثیت ہوتی ہے بعض لوگوں کو خدا نے یہ جرات اور استعداد دی ہوتی ہے کہ جب وہ رکتے ہیں تو پوری قوت سے رک جاتے ہیں پھر وہ متزلزل نہیں ہوتے بعض کمزور مزاج ہوتے ہیں وہ کبھی قائم ہو جاتے ہیں کبھی گرنے لگتے ہیں اور رفتہ رفتہ قوت حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن ہوتی اصلاح ہے ہر کسی کی اور ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے کہ اپنے حال سے اپنی خواہشات سے دوسروں کی نسبت خود زیادہ

واقف ہوتا ہے کہ اس محفل میں آنے سے پہلے میری زندگی کیا تھی اور یہاں بیٹھ کر میں کون سی تبدیلی محسوس کرتا ہوں۔ تصوف اسلامی میں اور باقی جو کمالات یا استدراج شعبدہ یا لوگ آپ کچھ بھی کہہ لیں ان میں واضح فرق یہ ہے کہ انسانیت کی تعمیر کرتی ہے اور وہ ساری چیزیں انسانیت میں تخریب کرتی ہیں رات اور دن کو آپس میں خلط ملط کرکے دیکھنا نور اور ظلمت کو ملا کر دیکھنا ایک صالح اور مقدس جماعت کو امت محمدیہ علی صاحب الصلوۃ والسلام میں درخشندہ ستاروں کو ہندوؤں یوگیوں اور برہمنوں کے ساتھ ایک صف میں دیکھنا یہ انصاف نہیں ہے۔

فرمایا۔ گناہ و احساس = جب گناہ سامنے آتا ہے تو واقعی دل پہ چوٹ پڑتی ہے دکھ لگتا ہے اعمال میں جب سستی آتی ہے دکھ لگتا ہے کہ مجھے نہیں چاہئے تھا مجھے یہ زیب نہیں دیتا میرا اللہ کریم کے ساتھ ایسا تعلق نہیں ہے کہ میں سستی کروں مخلوق تو ساری اسی کی ہے کھاتے تو سب اسی کا ہیں جیتے سب اسی کے آسرے پر ہیں ساری نعمتیں اسی کی استعمال کرتے ہیں لیکن اس سب کچھ کو وصول کرنے کے بعد اس سے تعلقات کون نبھاتا ہے یہ دوسری بات ہے۔

فرمایا۔ توبہ و خرابی = رب جلیل نے اس دنیا کو بہت خوبصورت، بہت پیارا، بہت آرام دہ اور بہت ہی پر سکون بنایا ہے اسکا نظام ایسا ہے کہ جس میں ذرہ بھر خرابی نہیں ہے اس کی تقسیم ایسی ہے کہ جس سے بڑھ کر کسی بہتر تقسیم کا تصور نہیں اور دنیا اللہ جل شانہ کی یہ ایسی شاہکار صنعت ہے جسے اس نے اپنے مدمقابل کھڑا کر دیا ہے انسان کو شعور عطا کرکے درمیان میں چھوڑ دیا ہے کہ دیکھیں وہ دنیا پہ فدا ہوتا ہے یا میری محبت کو اختیار کرتا ہے اگر یہ اللہ جل شانہ کی محبت کے مقابلے میں کھڑی کی گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت بڑی خوبصورتی یا حسن بہت بڑی کوئی محبت کرنے والی چیز اس میں موجود ہے عملاً" جو کچھ ہو رہا ہے جو کچھ بیت رہا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا میں ہر طرف فساد ہے بیماریاں اتنی ہیں، ظلم بربریت اور جتنے بھی ہم موٹے موٹے الفاظ استعمال کر سکیں خرابی کے لئے وہ ہر طرف موجود ہے اور بیت رہی ہے۔ یہ دو مختلف باتیں ہیں کہ ہم کہیں کہ دنیا بہت خوبصورت اور حسین بھی ہے اور ثابت بھی ہو کہ دنیا بہت تکلیف دہ ہے، بہت مشکل جگہ ہے اور یہاں وقت گزارنا بہت کٹھن کام ہے۔

فرمایا۔ توبہ و گناہ = اللہ کریم نے ہمیں یہ سعید ساعتیں عطا فرمائیں اس سے اپنے

گناہوں کی معافی طلب کرنا چاہئے اپنی نیت کا خلوص اپنے ارادے کا کھرا پن اور اپنے عمل کی صحت کے لئے پوری کوشش کرنا چاہئے اور عقائد و نظریات بڑے کھرے بڑے ستھرے ہونے چاہئیں رب اللہ ہے کسی دوسرے کی ربوبیت کی امید نہ رکھی جائے معبود وہ ہے اس کا حکم چھوڑ کر کسی دوسرے کی بات نہ مانی جائے اس کے حکم کی اطاعت لازمی ہوتی ہے۔

فرمایا۔ توجہ کے نتائج = عالم اسباب میں وہ اسباب پیدا فرما دیتا ہے فرمایا دوسری بات دیکھو اذیغشیکم النفس جب تمہیں زبردستی کی اونگھ نے آلیا یہ ایک جذب کی کیفیت ہوتی ہے جب آدمی متوجہ الٰہی ہوتا ہے تو اس پہ ایک قوت غلبہ پالیتی ہے کہ اسے باقی سب کچھ جو ہے وہ بھول جاتا ہے صرف وہی ایک بات سامنے ہے جسے آپ انگریزی میں Concentration کہتے ہیں یعنی ایک جگہ پر پوری طرح سے ساری توجہ اسی طرف ہو جاتی ہے اور باقی ساری دنیا جو ہے ذہن سے نکل جاتی ہے پھر آدمی کو احساس نہیں ہوتا' وقت کا' جگہ کا' کسی بات کا' لیکن ایک ہی طرف اس کی توجہ رہ جاتی ہے۔

فرمایا۔ گناہ کے نقصانات = میرے بھائی جو بات آخرت میں نقصان پہنچاتی ہے وہ دنیا میں کیسے نفع دے سکتی ہے آپ اس بات پہ نہ جائیے کہ اقتدار کس کے پاس ہے آپ اس بات پر جائیے خواہ رات میں آدھا گھنٹہ سوئے لیکن سکون سے سوتا کون ہے آپ اس بات پہ نہ جائیے کہ بندوق اور گولی کس کے ہاتھ میں ہے اور سینہ کس کا ہے آپ یہ دیکھئے کہ ہاتھ لرز کس کے رہے ہیں اور سینہ پر سکون کس کا ہے۔ جو بھی حق پر ہوگا وہ خواہ زیر خنجر ہوگا تو بھی اسے ایک لذت مل رہی ہوگی اور جو باطل پر ہوگا وہ گلا کاٹ رہا ہوگا مگر اندر سے پریشان ہوگا۔

فرمایا۔ گناہ کے اثرات = ہم جو چیز کھاتے ہیں' ہم اس کے دو اثرات محسوس کرتے ہیں ایک فوری یعنی اس کا ٹیسٹ (TASTE) کیا ہے ایک جو ذرا بعد میں مرتب ہوتا ہے اس کے کھانے سے وجود صحت پر کیا اثر مرتب ہوگا۔ میں ذیابیطس کا مریض ہوں میں میٹھا کھانے سے بچنا چاہتا ہوں حالانکہ فروٹ کھانا یا میٹھا کھانا تو انسان کی خواہش ہوتی ہے فوری طور پر تو چینی مجھے بھی میٹھی ہی لگتی ہے فوری طور پر تو میٹھا مجھے بھی اچھا لگتا ہے لیکن اس کا وہ اثر جو تھوڑی دیر بعد وجود پر مرتب ہوگا چونکہ مجھے نقصان دیتا ہے تو میٹھا نہیں کھاتا۔ بالآخر تھم یوقنون کا بھی یہی حال ہے لیکن اس کا وہ اثر جو میدان حشر میں ظاہر ہوگا وہ میرے لئے بڑا

تلخ ہو گا پھر وہ اسے چھوڑتا ہے اس سے اسی طرح باز آجاتا ہے' جس طرح ذیابیطس کا بیمار چینی کھانے سے باز آجاتا ہے۔

فرمایا۔ گناہ و نیکی = کتنے خوش نصیب ہیں وہ شخص جو نبی کریم ﷺ کی آواز پہ لبیک کہتے ہیں خطا تو انسان سے ہوتی رہتی ہے انسان آخر انسان ہے لیکن کم از کم اس کی جائے پناہ کا ادراک بھی تو ہو اس کی طرف بڑھتا بھی ہو کبھی گرے گا' کبھی لڑکھڑائے گا کبھی ٹھوکر لگے گی لیکن اس کا سفر تو صحیح سمت میں ہو پھر اللہ کریم بھی حفاظت فرمالیتے ہیں کمزوریوں سے درگزر فرماتے ہیں کوتاہیاں معاف فرمادیتے ہیں بلکہ فرمایا میں ان کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہوں معاف کرنا اور بات ہے اور خطا کو نیکی بنادینا میرا کام ہے' تو بڑھ تو سہی اور اگر اس نے سمت بدل دی اور مادی اعتبار میں کھو کر اتباع نبوت کو بھول ہی گیا تو اسے واقعی جائے پناہ نہ ملی اس نے اپنے آپ کو جان بوجھ کر عذاب کی گرفت میں دے دیا اللہ کریم ہمیں صحیح قوت فیصلہ اور نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

فرمایا۔ گناہ کے اثرات = گناہ کے تین چار اثر ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ ہوا کہ ہر گناہ سے معاشرے میں کسی دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہے جب بھی میں گناہ کروں گا یقیناً" وہ کچھ حاصل کروں گا جو میرا حق نہیں بنتا کسی دوسرے کی حق تلفی ہوگی ہر گناہ پر ایک ظلمت پیدا ہوتی ہے جو معاشرے میں پھیلتی ہے جس طرح آپ ایک دیا سلائی جلائیں تو جلتی تو وہ ایک تیلی ہے لیکن روشنی اس سے تقریباً" سارے کمرے میں پھیل جاتی ہے آپ دو تیلیاں جلائیں آپ دس تیلیاں جلادیں تو جتنی تیلیاں یا موم بتیاں بڑھتی جاتی ہیں روشنی بڑھ جاتی ہے یہی مثال نیکیوں کی ہوتی ہے کہ ایک آدمی نیکی کرتا ہے دو کرتے ہیں ایک آدمی دس کرتا ہے تو جزا مرتب ہوتی چلی جاتی ہے جس قابل وہ ہوا ہے اس کے زیر سایہ رہنے والے لوگ اس کے خاندان کے اس کے متعلقین جس معاشرے کے وہ ماحول میں رہتا ہے وہ ماحول صاف ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

فرمایا۔ گناہ و ثواب کا تصور = گناہ اور ثواب کا ایک تصور جو ہمارے معاشرے میں موجود ہے یہ بھی اپنی اصل صورت سے بہت دور ہٹ چکا ہے قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ اس کے الفاظ بھی موجود ہیں محفوظ ہیں اور اس کے مفاہیم بھی بحمد للہ محفوظ ہیں لیکن ضرورت اس

امر کی ہے کہ قرآن حکیم کے متن کے ساتھ قرآن حکیم ہی کا مفہوم تلاش کیا جائے اور مفاہیم قرآن ملتے ہیں نبی علیہ الصلوۃ کے سامنے عمل کیا اور حضور ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی۔ جب ہم اس بات سے ہٹ جاتے ہیں اور اس میں اپنی عقل کے گھوڑے دوڑاتے ہیں اور اپنی طرف سے صرف و نحو اور منطق استعمال کرتے ہیں اور اپنی عقل و خرد کے زور سے اس کے معنی تلاش کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے معانی گم ہو جاتے ہیں۔

فرمایا۔ گناہ و مہر قلبی = اللہ کی گرفت بڑی ہے' انسان اگر برائی کرتا رہے اور نیکی کی طرف راغب نہ ہو' توبہ نہ کرے' ایمان درست نہ کرے' یطبع علی قلوبھم فھم لا یسمعون تو اللہ کی طرف سے عجیب سزا مسلط کر دی جاتی ہے اللہ کریم فرماتے ہیں یطبع علی قلوبھم ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ دل یاد خدا سے بیگانہ ہو جائے اللہ کریم نے سب سے پہلی گرفت جو بدکاروں کی بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے یطبع علی قلوبھم ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں فھم لا یسمعون ان میں سننے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی جب دل نہیں سنتا تو کانوں کے سننے سے کیا فرق پڑتا ہے کیا اثر ہو سکتا ہے چونکہ اس مملکت جسم کا حکمران جو ہے مطلق العنان وہ دل ہے جو دل چاہتا ہے سارا جسم وہی کرتا ہے ہاتھ وہی کام کرتے ہیں دماغ اسی کو سوچنا شروع کر دیتا ہے پاؤں اسی طرف اٹھتے ہیں نگاہ اسی شے کو دیکھتی ہے جو دل کو پسند ہوتی ہے تو اللہ کریم فرماتے ہیں اگر کوئی میری نافرمانی پر اصرار ہی کرتا رہے۔ تو میں اس کے دل کو اپنی ذات سے کاٹ دیتا ہوں یعنی اپنی تجلیات سے محروم کر دیتا ہوں اپنے فیوض و برکات اس پر سے بند کر دیتا ہوں اور اس پر مہر ہو جاتی ہے پھر اس کے دل پر کسی نصیحت کا اثر ہی نہیں ہوتا وہ سنتا ہی نہیں۔

فرمایا۔ گناہ پر اصرار = قرآن کریم کا ارشاد ہے لم یصروا علی ما فعلو جو فعل کر بیٹھتے ہیں اس پر اصرار نہیں کرتے اس کی تکرار نہیں کرتے اسے اپنا معمول نہیں بنا لیتے اس سے بچنے کا نسخہ جو حکماء دین نے اور علمائے مقتدین نے ارشاد فرمایا ہے وہ بڑا عجیب ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ جس گناہ میں کوئی مبتلا ہو جائے اسے چاہئے کہ اس جرم کی برائیاں بیان کرے لوگوں کو اس سے روکے تو اس کا رد عمل فطری طور پر یہ ہو گا کہ خود اس کی طبیعت اس سے متنفر ہو جائے گی اور خود اللہ کریم اسے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں گے لہٰذا ایک شخص نماز ادا

کرنے میں کوتاہی کرتا ہے سستی کرتا ہے تو جس مجلس میں بیٹھے احباب سے ملے وہاں یہ بات ضرور بیان کرے کہ نماز میں سستی اور کوتاہی نہیں کرنی چاہئے کس طرح سے کسی انداز بیان کے مطابق یا نماز نہیں پڑھتا تو احباب میں بیٹھ کر یہ تلقین شروع کردے کہ میاں نماز دین کا رکن ہے' ایک بنیاد ہے' نماز ضرور پڑھنی چاہئے تو وہ فرماتے ہیں اس کا رد عمل یہ ہو گا کہ اس کا اپنا مزاج اس کا اپنا ضمیر اس کے اپنے اندر کا انسان یہ کہے گا کہ بھئی چل پہلے تو بھی تو پڑھ۔

فرمایا۔ گناہ و نبوت سے دوری = بعض خطائیں بعض گناہ دل کی بعض کیفیات خصوصاً" جسے ہم ظاہرداری کہتے ہیں۔ یہ اتنا قبیح جرم ہے کہ اس جرم کی سزا حضور ﷺ سے دوری پر منتج ہوتی ہے اللہ کریم جدا کر دیتے ہیں ایسے لوگوں کو حضور ﷺ کے سامنے نہیں جانے دیتے' عملی گناہ سے اتنی نحوست نہیں ہوتی جتنی نحوست بدبو عقیدے کے گناہ میں ہوتی ہے عمل کا گناہ جلدی دھل سکتا ہے۔ آپ کو پتہ ہے عقائد کے گناہ کو دھونا انبیاء علیہما السلام کا کام ہے ورنہ ناممکن ہے آپ نے دیکھا ہے یہاں ہندو پیسے پیسے پہ جان دیتے تھے لیکن گھر زمینیں جائیداد دولت سب کچھ چھوڑ گئے لیکن ہندو ازم لے کر چلے گئے کسی نے اپنا عقیدہ نہیں چھوڑا اگر نبی ہوتا تو شاید اس کے ہاتھ پر چھوڑ دیتے۔

فرمایا۔ گناہ و پریشانی = انسان برائی کیوں کرتا ہے؟ برائی اور گناہ کا ایک بڑا یقینی نتیجہ ہے کہ گناہ کرنے کے بعد گناہ گار کو تاسف ہوتا ہے مگر انسانی مزاج ہے' انسانی فطرت ہے کہ گناہ گار بھی اپنی گناہ آلود زندگی پر کبھی مطمئن نہیں ہوتا اگرچہ وہ گناہ میں زندگی بسر کرتا ہے لیکن کبھی آرام کی نیند نہیں سوتا اور کبھی اس پر خوش نہیں ہوتا پھر گناہ کیوں کرتا ہے۔ اس لئے کہ کوئی ایسی طاقت ہے جو اس کے دل میں اس جگہ خواہشیں اور آرزوئیں پیدا ہوتی ہیں اس مقام پر جہاں تمنائیں جنم لیتی ہیں وہاں کوئی ایسی طاقت قابض ہے جو برائی کی خواہش کو ابھارتی ہے اور نیکی کی تمنا کو دبا دیتی ہے اب باری آتی ہے عقل کی تو وہ بھی سوچتا ہے کہ میں جو یہ برا کام کر رہا ہوں نہیں کرنا چاہئے لیکن چونکہ حاکم تو دل ہے لہٰذا دل کی بات مان لینے پر مجبور ہے۔

فرمایا۔ گناہ و قرب رسالت = ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے ایک نماز نہیں پڑھی خیر ہے کیا فرق پڑا اللہ کی عبادت کرنے والے اور بہت ہیں لیکن ہم یہ نہیں دیکھتے کہ انسان کا اللہ کی اطاعت کرنا اس نظام کائنات کی تعمیر ہے اور اللہ کے احکام کی نافرمانی نظام کائنات میں تخریب

ہے۔ و تفسدوا فی الارض روئے زمین کو تباہ مت کرو یعنی گناہ کو اپنے تک محدود مت سمجھو آپ ایک چھوٹا سا حوالہ لے لیں کہ ہم ہر نماز میں ہر دو رکعت کے بعد التحیات پڑھتے ہیں ہر التحیات میں حاصل عبادت ہوتا ہے اسلام علیک ایھا النبی پوری دو رکعت کا حاصل قرب رسالت ہے۔ قرب رسالت سے کیا ملتا ہے؟ السلام علینا ہم سب پر بھی سلامتی ہو یعنی آپ نے سلامتی کی دعا کی۔ اللہ کے نبی ﷺ کے لئے وہ دعا جو ہمارے منہ سے نکلنے سے پہلے مقبول ہے' عنداللہ۔

فرمایا۔ خطا پر فخر = ایک گناہ کی قسم وہ ہوتی ہے جس کے ساتھ ندامت نہیں ہوتی اور جس پر تکبر کیا جاتا ہے یہ ایمان کی نہیں یہ کفر کی نشانی ہوتی ہے فرعون کو آپ چھوڑیں خود اپنے معاشرے میں آپ دیکھیں ایک آدمی قتل کرتا ہے' ناجائز کام کرتا ہے' کسی غریب کو لوٹ لیتا ہے' ڈاکہ ڈالتا ہے' راستہ جاتے ہوئے کسی بس کو لوٹ لیتا ہے' اسے ندامت نہیں ہوتی۔ پھر وہ چوپال میں' گلی میں' بازار میں اس پر فخر کرتا ہے کہ ہم نے یوں چھینی بس یوں لوٹی فلاں کو یوں کیا ڈرائیور کو مارا' فائر کیا تو اس کا ٹائر پھٹ گیا ان باتوں سے یہ سمجھ لیں کہ یہ شخص ایمان کی نسبت کفر کے قریب تر ہے کیونکہ خطا کا ہو جانا مومن سے ممکن ہے لیکن خطا پر فخر کرنا یہ کفر کی دلیل ہے۔

فرمایا۔ توبہ کی تعریف = توبہ ہوتی ہے اپنی پسند کی زندگی کو چھوڑ کر اپنے لئے نبی کی پسند کو معیار بنا لینا تو جیسے کوئی دامان رسالت سے وابستہ ہو' اسی لمحے اسی آن یعفوا عن السیات تمام برائیاں اس کے دامن سے دھو ڈالے۔

فرمایا۔ گناہ اور فطرت انسانی = یاد رکھیں کہ غلط روش پر' غلط عمل پر کوئی شخص خواہ کتنے بھی لوگوں کو پیچھے لگا لے ایک جو قلبی احترام ہوتا ہے وہ لوگوں میں پیدا نہیں ہوتا یہ ممکن ہی نہیں ہے بلکہ برائی کو فطرتاً" انسان برا سمجھتا ہے خواہ خود برائی میں ملوث ہو اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ کتنی مخلوق ہے جو شیطان کی اطاعت کرتی ہے لیکن اس ساری مخلوق میں شیطان کو بھلا کہنے والا ایک بھی نہیں ملتا یہ اور بات ہے کہ وہ اس کی بات کو مانتے ہیں جو وہ کہتا ہے لیکن جہاں تک دل میں کسی کی عظمت کا تعلق ہے وہ شیطان کے لئے کسی کے دل میں نہیں ہوتی بلکہ دن رات اس کی پوجا کرنے والے بھی اسے برا ہی کہتے ہیں اور حق میں یہ سند

ہوتی ہے کہ جتنے لوگ نور نبوت سے مستفید ہوئے وہ ایسے مثالی انسان قرار پائے کہ مورخ خواہ کافر ہی ہو اسے بھی ان کے کمالات اور خوبیوں کا صرف اعتراف کرتے ہی نہیں' کافر کو بھی یہ کہنا پڑا کہ ان جیسے انسان تاریخ عالم میں کہیں اور نظر نہیں آتے۔ لیکن صداقت اچھائی نیکی اور بھلائی ایک ایسی کیفیت پیدا کر دیتی ہے انسانی وجود میں کہ نہ صرف وہ وجود اس کی صداقتوں کا مظہر بن جاتا ہے بلکہ ان حقیقتوں کو ماننے پر ایک دنیا کو مجبور کر دیتا ہے تم ہی کہو کہ اگر اللہ کا نبی ﷺ برحق نہ ہوتا تو ابوبکرؓ و عمرؓ کہاں سے آتے یہ عرب تو پہلے سے موجود تھا عربوں کے پاس اعلیٰ نسل کے گھوڑے اور اچھی نسل کے اونٹ تھے عربوں کے پاس یہ خاص قسم کی تلواریں اور خاص قسم کی دھات اور تلواریں بنانے کا فن موجود تھا عربوں کی فطری خصوصیات جو ہیں وہ تو عربوں کے پاس موجود تھیں لیکن روئے زمین پر ان کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی حتی کہ پڑوسی سلطنت ان کو زیر تسلط لینے پر تیار نہ ہوتی تھی کہ یہاں سے کچھ حاصل نہ ہوگا سوائے مسائل اور سوائے مصیبتوں کے ان کے کھانے اور پینے سے لے کر لباس تک جو شخص ان پر حکومت کرے گا جو شخص ان پر قابض ہوگا اسے یہ سب کچھ انہیں دینا پڑے گا ان سے لے کچھ بھی نہیں سکتا۔

فرمایا۔ گناہ کے نتائج = سمجھ لیں کہ افعال کے نتائج کس طرح سے مرتب ہوتے ہیں یعنی جب بھی اور جو کوئی شخص بھی جیسا عمل کرے گا اس کا نتیجہ بالکل ویسا ہی مرتب ہوگا کیونکہ بنیادی طور پر قرآن کریم کا موضوع تاریخ نہیں ہے قرآن کے ذمہ یہ بات نہیں ہے کہ یہ تاریخی واقعات بیان کرے یا حالات کی سند بیان کرے قرآن کریم جب واقعات بیان کرتا ہے تو مراد یہ ہوتی ہے کہ پہلے لوگوں نے جب یہ کام کیا تو یہ نتیجہ مرتب ہوا اگر خوانخواستہ تم بھی یہ کام کرو گے تو ویسے ہی نتائج کی امید رکھو۔

باب ـ 4

قلب و کشف و مشاہدہ

ظاہر و باطن

فرمایا۔ ''اب یہ ظاہر و باطن دو علیحدہ علیحدہ راستے نہیں ہیں یہ بھی ایک غلط فہمی ہے کہ ظاہر اور شے ہے اور باطن اور شے ہے۔ یہ سب بے دینی ہے' یہ دین نہیں ہے بلکہ ظاہر وہ ہے جو حضور اکرم ﷺ نے قولاً'' اور فعلاً'' یا پسند فرمایا' کرنے کا حکم دیا یا کسی کو کرتے دیکھ کر پسند فرمایا۔ باطن اس کیفیت کا نام ہے جو ظاہراً'' حضور ﷺ کی اطاعت کرنے کے ساتھ ساتھ کسی ایسے شخص سے حاصل کی جائے' جو اس کیفیت کا امین ہو' جس طرح علوم ظاہرہ کے لئے ہمیں کسی استاد کی خدمت کرنی پڑتی ہے' کسی کتاب کا سہارا لینا پڑتا ہے' اسی طرح کیفیات باطنی کو حاصل کرنے کے لئے بھی صاحب کیفیات کی صحبت میں جانا پڑتا ہے کیونکہ یہ الفاظ کتابوں میں نہیں آئے ان کے لئے کوئی لفظ وضع نہیں ہوا تو ان کیفیات کو حاصل کرنے کے لئے بھی ہمیں ان سینوں سے ان کیفیات کو حاصل کرنا پڑتا ہے' جو ان کے امین ہیں اور جس طرح آپ دیکھتے ہیں کہ علوم ظاہرہ میں ہمیشہ وہ لوگ کامیاب ہوئے' جو گھروں سے جدا ہو گئے' عزیز و اقارب کو چھوڑ بیٹھے' اوقات کو کلی طور پر ان کی نذر کر دیا' مدرسوں میں پریشاں حالی میں وقت گزارا اور عمر عزیز کے دس' بارہ' پندرہ سال جو ہیں بہترین جوانی کا جو وقت ہے' اسے وہ مدرسوں کی نذر کر آئے' تب جا کر انہیں کوئی بات کرنے کا سلیقہ آیا تو باطنی کیفیات تو اس سے زیادہ ایثار اس سے زیادہ قربانی اور اس سے زیادہ توجہ چاہتی ہیں۔''

تصدیق قلبی

فرمایا۔ ”تصدیق قلبی موجود نہ ہو تو زبان سے کہہ دینے سے آدمی مردم شماری میں تو مسلمان ہو جاتا ہے لیکن عند اللہ نہیں۔ اللہ کے نزدیک اس کا اسلام تب ہی قبول ہوتا ہے جب اس کا دل بھی اس بات کو قبول کرتا ہو۔ ہم دنیا کے سارے علوم علماء سے حاصل کرتے ہیں اس کی پروا کریں نہ کریں اس کی عزت کریں نہ کریں۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسے جانیں نہ جانیں، وہ تعلیم ضائع نہیں ہوتی۔ برکات نبوت ﷺ کے لئے سب سے پہلے نبی علیہ السلام پر ایمان ضروری ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اس احترام وادب کی ضرورت ہوتی ہے جو ماننے کے بعد انسان پر واجب اور فرض ہو جاتا ہے، دنیاوی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ استاد کی پروا نہ کریں کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن دین میں نبی کی عظمت ہمارے قلب سے باہر نہیں نکلے ورنہ تعلیم کی برکات اٹھ جائیں گی کیونکہ دینوی تعلیم میں صرف الفاظ ہوتے ہیں اور برکات نبوت میں الفاظ کے ساتھ کیفیات ہوتی ہیں، دنیا کی تعلیمات کو آپ علم نہیں کہہ سکتے وہ معلومات ہوتی ہیں نبی علیہ السلام کی تعلیمات جو ہوتی ہیں آدمی کا حال بن جاتی ہیں۔ دنیا دار آپ کو پڑھائے کہ دیانت کیا ہے تو وہ دیانت پر بحث کرتا رہے گا مگر آپ کو دیانت دار نہیں بنا سکے گا نبی علیہ السلام جب فرمادے کہ دیانت داری یہ ہوتی ہے تو سننے والے میں اگر ایمان ہو تو دیانت اس کا حال بن جائے گی اور یہی انبیاء علیہ السلام کا کمال ہوتا ہے۔“

برزخ

فرمایا۔ ”اگر برزخ میں کسی کو کلام کرنے کی قوت نصیب ہو اور اللہ کریم یہ دولت دیں تو اہل برزخ اپنی آئندہ حالت کے بارے میں یہ ضرور اور حتمی طور پر بتا سکتے ہیں کہ کبھی انہیں نجات نصیب ہوگی یا نہیں۔ یہ ان لوگوں کی بات ہے جو عذاب الٰہی میں مبتلا ہوئے تو یہ بات اسی نسبت کے ذریعے سے جا کر بتا سکتے ہیں کہ اگرچہ ان کی یہ نسبت اس درجہ کی قوت نہ تھی کہ نجات کا سبب بنتی مگر خلود فی النار سے مانع ضرور ہوئی اور اگر بالکل منقطع ہو گئی تو پھر ہمیشہ کے لئے دوزخ ہے۔ اسی طرح صاحب نجات احباب بھی اپنے درجہ نسبت سے واقف ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی اس کیفیت یا نسبت سے بھی آگاہی رکھتے ہیں بلکہ اپنے سے بڑھ جانے والوں کو

دیکھ کر رشک بھی کرتے ہیں۔"

اطلاع عن الغیب کی نوعیت

فرمایا۔ "جو اطلاع عن الغیب دی جاتی ہے وہ رب کی مرضی' وہ چاہے تو ساری کائنات کو منکشف کر دے' چاہے تو پاس کی چیز بھی نہ بتائے یہ اس کی مرضی' یہ اس کا اور اس کے انبیاء علیہ السلام کا معاملہ ہے' میں اور آپ یا کوئی دوسرا درجہ بندی کرنے کی حیثیت میں نہیں ہے۔ ہم نبیوں کی جوتیوں کی خاک بھی نہیں ہیں' اس قابل بھی نہیں ہیں کہ ہم اپنے آپ کو اس درجے میں سمجھیں چہ جائیکہ کہ ہم انبیاء علیہم السلام کے منازل و مقامات مراتب کی درجہ بندی کرنے لگیں لیکن عقیدے اور ایمان کے لئے' بات کو سمجھنے کے لئے قرآن حکیم نے متعدد مثالیں ارشاد فرمائیں مثلاً" ابراہیم علیہ السلام اولوالعزم رسول تھے۔ اب کتنی عجیب بات ہے کہ جب انہوں نے بیٹے کی قربانی کا حکم خواب میں سنا تو بیٹے سے بات کی' پتہ تھا بیٹا بھی نبی ہے اور نبی وحی الٰہی کو سمجھتا ہے تو انہوں نے جواب بھی ویسا ہی دیا فانظرماتری یعنی انہوں نے پورا خواب سچ کر دکھایا مگر آخری وقت تک آپ کو علم نہ تھا اگرچہ قرآن کے مطابق آپ علیہ السلام کو زمین و آسمان کے خزانے دکھائے گئے تھے۔

شیطان و کشف

فرمایا۔ "ایک مزید کمال جو کافر حاصل کرتا ہے کہ کفریہ عقائد اور کافرانہ اعمال کی وجہ سے انسان کو شیطان کے ساتھ ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور پھر شیطان باقاعدہ ان کی تربیت کرتا ہے۔ ان الشیاطین لیوحون الٰی اولیاء ھم۔ شیطان اپنے متعلقین کے ساتھ باتیں کرتا ہے انہیں سمجھاتا ہے انہیں چلاتا ہے تو کئی طرح کی عجیب چیزیں ان سے ظہور پذیر ہوتی ہیں' جن کو عام آدمی بزرگی کی دلیل سمجھتا ہے۔ بنیادی طور پر ان کمالات کے حصول کے لئے ایمان شرط نہیں تو وہاں بھلے اعمال کی کیا قید ہو سکتی ہے جب ایمان ہی اچھا نہیں رہا تو عمل کب اچھا ہو گا' سو ہر طرح کی قباحت ان لوگوں میں در آتی ہیں بلکہ جتنا شیطان کے ساتھ ان لوگوں کا تعلق مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے' اتنی ان کی بدکاری میں اپنی حیثیت قوی ہوتی چلی جاتی ہے۔"

انسانی استعداد و کیفیات و مجاہدات

فرمایا۔ ''انسان کو رب جلیل نے ایک طرف مکلف کیا ہے آخرت کو ماننے کا' تو ایک طرف آخرت کو جاننے کی استعداد بھی اس میں رکھی ہے کیونکہ جاننے کے بغیر ماننا فضول ہوتا ہے' ماننے کا تصور ہی نہیں ہو سکتا اور ماننے کے لئے جاننا شرط ہے۔ ایک بات کو آپ جانتے ہیں' اس کا علم حاصل کرتے ہیں' پھر اسے رد کر دیتے ہیں یا قبول کر لیتے ہیں اگر ایک بات کو کوئی جانتا ہی نہیں' تو ماننے یا نہ ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو جب اللہ نے آخرت کی زندگی کو' برزخ کو' جنت دوزخ کو' ملائکہ کو اور اخروی زندگی کو ماننے کا حکم دیا تو جاننے کی استعداد انسان میں ضرور ودیعت کی لیکن اس استعداد کے دو حصے ہیں' ایک وہ قوت یا استعداد جو روح کو نصیب ہوتی ہے اور دوسری وہ قوت جو مجاہدے کے ساتھ ترقی کرتی ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ جسے آپ مسمریزم یا ٹیلی پیتھی یا شعبدہ بازی کہتے ہیں' اس کی متعدد صورتیں ہیں' یہ لوگ انسانی جسم پر محنت کرتے ہیں' قوت متخیلہ پر محنت کرتے ہیں' اس کو ایک مرکز پر منتقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور سالوں کے حساب سے محنت کرنے کے بعد اس قابل ہو جاتے ہیں کہ' ان میں یہ قوت آجاتی ہے کہ منوں بوجھ پڑا ہے' آدمی نے اس پر نگاہ کر دی اور جیسے جیسے وہ نگاہ اٹھاتا جائے گا وہ بوجھ زمین سے اٹھتا چلا جائے گا اس کو ٹیلی پیتھی کہا جاتا ہے لیکن اگر کوشش کرتا ہے کہ میں ارواح کے ساتھ تعلق پیدا کروں تو ناکام ہو گا کیونکہ روح سے تعلق ایمان سے شروع ہوتی ہے لہٰذا جب ایمان نہیں ہوتا تو یہ جتنا مجاہدہ کرتا ہے تو وجود میں جو استعداد رکھی گئی ہے وہ پالش ہو ہو کر شیطان یعنی قرین سے اس کا تعلق قائم ہو جاتا ہے اور اس کو مادیات کا کشف ہو جاتا ہے۔ جہاں تک ارواح کے بلانے کا اور ان سے بات کرنے کا تعلق ہے' ارواح کے ساتھ غیر مسلم بات نہیں کر سکتا ہے بلکہ یہ متعلقہ مردے کا شیطان ہوتا ہے جن سے یہ عاملین بات کرتے ہیں۔''

قلب و کیفیات

فرمایا۔ ''یاد رہے ان تمام برکات کا مدار انسان کے دل اور اس کے دل کی کیفیات پر ہی ہے اسی لئے اس کے ساتھ ابراہیم خلیل اللہ نے دعا فرمائی۔'' واجنبنی وبنی ان

نعبدوالاصنام اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے محفوظ فرمادے کہ ہم کبھی بتوں کی پوجا کریں۔ اب یہاں بڑی بات ہے کہ اللہ کا نبی بھی ہو اور بت پرستی کا ڈر بھی ہو نبی تو بت پرستی مٹانے کے لئے مبعوث ہوتے ہیں' نبی معصوم ہوتا ہے' اس میں دو باتیں واضح فرمائیں ایک تو اپنا عجز و نیاز اللہ کے سامنے کہ میری عصمت میری یہ معصومیت بھی تیری عطا کردہ ہے اگر تو ہی مجھے نہ بخشتا تو میں کہاں سے لیتا اور دوسری یہ کہ بت صرف پتھر کے نہیں ہوتے' سب سے زیادہ خطرناک بت وہ ہوتے ہیں جن کی بظاہر کوئی صورت نہیں بنتی' پتھر کے بتوں کی پوجا سے بچنا آسان ہے لیکن خواہشات کی پرستش سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ وہ مجسم ہو کر سامنے نہیں آتے۔"

شعبدہ بازی

فرمایا۔ "ہمارے اس دور میں تصوف کو شعبدہ بازی اور استدراج کے ساتھ ملا کر دیکھا جاتا ہے' عام آدمی بھی یہی سمجھتے ہیں کہ خرق عادت میں کوئی شخص بھی کوئی کمال دکھاوے تو اسے ولی اور بزرگ خیال کرتے ہیں۔

کشف وسلب

فرمایا۔ "مادیات کا کشف جو ہوتا ہے' اسے کشف کونی کہتے ہیں' یعنی جو کچھ عالم کون ومکان میں ہو رہا ہے' دور ونزدیک مادی اور حسی دنیا میں' وہ بغیر مادی وسائل کے قوت اسے دیکھ لے یا سن لے تو اسے کشف کونی کہتے ہیں جس کے حصول کے لئے ایمان شرط نہیں۔"

بعض لوگ بغیر شیخ کے مجاہدے کرتے ہیں اور بغیر روحانی توجہ اور روحانی مقامات کو جانے ہوئے کرتے ہیں' تو نرا مجاہدہ کرنے سے انہیں یہ قوت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ آنکھ بند کر کے دور کی چیز کو دیکھ لیں مثلاً" میں مراقبات فنا بقایا سالک المجذوبی کیا کرتا تھا' یہ تریسٹھ کی بات ہے تو ایک شخص میرے پاس آیا' وہ از خود مجاہدہ کیا کرتا تھا' میرے پاس وہ اس لئے آیا کہ آپ مجھے توجہ دیں اور ذکر اللہ سکھائیں تو میں نے اسے ساتھ بٹھا کر توجہ دی' اس سے اس کا سارا مجاہدہ جاتا رہا۔ ایک بار پھر توجہ دی چلا گیا جب تیسری بار آیا تو اس نے بڑی منت کی وہ کہنے لگا کہ اہل اللہ تو بڑے دریا دل اور سخی ہوتے ہیں' میں نے کہا کہ میں تمہاری بات نہیں سمجھا وہ

کہنے لگا آپ نے میرا حال سلب کر لیا ہے'میں نے کہا' خواہ مخواہ میں نے سلب کیا ہے تجھے لطائف سکھائے ہیں' توجہ دی ہے' کہنے لگا میں بڑا مجاہدہ کرتا تھا' آپ نے میری قوت چھین لی آنکھ بند کرتا تھا تو مجھے ساتھ والا کمرہ اس طرح نظر آتا تھا جیسے اس کے اندر کھڑا ہوں لیکن اب تو وہ سب کچھ چلا گیا تو میں نے کہا کہ یہ تو تمہاری جہالت کی وجہ سے گیا وہ جو تمہارا حال تھا' وقتی تھا اور وہ فیض ظاہری اعتبار سے تھا' جب اس پر القا کیا گیا تو بالکل وہی حال ہوا' جیسے کوئی چھوٹا سا نالہ بہہ رہا ہو اور آپ اس پر سے دریا گزار دیں' تو یہ توقع نہ رکھیں کہ وہ نالہ باقی رہ جائے گا وہ تو اس میں سمو گیا تو اگر تم مجھے پہلے بتا دیتے تو میں توجہ تم پر اس طرح سے کرتا جو قوت تم میں پہلے سے موجود ہے' اس میں مزید اضافہ ہو جب تم نے مجھے بتایا نہیں تو میں نے توجہ اسی طرح سے کی کہ جو کچھ تم میں ہے' اسے صاف کر دوں اور ایک نئی بنیاد رکھ دوں تو اب تو وہ میرے بس میں بھی نہیں ہے کہ تجھے لوٹا دوں' جو کچھ تھا چلا گیا' اب میرے اختیار میں بھی نہیں ہے کہ تجھے لوٹا دوں' ہاں تم پہلے بتا دیتے تو میں توجہ اس طرح سے کرتا کہ ایسی خوبی جو تمہارے وجود میں ہے' اس پر مزید قوت القا کر کے اسے اس سمت لے جاؤں' جس کی برکت سے تمہیں پہلے مراقبات ہو جاتے شاید وہ سمجھ سکا یا نہ سمجھ سکا' اس کے بعد وہ پھر نہیں آیا لیکن اس کے ذہن میں یہ تھا کہ میں نے بخل کیا ہے اور اس سے اس کی قوت چھین لی ہے' حالانکہ بات ایسی نہیں تھی اور نہ اس میں کوئی فقیری تھی محض ایک قوت تھی' جو مجاہدہ کر کے اس نے وجود میں پیدا کر لی تھی اور اس کا تعلق وجود سے تھا۔"

ثواب و عذاب

فرمایا۔ "ثواب اس کیفیت کا نام ہے کہ جب وہ ہمیں گناہ سے متنفر اور نیکی کی طرف راغب کر دے' اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اعمال پر ثواب مل رہا ہے اور اگر خدانخواستہ گناہ سے نفرت پیدا نہ ہوئی' نیکی پہ رغبت نہیں پیدا ہوئی' زندگی کی ڈگر نیکی کی طرف نہ بدلے' تو سمجھا جائے گا کہ اعمال پر ثواب نہیں ملا۔

برزخ

فرمایا۔ "برزخ ہو جانا' مرحومہ خاتون سے ہم کلام ہونا' برزخ کی کیفیات کو دیکھ لینا

میرے خیال میں یہ اسی شخص پر انعام کے اسباب اللہ بنا رہا تھا تو جب بخش ہی دیا ہے تو اس کے ہدایت کے اسباب بنا رہے تھے۔ اللہ کریم تو سب کچھ خود کر سکتے ہیں لیکن یہ دنیا عالم اسباب ہے' جب قلوب کو اطمینان نصیب ہوتا ہے یا اطمینان بخشنا چاہتے ہیں' تو ان میں وہ نسبت پیدا کرتے ہیں کہ ان سے فرشتوں کو انس ہو جاتا ہے اور ملائکہ کا نزول ان کے قلب پر ہوتا ہے جس سے روح دیکھنے لگ جاتی ہے۔

عرش ایک مرکز

فرمایا۔ "ثم استوی علی العرش۔ استوی علی العرش کا ماحصل یہ ہے جس طرح آپ کی حکومت ایک سیکرٹریٹ بنا دیتی ہے' تمام ملکی نظام اس کی طرف جا پہنچتا ہے بالاخر نتیجتاً" ایک چھوٹا افسر' اس سے بڑا' بڑے سے بڑا اس سے بڑا' بالاخر وہ سیکرٹریٹ تک جا پہنچتا ہے اور نتیجتاً" وہاں سے چیزیں حاصل ہوتی ہیں اسی طرح عرش عظیم کو رب کریم نے اس کائنات کا سیکرٹریٹ بنا دیا۔ یہ بات نہیں ہے کہ خداوند عالم محض عرش پر بیٹھے ہیں' باقی کہیں کسی جگہ خدا موجود نہیں ہے' بات یہ نہیں ہے' بات صرف یہ ہے کہ اللہ تو ہر آن ہر جگہ موجود ہے لیکن مخلوق کی توجہ جو ہے اس نے مرتکز کر دی ہے اس سیکرٹریٹ پر جہاں سے اس کے احکام' اس کے فرامین نازل ہوتے ہیں اور جہاں سے مخلوق تک پہنچتے ہیں۔"

برزخ دیکھنے کی شرط

فرمایا۔ اگر ایمان نصیب نہ ہو' نبی ﷺ کے قلب اطہر کے انوارات نصیب نہ ہوں اور وہ نور نصیب نہ ہو تو بالائے آسمان نگاہ نہیں پہنچتی' برزخ کا حجاب نہیں کھلتا' فرشتہ نظر نہیں آتا' آخرت نظر نہیں آتی' قبر کے اندر کا حال معلوم نہیں ہوتا اسی طرح ہر ایک مجاہدہ کرنے والے مجاہدہ کر کے اپنے اندر ایک قوت ڈیویلپ کر لیتے ہیں جس سے صرف مادیات کو دیکھا جا سکتا ہے۔ مسلمان میں اور ہندو میں فرق یہ ہے کہ مسلمان کو ان مشاہدات کے لئے نہ بھوک کاٹنے کی ضرورت ہے' نہ اپنے آپ کو کسی ایذا میں مبتلا کرنے کی ضرورت ہے' نہ اسے کسی تکلیف میں پڑنے کی ضرورت ہے بلکہ اسے ضرورت صرف دو چیزوں کی ہے نور ایمان اور برکات نبی ﷺ کیونکہ وہ اپنے مجاہدے یا مشقت سے نہیں بلکہ ان انوارات

کی برکت سے دیکھتا ہے' جو تجلیات باری مومن کے دل میں مترشح ہوتی ہیں اور ان کی مدد سے جب وہ دیکھتا ہے تو وہ صرف دور نزدیک نہیں دیکھتا بلکہ وہ بالائے عرش تک چلا جاتا ہے آخرت کو دیکھتا ہے تو اس کے دوسرے سرے تک دوسری انتہا تک دیکھتا چلا جاتا ہے تو یہ فرق ہے ہاں جو مجاہدہ کرایا جاتا ہے وہ تو نفس کی اصلاح کے لئے ضروری ہوتا ہے' وہ ایک مختلف چیز ہے۔"

کشف کی درستگی کی شرائط

فرمایا۔ "حق یہ ہے کہ ہر مشاہدے کی سند حضور ﷺ کے ارشادات ہیں کیوں کہ حضور ﷺ نے جو دیکھا' حق دیکھا' اور اسے صحیح اور درست سمجھا دوسرے دیکھنے والوں کو دیکھنے میں غلطی بھی لگ سکتی ہے اگر کسی صوفی کا مشاہدہ حضور ﷺ کے ارشادات سے ٹکرائے گا تو ناقابل عمل و ناقابل یقین ٹھہرے گا جبکہ ہر وہ مشاہدہ قابل قبول اور درست ہوگا جو حضور ﷺ کے نقوش کف پاء کے حدود کے اندر اندر ہوگا جو ایک بہت بڑی نعمت ہے رب جلیل کی۔"

نبی و معجزات

فرمایا۔ "کسی نبی کے لئے کسی رسول کے لئے یہ بات زیبا نہیں ہے کہ وہ عجائبات اور خرق عادات کو ظاہر کرتا پھرے' ہاں اللہ کے حکم سے اللہ کی اجازت سے جہاں رب چاہے' جو خدا چاہے' اللہ تو ظاہر کرنا چاہئے' وہ ظاہر ہونا ضروری ہوتا ہے نبی اور رسول کے ہاتھ سے اور خداوند عالم اتفاقاً" ظاہر نہیں کرتے بلکہ ہر فعل جو مقدر ہو چکا ہے' معجزات کا ظہور بھی علم الٰہی میں موجود ہے اور اس ترتیب میں درج کر دیا گیا ہے جو نظام کائنات کی رب العزت نے بنائی ہے' ٹائم ٹیبل میں اس کے اوقات بھی مقرر ہیں' اللہ کریم خوب جانتا ہے کہ کس دور میں کیسے لوگ ہوں گے اور ان کی اصلاح کے لئے کیا شے ضروری ہے یہ اس کی ربوبیت کا تقاضا ہے' وہ رب العالمین ہے' جس طرح وجودوں کی ترتیب اس کا ذمہ ہے' ٹھیک اسی طرح ارواح کی ربوبیت بھی اس کا ذمہ ہے اور جس طرح وجودوں کے لئے اس نے مختلف غذائیں مختلف دوائیں مقرر کر دی ہیں' اسی طرح ارواح کے لئے بھی مختلف غذائیں اور مختلف دوائیں مقرر کر دی ہیں آپ اگر چاہیں تو معجزات کو دوا بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ قادر ہے' وہ جانتا تھا کہ معاشرہ

اس قدر بیمار ہوگا' جس کے لئے دوا ضروری ہوگی' جو اس دوا کو استعمال کرے گا یا اس کے قریب آئے گا' اس کو سمجھ لے گا' وہ ٹھیک ہو جائے گا اور جو شخص دوا ہی نہیں کھائے گا' اسے صحت نصیب نہیں ہوگی۔"

تقدیر

فرمایا۔ "قضائے مبرم جو ہوتی ہے وہ بھی اس کے دست قدرت میں ہے جس چیز کو چاہے' مٹا دے' جس چیز کو چاہے' رکھے۔ قضا بھی دو طرح سے ہوتی ہے قضائے مبرم اور قضائے معلق۔ قضائے معلق جو ہوتی ہے اس میں انسانی ارادے' انسانی افعال دخل انداز ہوتے رہتے ہیں' اس کے مطابق اس میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں' مثلاً" اللہ کریم نے لکھ دیا ہے کہ ایک آدمی اگر اس راستے سے گزرے گا تو بچ جائے گا اور اگر اس راستے سے گزرے گا تو سانپ اسے کاٹ لے گا اس نے یہ اس شخص کے مزاج' اس شخص کی پسند پہ چھوڑ دیا ممکن ہے جس راستے پہ سانپ بیٹھا ہے' اس طرف کوئی دنیاوی دلچسپی ہو اور جس طرف سانپ نہیں بیٹھا' اس طرف نرا دین ہی ہو یا محض کوئی مجاہدہ ہو۔ اب عین ممکن ہے کہ وہ شخص یہ راستہ اختیار کرے کہ نہیں میں تو مجاہدہ کروں گا' میں تو نیکی کروں گا اور اس نیکی کو پانے کے ساتھ ساتھ اس مصیبت سے بھی بچ جائے اب وہ اس کی پسند پر ہے انا ھدینہ السبیل اما شاکرا واما کفورا" کہ وہ فیصلہ شکر کا کرتا ہے یا ناشکری کا وہ کہتا ہے چھوڑو جی کون کرتا پھرے عبادت کو' یہ راستہ شارٹ ہے یہاں سے نکل جاؤں تو ممکن ہے اسے سانپ کاٹ لے' اب اس کا کاٹنا یا اس سے بچانا یا نہ بچانا یہ قضائے معلق ہے اور ایک فیصلہ ہوتا ہے اسے سانپ ضرور کاٹے گا' اس راستے جائے یا اس راستے جائے' یہ ہوتی ہے قضائے مبرم' جو ٹل نہیں سکتی۔

کلام نبوی کی قوت

فرمایا۔ نبی علیہ السلام کے کلام کو جو قبول کرلیتا ہے' اسے شفا ہو جاتی ہے لیکن جو قبول نہیں کرتا' تو وہ بیمار رہتا ہے' دوا ملنے کے بعد بھی مثلاً" کوئی دوائی کھاتا نہیں' یوں ہی بوتل میں بھر کے رکھ جائے' کیا فائدہ ہوگا۔ ایک ہی میدان میں فرعون بھی تھا' اس میدان میں جادوگر

بھی تھے' جادوگروں کو ایمان نصیب ہو گیا' انہوں نے قبول کر لیا اور اسی بات کو فرعون نے جھٹلا دیا' کہنے لگا تم آپس میں ملے ہوئے ہو' یہ تمہاری سازش ہے' یہ مجھے تمہارا استاد معلوم ہوتا ہے حالانکہ وہ خوب جانتا تھا کہ جادوگروں نے تو زندگی میں پہلی مرتبہ فرعونی دربار دیکھا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو پلے بڑھے ہی اس کے گھر میں تھے تو فرمایا انبیاء علیہ السلام ذاتی شہرت کے لئے نہیں محض اپنے اقتدار کے لئے یا صرف دولت جمع کرنے کے لئے معجزات نہیں دکھاتے بلکہ یہ من جانب اللہ مقرر ہوتا ہے کہ فلاں وقت فلاں معجزہ ظاہر ہو گا' کرامت ظاہر ہو گی یا فلاں خرق عادت ظاہر ہو گی۔"

نبوت و تعمیر انسانیت و معجزات

فرمایا۔ اللہ فرماتا ہے کہ جتنے وعدے آپ ﷺ کرتے ہیں عذاب و ثواب کے جنت و دوزخ بھی آپ لوگوں کے سامنے کر دیں اگر آپ لوگوں کو مردے زندہ کر کے لا دیں' کوئی بھی عجیب سی بات کر دیں یا کچھ بھی ہو جائے' مقصد وہی ہے' نبی کے ذمہ ہے اللہ کے احکام کو پہنچا دینا اب ان پر عمل کرانا ان لوگوں سے کرانا یا ان سے منوانا آپ کا منصب نہیں بلکہ حساب ہم نے لینا ہے' خواہ اس کے لئے معجزات ظاہر ہوں یا ظاہر نہ ہوں۔ بنیادی کام جو نبوت کا ہے وہ تعمیر انسانیت ہے۔ اب معجزات یا خرق عادات جو ہیں' وہ بھی اس نقطے کے گرد پھرتے رہیں گے کہ تعمیر انسانیت کے لئے ان کا ظہور ہو گا اور جب خدا چاہے گا کیونکہ وہ رب العالمین ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ کس وقت کون سی چیز ظاہر ہونی چاہئے یا اس کی ضرورت ہے بھی یا نہیں۔"

نبوت کا کام اور معجزات

فرمایا۔ "اللہ کریم نے فرمایا معجزات کے اظہار کا تعلق تمہارے مطالبات سے نہیں ہے بلکہ حکمت باری سے ہے' وہ خوب جانتا ہے کہ کون سا معجزہ کب ظاہر ہونا چاہئے اور اگر تمہارے کہنے کے مطابق تمام مردے بھی زندہ کر دیئے جائیں یا جو وعدے ہیں' ان میں سے کوئی بات ظاہر بھی کر دی جائے تو کیا منصب نبوت بدل جائے گا' ہرگز نہیں' بات تو وہیں آئے گی کہ آپ کے ذمہ احکام الٰہی کا پہنچانا ہے۔ میرا یہ کام ہے کہ میں آپ کی کارکردگی کو بھی

پرکھوں اور لوگ جو آپ کو جواب دے رہے ہیں' مثبت یا منفی' اس کا اندازہ بھی کروں' یہ میرا کام ہے' یہ میرا منصب ہے۔ آپ ﷺ نے کتنا مجاہدہ فرمایا آپ ﷺ نے اپنی بات پہنچانے میں کتنی محنت فرمائی اور لوگوں میں سے کسی نے کیا جواب دیا' سب کا حساب لینا یا اس سب پر اجر مرتب کرنا کسی کو انکار پر فوری غرق دریا کر دوں یا کسی کو اسی وقت زمین میں دھنسا دوں یا کسی کو سو سال مہلت دے دوں' اس میں کسی کی مداخلت نہیں ہے' یہ میرا کام ہے' میں جانوں میری مخلوق جانے۔"

منصب نبوت کا مقصد اور معجزات

فرمایا۔ "منصب نبوت کا بنیادی مقصد متعین ہو گیا کہ محض عجائبات کا دکھانا یہ منصب نبوت نہیں ہے' کسی نبی سے زندگی بھر کوئی معجزہ ظاہر نہ ہوا وہ پھر بھی نبی ہے کسی نبی سے کروڑوں معجزات ظاہر ہو جائیں تو وہ بھی نبی ہے۔ صرف ان معجزات کی وجہ سے اس کی نبوت برحق نہیں سمجھی جائے گی کیونکہ معجزات کا ظاہر کرنا بنیادی طور پر فرائض نبوت میں سے نہیں ہے بلکہ اللہ کی ربوبیت سے متعلق ہے تو جب اللہ کریم ضروری سمجھتے ہیں کہ کون سا معجزہ کس وقت کن لوگوں کے سامنے ظاہر ہونا چاہئے تو وہ ظاہر ہو جاتا ہے۔"

صوفیاء و کشف

فرمایا۔ "مومن اور کافر میں' اطاعت گزار اور نافرمان میں یہی فاصلہ ہے اور یہی معیار ہے کمالات نبوت اور رسالت کا بھی۔ اولیاء اللہ اور علمائے حق اس بارگاہ کے نقیب اور چوکیدار ہوتے ہیں تو ان کے ہاتھ سے بھی برکات اس بارگاہ کی بٹتی ہیں' ان کا ذاتی کچھ نہیں ہوتا' ہر ولی کی کرامت اس نبی علیہ السلام کا معجزہ ہوتا ہے' جس کی وہ اطاعت کرتا ہے' اس کے ہاتھ پر وہ کرامت صادر ہوتی ہے' کرامت ولی کی ذاتی نہیں ہوتی بلکہ صرف اس کے ہاتھ سے صادر ہوتی ہے چونکہ نبی علیہ السلام کی کامل اطاعت کرنے والا ہے تو یہ نبی علیہ السلام کا معجزہ ہوا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ولی کی کرامت دراصل نبی علیہ السلام کا معجزہ ہوتی ہے اور اس سے بڑی کرامت کا تصور نہیں کیا جا سکتا کہ تنگ ظرف انسان کو وہ ظرف عطا ہو جائے جو اللہ کے لئے دو عالم سے ہاتھ اٹھائے' اس کے علاوہ اس سے بڑی کسی کرامت کا کوئی تصور نہیں'

سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ دنیا کے مقابلے میں دین اور ذاتی مفادات کے مقابلے میں اللہ کی رضا عزیز ہو۔"

مشاہدات کا حاصل

فرمایا۔ مشاہدات کا حاصل یہ نہیں کہ تو غوث ہو گیا' تو قطب بن گیا' یا ابدال ہو گیا۔ مشاہدات کا حاصل یہ ہے کہ تجھے گناہ کا احساس ہونے کا شعور ہو' اللہ کا خوف ہو اور غیر اللہ کا خوف دل سے نکل جائے کفر کے لئے تو تیغ براں بن جائے اور احقاق حق کے لئے شمع صداقت بن جائے دنیا میں تجھ سے نور روشن اور حق غالب آئے' کفر کے اندھیرے سمٹنا شروع ہو جائیں' برائی ہٹنا شروع ہو جائے' یہ تیرے مشاہدات و مکاشفات کی دلیل ہے۔"

باطنی کیفیت

فرمایا۔ تعلق بالرسول کی باطنی صورت ایسی ہیں کہ جب اور جہاں سے ڈور ٹوٹی غائب ہو گئی کیونکہ کوئی ایسی بات تو نہیں کہ کوئی اور ذہن میں بیٹھ جائے یہ تو کیفیت ہے اور کیفیت طبیعت کے بدل جانے سے بدل جایا کرتی ہے جس طرح خوشی میں اور کیفیت ہوتی ہے اور غصہ آجائے تو اور کیفیت ہو جاتی ہے' اسے آپ نہیں روک سکتے۔ اسی طرح نیکی یا تقویٰ یا اتباع شریعت کا تعلق جہاں سے ٹوٹا' وہاں سے کیفیت بدل گئی خواہ وہ کیفیت آپ نے کتنا عرصہ ہی کیوں برقرار نہ رکھی ہو یہ دل کی ایک حالت ہوتی ہے ایک خاص کیفیت اس نے حاصل کرلی ہے تو جب تعلق ٹوٹتا ہے شریعت کے ساتھ یا ان لوگوں کے ساتھ جہاں سے اس نے کیفیت حاصل کی ہے تو یہ کیفیت چلی جاتی ہے۔

کشف

فرمایا۔ "بعض دوستوں پر اللہ کا احسان ہے انہیں کاروبار کرنے کے باوجود بھی کشف ہوتا ہے اور ایسے بھت ہیں' ہزاروں ہیں جنہیں کشف اور مشاہدہ نہیں ہوتا لیکن اللہ اس کی روح کو قوت دے اور اسے فنائی الرسول تک جانے کی سعادت نصیب ہو جائے تو ہم کشف کی پروا نہیں کرتے اپنی ذمہ داری پر اس کی بیعت کرا دیتے ہیں اس لئے کہ بیعت ہو جانے سے جو

قوت عمل میں یا ایثار میں یا قربانی کے جذبے میں جو قوت آتی ہے' وہ تو آجاتی ہے اسے نظر آئے نہ آئے یا اس کی زندگی کا وہ اصلاحی پہلو کہ عملی زندگی میں اس کی اصلاح ہو جائے وہ تو ہو جاتا ہے' اسے نظر آئے یا نہ آئے' وہ مقصد ہے اس کا نظر آنا مقصد نہیں۔"

مشاہدات سے گمراہی

فرمایا۔" یاد رکھو مشاہدات سے جو لوگ گمراہ ہوتے ہیں ان سے یقیناً" کوئی ایسی بد عہدی اللہ سے ہوتی ہے کہ یہ حیات کا نسخہ ان کے لئے موت کا سبب بن جاتا ہے اور ہم نے ہوتے دیکھے اپنے ساتھی اپنے سے پہلے' اپنے سے بعد آنے والے اپنے سے پہلے صاحب کشف لوگ تھے ہمارے آنے سے پہلے ان کو گمراہ ہوتے دیکھا ہمارے ساتھ تھے انہیں مشاہدات ہوئے ان کو گمراہ ہوتے دیکھا ہم سے بعد میں آئے انہیں مشاہدات ہوئے انہیں گمراہ ہوتے دیکھا۔"

کشف و کافر

فرمایا۔" لا تفتح لھم ابواب السماء= کافروں کے لئے آسمانوں کے دروازے نہیں کھلتے ساری زندگی محنت کرنے کے باوجود کافر کو فرشتوں کی اور بالائے آسمان کی خبر نہیں ہے' یہ ممکن ہے کہ یہاں بیٹھا ہوا دور کی بات بتا دے نزدیک کی بات بتا دے لیکن عالم روحانی کی بات نہیں بتا سکتا کیونکہ اس کے لئے ایمان شرط ہے۔"

کیفیات و نبوت

فرمایا۔" کیفیات بعثت رسالت کے ساتھ ہی کامل و مکمل طور پر منعکس ہونا شروع ہو گئیں اگرچہ کتاب تیئس برسوں میں مکمل ہوئی' احکام تیئس برسوں میں مکمل ہوئے لیکن جو کیفیات قلوب انسانی کو ملیں وہ اس دن سے جس دن حضور ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا اگر اسی دن کوئی ایمان لے آیا تو اسی دن وہ ساری کیفیت اسے منتقل ہو گئی اور وہ درجہ صحابیت پہ فائز ہو گیا۔ نمازیں بعد میں فرض ہوئیں' روزے بعد میں فرض ہوئے' جہاد کے احکام بعد میں آئے لیکن نماز' روزہ اور جہاد سے مستفید ہونے کے لئے شرط وہی کیفیت تھی جو رسول ﷺ کی ذات و صفات سے اور آپ ﷺ کے سینہ اطہر کے نور ایمان سے مستفید

ہونے والے قلوب کو اور سینوں کو نصیب ہوئی' وہ کیفیت بنیاد بنتی ہے' قیامت پر یقین کی وہ کیفیت بنیاد بنتی ہے' ایمان بالغیب کی وہ کیفیت بنیاد بنتی ہے' اللہ کی بندگی کرنے کی' جذبہ پیدا کرنے کی وہ کیفیت بنیاد بنتی ہے اللہ پر بھروسہ کرنے سے۔ یہ جو کیفیات منتقل ہوئیں نبی علیہ السلام سے صحابہؓ کو صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے تابعین رحمتہ اللہ علیہا سے تبع تابعین کو اور پھر اہل اللہ کی ان کیفیات سے ہم فارغ نہیں ہو سکتے' ان سے ہم بے نیاز نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے بغیر یقین کا وہ درجہ حاصل ہونا ممکن نہیں جو مطلوب ہے۔"

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اجمعین کی عظمت

فرمایا۔ صحابیت ایک تبدیلی پیدا کرتی ہے کہ جو جس مقام پر بھی ہے وہاں سے اٹھا کر انسانی حقوق کے اعلیٰ ترین مقام پر لے جاتی ہے اگر اس کا ذوق علمی ہے تو علماء کا امام ہوتا ہے' اگر اس کا ذوق سپاہیانہ ہے تو ایک سالار ہوتا ہے اور اگر اس کا ذوق مدنی ہے' تو اخلاق کا بہت بڑا خزانہ بن جاتا ہے اور یہی بات حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمائی۔ ان کے جینے کے ڈھنگ بدل گئے' ان کے مرنے کے انداز جداگانہ ہیں تو حقیقتاً" تھوڑا سا فیصلہ انسان کے پاس ہے باقی سب کچھ وہ خود کرتا ہے کہ کیا وہ اس نعمت عظمیٰ کا طلب گار ہے یا نہیں بس یہ ہاں یا ناں ہے انسان کے پاس۔ پھر جتنی گہرائی سے ہاں نکلتی ہے' اتنے انعامات کے دروازے اس پہ کھول دیئے جاتے ہیں تو جب آپ ﷺ نے دنیا سے پردہ فرمایا تو جس طرح باقی نعمتیں بٹ گئیں اسی طرح یہ نعمتیں بھی بٹ گئی شیخین کریمین کا عہد جو ہے' اسے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ اس لئے کہتے ہیں کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا فاروق اعظم ؓ' انوارات نبوت میں اس قدر مستغرق تھے کہ ان کے دور میں وہ برکات ویسے ہی ضوفشاں رہیں' اس کے بعد جوں جوں کمالات بٹتے گئے حتیٰ کہ آپ دیکھتے ہیں کہ پھر تمام اوصاف کے علیحدہ علیحدہ وجود ہمیں نظر آتے ہیں' حکومت و سلطنت ایک شخص کے پاس نظر آتی ہے' تو درس و تدریس کسی دوسرے کے پاس' اسی طرح درس و تدریس میں پھر شعبے بن گئے' کسی نے فن تفسیر کو اپنایا کسی نے حدیث کو' کسی نے فقہ کو یعنی وہ کمالات وہ اوصاف جو بیک وقت ایک وجود اقدس میں موجود تھے' وہ تقسیم ہو گئے اپنی حیثیت و استعداد کے مطابق اوصاف مختلف افراد نے اپنائے

اسی طرح تصوف وسلوک کا بھی ایک طبقہ بن گیا۔"

صحابہؓ وکشف

فرمایا۔ "اس کے ساتھ بھی بے شمار خرق عادات ظہور پذیر ہوئیں اور اتنی کرامات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ظہور پذیر ہوئیں کہ انہیں سمیٹا نہیں جاسکا ایک یہ بھی بڑی عجیب سی نادانی ہے کہ لوگ کہہ دیتے ہیں کہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اجمعین کے عہد میں کرامات نہیں ہوئیں مگر معترض ان باتوں کو بھول جاتے ہیں کہ چند صحرا نشینوں کا جزیرۃ العرب سے اٹھ کر قیصرو کسریٰ خاک وخون میں غلطان کر دینا کیا اس سے کوئی بڑی کرامت ہو سکتی ہے چند خانہ بدوشوں کا اٹھ کر ایک عالم کے دل کو انوار و تجلیات سے منور کر دینا' اس سے بڑی کرامات کیا ہوگی اگر آپ چھوٹی چھوٹی باتوں کو ہی کرامت کہیں' تو اتنے واقعات ملتے ہیں کہ آدمی سب کو اکٹھا کرے تو عمر صرف ہو جائے اور وہ ختم ہونے میں نہ آئیں اور یہی تو وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن گواہی دیتا ہے کہ یہ میدان جنگ میں اترے تو اللہ نے فرشتوں کو حکم دے دیا کہ ان کے ساتھ مل کر جہاد کرو' اس سے بڑی کرامت کیا ہوگی یعنی ان کا اٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا کرامت ہے اور جو غیر مشروط طور پر مطبوع قرار دے دیئے گئے بغیر کسی شرط کے۔ اس لئے سابقین اولین مہاجر وانصار صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اجمعین قیامت تک آنے والے عالم اسلام پر ان کی اطاعت فرض کر دی گئی یعنی جو وہ کرتے تھے وہ کرو' کیا یہ کرامت نہیں ہے۔ لیکن سب خرق عادات میں ایک بات آپ کو ملے گی کہ ہر صاحب کرامت کی کرامت کا منشا بھی احیائے اسلام تھا اور اس کی زندگی کا منشا بھی احیائے اسلام تھا' اس کا جینا مرنا اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا اسلام کے لئے ہو گیا تھا۔

سلسلہ کی اہمیت

فرمایا۔ "تاریخ تصوف میں آج سے پہلے کسی کو اس طرح کھڑا نہیں کیا گیا' آپ پوری تاریخ اسلام دیکھ لیجئے خیر القرون کے بعد حضور اکرم ﷺ کا زمانہ وہ بابرکت دور ہے کہ جو بارگاہ نبوی ﷺ میں پہنچا' صحابیؓ ہو گیا' کوئی قید نہیں' مرد ہے' عورت ہے' بچہ ہے بوڑھا ہے' عالم ہے' جاہل ہے' مالدار ہے' غریب ہے' صحابیتؓ سے مشرف ہو گیا۔ اب صحابیتؓ میں

جو مدارج ہیں' وہ اپنی استعداد کے بعد' اللہ کی عطاء کے مطابق پاتا رہا ہے' کسی نے کیا بلندیاں پائیں' کسی نے دوسری کوئی خوبی حاصل کی' جس کا جیسے جیسے مزاج تھا' ویسے ویسے کمالات نصیب ہوتے گئے تو بنیادی طور پر شرف صحابیتؓ سے سب مشرف ہوئے' یہ عطائے باری صحابہؓ کے دور میں بھی رہی اور یہی کرم تابعین کے عہد میں بھی رہا۔

تبع تابعین کے بعد یہ نعمت عامہ اس طرح تقسیم ہونے سے روک دی گئی پھر خاص خاص لوگوں کو نصیب ہوئی' ہر شخص کو نہیں۔ ہر آنے والے کو کیفیات قلبی نصیب نہ ہو سکیں بلکہ جنہوں نے محنتیں کیں' عمریں لگائیں' پھر اس میں بتدریج کمی ہی آتی چلی گئی یہ نہیں کہ اہل اللہ میں لوگ چھوٹے چھوٹے آئے یا لوگ متقی نہیں تھے یا لوگوں کے مدارج کم تھے منازل کے اعتبار سے بڑے بڑے اللہ کے مقرب بندے آئے' بڑے بڑے علوم ظاہری و باطنی کے فاضل ایسے ایسے نامور نام ملتے ہیں جن کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی لیکن یہ اللہ کی عجیب تقسیم ہے کہ یہ نعمت تو باقی رہی اور کیفیات قلبی بھی باقی رہیں جو دین کی روح تھی۔"

سلسلہ کی عظمت

فرمایا۔ "ہمارے سلسلے کی تاریخ تصوف میں ایک انفرادی حیثیت ہے انسانی مزاج ایسا ہے کہ جب وہ لوگ اٹھ جاتے ہیں جب ان سے چلے جاتے ہیں تو پھر ان کی تصانیف پر سیمینار منعقد ہوتے ہیں' ان کی ذات پر تھیسز لکھے جاتے ہیں پھر شور شرابا ہوتا ہے' غالب ایک گھونٹ شراب کو ترستا مر گیا' اب اس کے نام پر غالب اکیڈمی بن گئی' کروڑوں روپے لگائے گئے' اس غریب کو تو کسی نے پانی کا پیالہ نہ دیا۔ یہ اس طرح کا ایک نظام ہے یہ سب کے ساتھ ایسا ہوتا چلا آرہا ہے کہ جب وہ لوگ اٹھ جاتے ہیں تو پھر بڑے دن منائے جاتے ہیں اور بڑی باتیں ہوتی ہیں تو تاریخ میں جب ایسا وقت آئے گا اس دور کے انسان یقیناً" حیران ہوں گے کہ یہ کیا لوگ تھے اور یہ کیا تماشہ کر دیا' انہوں نے کہا کہ آنے والے کا دل منور ہو جائے۔ حالانکہ چودہ سو سال میں خیرالقرون کے بعد پوری تاریخ تصوف میں اگر ایک صوفی کے پاس پانچ لاکھ بندے آئے ہیں تو اس میں سے بمشکل کچھ بندے اس نے ساری زندگی میں چنے ہوں گے۔ میں اپنی غرض سے بیان نہیں کرتا' کوئی نہیں روک سکتا تھا انہیں۔ لیکن کتنے لوگوں کو انہوں

نے لطائف سکھائے یا کتنے لوگوں کو فنافی الرسول کرایا حالانکہ انہیں خود ہوتا تھا آپ کرا سکتے تھے مگر یہ اتنا بھاری پتھر ہے کہ سب نے دور سے چوم کر چھوڑ دیا اور اتنا مشکل کام ہے کہ زندگی میں مجھے کبھی کسی مشکل سے اس قدر سابقہ نہیں پڑا جتنا دوسروں کو تصوف تعلیم کرنا اور انہیں عملی طور پر تفویض کرنا اور ان کے لطائف میں انوارات منتقل کرنا اور پھر وہاں ان کے لئے ایسا ماحول پیدا کرنا کہ وہ انوارات وہاں رہ جائیں دوسرے کے گھر میں جھاڑو دینا یہ اتنا مشکل کام ہے، جس گھر کی دیواریں آپ کی اپنی نہیں، جس گھر میں آپ کی پسند نہیں، جس گھر کی چیزیں آپ نے خریدی نہیں ہیں، جس میں سے چیزیں اٹھا کر باہر پھینکنا آپ کا کام نہیں ہے، جس میں رہنا آپ کا مقصد نہیں ہے، جو آپ کی کبھی ملک نہیں بن سکتا، اسے ایک خاص درجے پہ منتقل کرنا یہ اتنا مشکل کام ہے کہ گھر والا غیر شعوری طور پر ریزسٹ کرتا ہے، وہ نہیں جانتا لیکن وہ اپنا دفاع کرتا ہے اور انتقال برکات کا معاملہ مشکل ہو جاتا ہے۔"

سلسلہ کا ظہور

فرمایا۔ "اسی طرح برکات نبوت کی امانت کو جس نے اپنایا اسی کو صوفی کہا جاتا ہے، جیسے مفسرین کا طبقہ ہے، محدثین کا طبقہ ہے، فقہاء کا ہے، اسی طرح سلاطین وقت کا ہے، قاضی اور ان حکام کا ہے۔ اسی طرح صوفیاء رحمہم اللہ کا بھی ایک طبقہ بن گیا باقی تمام افراد نے ایک ایک وصف کو اپنایا لیکن جن کے حصے میں فیض صحبت آیا، ان میں ان کی استعداد کے مطابق ہر لہر میں صحبت کا اثر تو موجود ہوتا ہے ہر عالم صوفی نہیں ہوتا لیکن ہر صوفی عالم ہوتا ہے، ہر حاکم صوفی نہیں ہوتا لیکن ہر صوفی حاکم ہوتا ہے، ہر مفتی صوفی نہیں ہوتی لیکن ہر صوفی مفتی ہوتا ہے ایسے مضبوط اور ٹھوس فیصلے کیا کرتا ہے، جن میں کوئی جھول نہیں ہوتا یعنی باقی جتنے اوصاف ہیں، جتنے طبقوں نے اکیلے اپنائے، ایک ایک وصف اخذ کیا لیکن فیضان صحبت و برکات صحبت حاصل کرنے والے یہی لوگ تھے انہیں تمام اوصاف میں سے ان کی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ حصہ نصیب ہوا۔"

قلب

فرمایا۔ "حیات قلب کا اصلی سبب قرب الٰہی ہے جو جتنا رب جلیل کے قریب ہوگا، اتنی

اتنی اس میں حیات کی قوتیں زیادہ آئیں گی' صرف مال و دولت قلبی حیات کے اسباب نہیں بلکہ حیات کا اصل سبب نور ایمان ہے اور فرمایا کہ دنیا میں لائق صد تحسین تو وہ لوگ ہیں جو میرے جمال سے اکتساب نور کرتے ہیں اور میری مخلوق کے سینوں کو منور کرتے چلے جاتے ہیں' جو نہ صرف خود زندہ رہتے ہیں بلکہ ایک مخلوق کو زندگی تقسیم کرتے ہیں' خلق خدا کو زندگی فراہم کرتے ہیں اور یہی قرب الٰہی کی بین دلیل ہے۔ اس لئے حضور نبی کریم ﷺ نے ان کی نشانیوں کے بارے میں فرمایا وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ جن کے پاس بیٹھنے سے خدا یاد آجائے۔ یہی حال ان کا مادی دنیا میں بھی ہوتا ہے کہ لوگوں سے دولت یا اسباب لینے کی بجائے وہ اپنی قوت بازو' اپنی محنت سے' اپنی مشقت سے اپنا رزق پیدا کرتے ہیں اور غرباء اور محتاج ان کی اس محنت کے پھل میں شریک ہوتے ہیں لیکن ہر وقت ان کا اس بات کی طرف دھیان ہوتا ہے کہ قلوبھم وجلة انھم الٰی ربھم راجعون = لیکن ان کے دل کی نگاہ ہر وقت اس بات پر ہوتی ہے کہ دنیا سے رخصت ہونا ہے اور رب جلیل کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ اب دیکھیں یہاں عقل کو چھوڑ دیا ہے رب جلیل نے اور قلب کو لے لیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل انسانی اس مادی دنیا کے بقاء کے لئے پیدا فرمائی اللہ کریم نے دماغ کو انسان کے وجود میں آنے سے لے کر موت تک کی باتیں سمجھنے کی صلاحیت عطا فرمائی لیکن آخرت کو اس کی حدود سے باہر رکھا' آخرت کو سمجھنے کا آلہ قلب ہی بنا دیا۔"

قلب

فرمایا۔ "ہم ایک چیز کو مانتے ہیں مگر جب عمل کی باری آتی ہے' تو نہیں کرتے تو اب مومن اور کافر میں کس طریقے سے فرق کریں۔ آج کے دور میں کون سی حد فاصل ہو؟ جو حد فاصل قرآن کریم نے رکھی ہے' وہ یہی ہے کہ کافر کہتے تھے کہ آپ ﷺ کی بات ہمارے دلوں میں اثر نہیں کرتی اب اگر ہمارے دلوں کے گرد خواہشات کے' نفسیات کے' مادیت کے پردے پڑے ہوئے ہیں تو کیا ہمارے دل ذاکر ہیں؟ کیا ہمارے دلوں کے گرد خواہشات کے پردے نہیں؟ کیا ہمارے دلوں کے گرد وہی نفسیات کی دیواریں نہیں؟ کیا ہماری ساری محنت' ساری جدوجہد' ساری زندگی محض خواہشات نفسیاتی کی تکمیل میں خرچ نہیں ہو رہی؟ اگر ایسا

نہیں ہے تو پھر تو بڑی بات ہے اگر ہمارے دل پہ بات اثر کرتی ہے اللہ کی' اللہ کے رسول ﷺ کی' تو پھر تو بڑی بات ہے۔ اب اس اثر کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر اس بات کا دل پر اثر ہے تو پھر دماغ بھی اسی کو سوچے گا' ہاتھ پاؤں بھی اس طرف چلیں گے پھر ہماری عملی زندگی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے تابع ہو جائے گی کیونکہ قلب کے دو ہی تو خانے ہیں ایک خانہ آپ ﷺ کا اور دوسرا خانہ شیطان کا ہے۔"

قلب

فرمایا۔ "دلوں سے غفلت کی وجہ سے عمر بھر کی محنتیں رک جائیں گی' بیٹھ بیٹھ کر اٹھ جائیں گے اور نتیجہ سوائے نامرادی' سوائے مایوسی اور سوائے تباہی کے کچھ نہیں ہوگا یا تو ہم سب کو اپنے اپنے دلوں کا جائزہ لینا چاہیئے' اپنے اپنے سینوں میں جھانک کر دیکھنا چاہیئے کہ کہیں میرے مقصد میں کوئی کھوٹ تو نہیں' کہیں میرے کلمے میں کوئی دھوکا تو نہیں ہے' کہیں میرے ارادوں میں جھوٹ تو شامل نہیں ہے کم از کم خدا اور خدا کے رسول ﷺ کے ساتھ تو انسان کھرا رہے غلطی ہو جائے' گناہ ہو جائے' گناہ کو گناہ تو سمجھے' غلطی کو غلطی تو سمجھے اور یہ کہتا رہے کہ اللہ تو برحق ہے' تیرے نبی ﷺ نے جو فرمایا وہ حق ہے' جو میں کر رہا ہوں' یہ غلط ہے کم از کم یہ تو ہو اگر یہ بھی نہ رہے تو پھر اس کا کام تمام ہوا۔"

قلب و فیوضات نبوت

فرمایا۔ "اللہ کی طرف سے جو برکات اور جو توفیق ارزاں ہوتی ہے اس کا مہبط ہوتا ہے قلب رسول ﷺ ۔ ہر امت نے جو فضیلت بھی لی' جو نیکی بھی لی' جو بھی حقائق جانے اور جن رفعتوں تک پہنچی' انہوں نے اپنے نبی علیہ السلام کے قلب مبارک سے حاصل کیں اور تمام انبیاء علیہما السلام کے قلوب جو ہیں' وہ مستفید ہوئے قلب اطہر رسول ﷺ سے اور تمام امتوں میں خوش نصیب یہ آخری امت ہے کہ جس کے درمیان کسی اور نبوت کا واسطہ نہیں ہے بلکہ یہ براہ راست مستفید ہوتے ہیں' اس چشم صافی سے' جس چشم صافی سے دوسری امتوں کے انبیاء مستفید ہو کر اپنی امتوں کو سیراب کرتے تھے۔ سیراب ہونے کی کیفیت کے بارے میں فرمایا کہ جس طرح پہلی امتوں کے نبی علیہ السلام سیراب ہوتے تھے قلب اطہر

سے' اس امت کے ماننے والے لوگ اسی طرح سیراب ہونگے یعنی اشتراک اس وصف میں ہے۔ ورنہ نبی نبی ہوتا ہے اور غیر نبی اس کی اس منزلت اور اس کی اس شان کو نہیں پا سکتا لیکن جس چشمہ صافی سے انبیاء جو حضور ﷺ سے پہلے گزرے ہیں وہ انبیاء علیہما السلام سیراب ہوتے تھے۔ اس امت کے علماء نے اسی سے سیراب ہونے کی سعادت پائی۔

تو ہوتا یہ ہے کہ جب انسان ایمان لاتا ہے اللہ کریم اسے توفیق بخشتا ہے ایمان لانے کی تو جب اس کا دل تصدیق کرتا ہے' دیکھیں ایمان کا مدار تصدیق قلبی پر ہے' اب اس کا دل تصدیق کرتا ہے تو اس دل کے اور قلب اطہر رسول اللہ ﷺ کے درمیان ایک رابطہ قائم ہو جاتا ہے اور اگر چشم بینا ہو تو دیکھا جا سکتا ہے کہ بے شمار نورانی تاریں نکلتی ہیں قلب اطہر ﷺ سے' اور جہاں جہاں کسی دل میں ایمان ہے' وہاں وہاں تک پہنچتی ہیں۔ اب اس رشتہ ایمان کو مضبوط تر کرنے کا ایک طریقہ ہے اور وہ طریقہ ہے اطاعت رسول ﷺ کا۔ اس کے دو حصے ہیں ایک حصہ تو وہ ہے جو عام انسان کو نصیب ہے کہ ایمان لانے کے بعد تعلیمات نبوت سے آشنائی حاصل کرے اور اتباع رسالت کو شعار بنائے اپنا جینا مرنا' سونا جاگنا' اٹھنا بیٹھنا جتنا سنت کے قریب تر کرتا چلا جائے گا اتنا یہ رشتہ مضبوط اور اتنی اس میں تاریں بڑھتی چلی جائیں گی ہر سنت اس میں ایک تار بڑھا دے گی اور ہر اطاعت اس میں ایک تار بڑھا دے گی۔ عین ممکن ہے ایک باریک دھاگہ سے' رسہ' رسے سے بہت ہی موٹا رسہ اس سے ایک پانی کے نالے کی شکل اختیار کر جائے اور اس سے نہر و دریا بن جائے۔
دوسرا راستہ اس کا اس کو مضبوط تر کرنے کا یہ ہے کہ یہ بھی نصیب ہو اطاعت ہونا بھی نصیب ہو اور اس کے ساتھ برکات صحبت بھی نصیب ہو جائیں تو جب یہ شامل ہو جائیں تو اس کی ابتدا تار سے نہیں ہوتی' اس کی ابتداء نہر سے ہوتی ہے۔ ایمان کے ساتھ جب صالح عمل نصیب ہو جاتا ہے تو یہ ایک تار بنتی ہے اور ہر عمل اس میں ایک ایک تار کا اضافہ کرتا چلا جاتا ہے اگر ہم اپنی پوری زندگی اپنے پورے شب و روز کو اطاعت پیامبر میں سمولیں تو ہمارا وجود صداقت پیامبر کی گواہی بن جاتا ہے اگر اس میں برکات صحبت نصیب ہو جائیں' اطاعت پیار کے ساتھ برکات صحبت نصیب ہو جائیں' تو اس کی ابتداء ہی ایک بہت بڑی نہر یا ایک دریا کی صورت میں ہوتی ہے' تار کی صورت میں نہیں اور پھر یہ سمندروں کی طرح ٹھاٹھیں مارتا ہے۔

فرمایا۔ اب یہ سمجھ لیں کہ عمل کے علاوہ وہ برکات صحبت کیا شے ہیں تو برکات صحبت ایسی عجیب چیز ہیں کہ ایمان لانے کے بعد صحبت نبوی ﷺ میں جو بھی پہنچ گیا' ایک پل کے لئے پہنچ گیا تو وہ اسی آن صحابی رسول ﷺ ہو گیا' صحابیؓ محض ایک لفظ نہیں ہے' صحابیؓ ایک کوالیفکیشن ہے' صحابیؓ ایک معیار ہے' اور صحابیؓ کہہ دینا بالکل ایسے ہے جیسے آپ فوجی زندگی میں کسی کو جرنیل کہہ دیتے ہیں۔

فرمایا۔ ''موت وحیات کو سمجھنا یہ فعل دل ہی کا ہے۔ اسی لئے تاریخ انسانیت میں کسی فلسفی یا کسی دانش ور یا کسی مورخ یا کسی مدبر یا کسی طبیب نے موت اور مابعد الموت کی بات نہیں کی زندگی کے اس تھوڑے سے وقفے کے متعلق ساری کی ساری معلومات ہیں۔ انسان کے پیدا ہونے سے پہلے یا مرنے کے بعد کی بات اگر کہیں آپ کو سنائی دے گی تو ہمیشہ اللہ کے نبی اور اللہ کے رسولوں کی زبان سے ہوگی چونکہ ان کے قلوب منور ہوتے ہیں اور آخرت کو سمجھنا یہ دل کا کام ہے' یہ دماغ کا نہیں ہے۔ اس لئے یہاں ارشاد ہوتا ہے۔ قلوبھم وجلہ انھم الی ربھم راجعون۔ ان کے دل اس بات کے منتظر اور اس بات سے لرزاں اور ترساں ہیں اور اس بات پہ ان کی نگاہ ہوتی ہے کہ ہمیں اللہ کریم کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔''

حقیقت قلب

فرمایا۔ ''لیکن اتنا ضروری موضوع جس پر انسان کی دائمی زندگی کا مدار ہے' اس پر سے ہر کوئی شخص سرسری گزر جاتا ہے سمجھا یہ جاتا ہے کہ یہ ازخود ہو جائے گا' کیسے ہو گا' جب دنیا کا کوئی کام ازخود نہیں ہوتا' آپ کسی بھی کام پر بھروسہ نہیں کرتے کہ یہ ازخود ہو جائے گا' تو یہ اتنا بڑا کام اتنا نازک کام کیسے ازخود ہو جائے گا۔ اس کی شرح نبی رحمت ﷺ نے یوں فرمائی ہے کہ انسانی جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے' اگر وہ درست ہو جائے' وہ ٹکڑا سنور جائے تو سارا جسم سدھر جاتا ہے لیکن اگر اس میں خرابی پیدا ہو جائے' اس میں بگاڑ پیدا ہو جائے' وہ اپنی اصل سے ہٹ جائے تو سارے جسم میں فساد پیدا ہو جاتا ہے اس قلب کے اندر ایک لطیفہ ربانی رکھا گیا ہے اور یہ یقینی بات کان کھول کر سن لو' یہ قلب ہے جو محل تجلیات ہے' اس میں یہ کمال ہوتا ہے کہ جو بھی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام پر ایمان لائے' ان کے سامنے

جائے تو بیک نگاہ اس کا قلب کمالات کی انتہا کو اپنی استعداد کے مطابق پالیتا ہے۔ اس کے باوجود صحابہ کرام میں ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جنہوں نے خصوصی استدعا کی یا رسول ﷺ میرے قلب پر خصوصی توجہ دی جائے' مجھے مزید اصلاح کی ضرورت ہے۔ حدیثوں میں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے سینے پر ہاتھ پھیرنے کی درخواست کی' خصوصی توجہ کی درخواست کی یعنی باوجود اس کے کہ وہ شرف صحابیت سے مشرف تھے لیکن اصلاح قلب کی بنیادی اہمیت کی نوعیت سے واقف تھے۔

اصلاح قلب کے ثمرات

فرمایا۔ "ارشاد ربانی ہے کہ اللہ کسی ایسی قوم کو لے آئے گا جو اللہ کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور اللہ ان سے محبت کرتا ہے۔ یحبھم ویحبونہ جن سے اللہ بھی محبت کرے اور جو اللہ سے بھی محبت کرتے ہیں اور اس میں الا یخافون لومۃ الایم باتیں بنانے والوں اور ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہی نہ کرتے ہیں۔ محبت کا خاصہ یہ ہے کہ جب یہ راسخ ہوتی ہے تو پھر اتباع محبوب میں ملامت سے نہیں ڈرتے چونکہ یہ کیفیات تصوف یا تصوف جس کا نام ہے' یہ اول و آخر محبت ہے اور اللہ کی محبت کا یہ خاصہ ہوتا ہے کہ وہ آدمی مجسم محبت بن جاتا ہے' ہر ایک کے لئے' حتیٰ کہ یہ بھی دیکھا گیا کہ اچھے تو ہوتے ہی اچھے ہیں' حتیٰ کہ بروں کو بھی ان کے دامان شفقت میں جگہ ملتی رہتی ہے اور وہ شفقتیں' وہ محبتیں لوگوں کے دلوں کے مزاجوں کو تبدیل کرتی چلی جاتی ہیں تو اپنے دل کا حال دیکھنا چاہئے اور اسے رطب یابس سے بچانا چاہئے' رسومات سے احتراز کرنا چاہئے اپنی ہوشیاری دکھانے سے بچنا چاہئے اللہ کی رحمت کا انتظار' اللہ کی رحمت کی امید اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی کامل رحمت کا امیدوار ہونا چاہئے"

قلب و ایمان

فرمایا۔ "اب یہ جو یقین ہے جسے آپ ایمان سے تعبیر کرتے ہیں یہ دل کی ایک حالت کا نام ہے' شک بھی دل ہی کی ایک کیفیت کا نام ہے۔ دنیا میں جس قدر لوگ مختلف انسانی زندگی کے پہلوؤں پر قیادت حاصل کر لیتے ہیں' سب کے پاس محض الفاظ اور تھیوی ہوتی ہے' حالت

نہیں ہوتی یعنی کوئی انجینئر ساری تھیوری یاد کر سکتا ہے لیکن ایک نگاہ سے دیکھ کر کسی کو انجینئر نہیں بنا سکتا' حال منتقل نہیں کر سکتا یہ اگلے کی قابلیت ہے کہ ان الفاظ کو وہ کس حد تک سمجھتا ہے' کتنا اخذ کرتا ہے اور کتنی دیر میں اس بات کو پالیتا ہے پھر جب وہ ان پر عمل شروع کرتا ہے تو مختلف تجربوں سے گزرتے ہوئے وہ کسی درجے پر پہنچتا ہے' بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ سکھانے والے سے سیکھنے والا زیادہ قابل ثابت ہوتا ہے' اس سے آگے نکل جاتا ہے بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ اس آدمی پہ محنت کرتے کرتے تھک جاتے ہیں لوگ وہ سیکھ نہیں پاتے وہی الفاظ سنتا رہتا ہے لیکن انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام میں مختلف وصف رکھا ہے رب جلیل نے کہ نبی کے ارشادات و برکات کو جو شخص بھی مضبوطی سے تھامنے کا فیصلہ کرتا ہے اس میں نبی کی طرف سے حال منتقل ہو جاتا ہے اور اپنے قلب سے ایک ایسا رستہ بنانا پڑتا ہے کہ اس کا دل اسے کیفیات دینے پہ مائل ہو جائے پھر یہ ایک ایک تار جڑتی رہتی ہے' یہ قطرے سے دریا بن جاتا ہے' سمندر بن جاتا ہے حسب ہمت' حسب توفیق' حسب عطاء الٰہی اسباب بنتے رہتے ہیں اسی طرح اس میں بھی ایک ریشہ جڑتا جاتا ہے آپ کے ایک ایک ذکر کا' ایک سجدے کا' ایک ایک کیفیت جو حضور حق کی نصیب ہوتی ہے کبھی دعا کرتے ہوئے نصیب ہو جاتی ہے' کبھی بات کرتے نصیب ہو جاتی ہے' کبھی تنہا بیٹھے' کبھی سجدے میں کبھی اللہ مہربانی کرتا ہے' کبھی کوئی حضوری کا لمحہ بھی آجاتا ہے' تو یہ اس کے بڑھانے کا سبب بنتا رہتا ہے۔"

طلب و قلب

فرمایا۔ "صرف اس دعوے پر ہم یہ امید رکھیں کہ ہم کو اللہ نور بخشے گا اور ہمارے دل روشن ہو جائیں گے تو اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ صرف مومن بننے کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ پاؤں پر چل کر نہ آؤ' دلوں کو لاؤ۔ غریب ہو' مفلس ہو' جاہل ہو' ان پڑھ ہو لیکن اپنا سینہ چیر کر نبی کے قدموں میں رکھ دو۔ اس کے دل میں سب سے زیادہ عزت اور وقعت جو ہو وہ نبی کے حکم کی ہو' باقی کسی کی ہو تو اس کا درجہ اس کے بعد ہے یعنی طلب اس کی ہدایت کا سبب بنے گی۔

قلب کی بصیرت

فرمایا۔ ”دل میں جب جلا آتی ہے‘ تو اللہ اسے توفیق دیتا ہے‘ حقیقتہ الاشیاء کے دیکھنے کی پھر اسے سمجھ آتی ہے کہ موت کیا ہے اور حیات کیا ہے پھر اسے پتہ چلتا ہے کہ موت جدائی کا نام ہے بدن سے روح کی‘ جدائی اصلی کا نام نہیں موت۔ دراصل مخلوق کا خالق سے جدائی کا نام موت ہے۔ باقی تو نیچر کے پراسس ہیں‘ فطرت کے پراسس ہیں‘ فطرت کے معمولات ہیں وہ چلتے رہتے ہیں دراصل زندگی اللہ کی ذات سے وابستہ ہونے میں ہے اور اس کے سوا سب موت ہے۔ ھوالحی القیوم وہ زندہ اور قائم ہے باقی سب نہ ہونے کے برابر ہیں جو اس کا ہو گیا وہ زندہ ہے خواہ جہاں بھی ہے زمین پر ہے‘ زیر زمین ہے‘ جوان ہے‘ بوڑھا ہے‘ امیر ہے‘ غریب ہے‘ بیمار ہے‘ وہ زندہ ہے ورنہ نہیں۔“

معمولات یومیہ

فرمایا۔ ”دل میں جب خیال آجائے تو ہر نماز کے ساتھ توبہ کیجئے‘ استغفار پڑھیئے دوبار‘ تین بار‘ پانچ بار‘ سات بار اور اسے معمول بنالیجئے۔ پانچ نمازوں میں بیس بیس بار ایک تسبیح پڑھے‘ تو استغفار روزانہ کم از کم 100 ہو ہی جائے“

ایمان ونبوت وذکر

فرمایا۔ ”نبی کریم ﷺ نے جو فرمایا‘ اس کو مان لینے کا نام ایمان ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اسے یقین ہو نبی رحمت ﷺ کے ارشادات پر اور اس کے ساتھ وہ اللہ کا ذکر کرے الذین امنو وتطمئن قلوبھم بذکر اللّٰہ۔ وہ اپنے دل کو اللہ کی یاد سے اطمینان کے قابل بنالے تاکہ دل میں وہ قوت آجائے کہ وہ ایک جگہ جم کر کھڑا ہو سکے۔ اپنے اس یقین پر جو اپنے نبی علیہ السلام کے ساتھ ہے اپنے اس یقین پر جو اسے اللہ رب العزت کے ساتھ ہے‘ اپنے اس یقین پر جو اسے آخرت کے ساتھ ہے اس پر دل جم سکے جب یہ یقین نصیب ہو جاتا ہے تو سارا معاملہ سیدھا ہو جاتا ہے۔“

طلب و قلب

فرمایا۔ "آخرت کے لئے آدمی بھی کام تب کر سکتا ہے کہ جب اس کا تعلق آخرت کے ساتھ مضبوط ہو جائے' وہاں سے کچھ تعلق ہو' کچھ رشتہ ہو' وہاں کی کچھ فکر ہو' اب یہ کیسے ہو' یہ صرف اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب اس کا تعلق اللہ کی ذات سے ہو اور وہ اللہ کا ذاتی دیدار ہو گا جہاں ہر شخص کو اللہ سے کلام کرنے کی توفیق ہو گی اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے آخرت کی۔ جب تک یہ فیصلہ دل میں نہ ہو آخرت کی کوئی طمع بھی اس سے دنیا نہیں چھڑا سکتی' آپ جنت کے محلات کا لالچ دیں لیکن اس کو فرق نہیں پڑھے گا لیکن جب دل میں طلب آجاتی ہے تو ذات باری ایک ایسی عظیم نعمت ہے تجلیات کلام باری ایسی عظیم نعمت ہے اگر اللہ کے ساتھ اس کا تعلق ہو جائے اور اس کی تجلیات کی طلب اس کے دل میں آئے تو اللہ اس کے دل میں اپنی تجلیات ڈال دے گا تو اب اس میں تڑپ پیدا ہو گی جس کے نتیجے میں قرب الٰہی کے لئے سارے ضروری اعمال کی بھوک لگ جائے گی۔"

مہر قلبی کا نتیجہ

فرمایا۔ "وطبع علی قلوبھم- دلوں پر مہر ہو گئی ہے' بات ختم ہو گئی۔ اس لئے کہ مسلمانوں نے غیر مسلموں کا ساتھ دینا پسند کر لیا کہ خیر ہے' ہم ان میں ٹھیک ہیں ہم ان سے آگے نہیں جا سکتے اس فیصلے نے دلوں پر مہر لگا دی۔ جس سے انسانی غیرت کی عادات بھی بدل جاتی ہیں تم لا یفقھون- انہیں یہ سمجھ بھی نہیں آتی کہ ہمیں کرنا کیا چاہئے ان سے وہ ضمیر نام کی چیز جسے آپ غیرت یا غیرت دینی کہہ لیں وہ ختم ہو جاتی ہے ان کی سمجھ میں نہیں آتی پتہ ہی نہیں چلتا۔"

قلب کی اہمیت

فرمایا۔ "آپ کسی کی زبان سے وعظ سننا چاہتے ہیں اگر اس کا موڈ بنے گا تو وہ کرے گا آپ اسے پتھر ماریں' تھپڑ ماریں' بے عزتی کریں کہ ہمیں اب تقریر سنا دو تو وہ تو نہیں کرے گا' زبان بھی وہی ہے' بندہ وہی ہے' علوم اس کے وہی ہیں لیکن وہ نہیں کر سکے گا کیونکہ وہ ناراض ہو چکا ہے' تو دل تو اس سے زیادہ نازک ہوتا ہے' جب آپ کسی کے دل سے کوئی چیز لینا چاہتے

ہیں' تو پھر آپ کو اپنا دل پیش کرنا ہے تاکہ وہ ان برکات کو اخذ کرے۔"

قلب

فرمایا۔ "وقالو قلوبنافی اکنت اساطت مائدعوننا الیہ= جس چیز کی طرف ہمیں بلاتے ہیں وہ ہمارے دلوں میں جگہ نہیں پاسکتی اس لئے کہ ہمارے دلوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوت کے درمیان پردے ہیں۔ دلوں کے گرد پردہ کس طرح سے بن جاتا ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ جسے قرآن حکیم قلب کہتا ہے وہ شے کیا ہے؟ دل ایک گوشت کا ٹکڑا ہے' جو سارے جسم میں خون پہنچاتا ہے' اسے واپس لاتا ہے' جگر سے گزرتا ہے' صاف ہوتا ہے' پھر واپس بدن میں جاتا ہے یوں ساری عمر یہ چلتا رہتا ہے' دھڑکتا رہتا ہے' ایک پمپنگ سٹیشن ہے لیکن جس طرح زبان ایک گوشت کا ٹکڑا ہے مگر اللہ نے اس میں قوت گویائی رکھی ہے پاؤں گوشت اور ہڈیوں کا ایک مجموعہ ہے' مگر ان میں چلنے کی سکت ہے اگر پاؤں نہ ہوں تو باقی سارا بدن نہیں چل سکتا' ہاتھ بھی ایک ہڈیوں کا گوشت کا مجموعہ ہے مگر اس میں پکڑنے کی سکت ہے آنکھ بھی تو ایک گوشت اور پٹھوں کا مجموعہ ہے' اس طرح قلب میں بھی قوت ہوتی ہے' جو متاثر ہوتی ہے اور متاثر کراتی ہے اور سکھانے پر بول سکتا ہے۔"

روح و جسم

فرمایا۔ "اس وجود کے اندر کئی دوسرے عالم آباد ہیں جنہیں ہم محسوس نہیں کر سکتے تو فضا میں کتنے اور آباد ہوں گے وہ جاننا تو ہمارے بس کی بات بھی نہیں ہے دراصل ارواح کا ٹھکانہ بعد الموت علین یا سجین میں ہوتا ہے لیکن یہ یاد رہے کہ بدن میں داخل ہونے کے بعد بدن اور روح کا جو تعلق ہے وہ کبھی نہیں ٹوٹتا۔ دنیا میں مکلف بالذات بدن ہوتا ہے' سامنے بدن ہوتا ہے' گرمی سردی' دوستی دشمنی' خوشی غمی بدن کو نصیب ہوتا ہے' اس کے حوالے سے روح بھی تڑپتی ہے لیکن اس کی تڑپ نہ کوئی دیکھتا ہے نہ کوئی سنتا ہے خود آدمی پریشانی محسوس کرتا ہے دوسرا یہ بھی محسوس نہیں کر سکتا کہ یہ کتنا پریشان ہے کوئی اس کا پیمانہ نہیں' پس موت زندگی کے خاتمے کا نام نہیں' موت صورت حال کی تبدیلی کا نام ہے۔"

عرش کا بیان

فرمایا۔ "حضرت جرائیل کو قرآن نے مطاع کہا ہے یعنی سردار ہیں سارے فرشتوں کے مطاع ثم امین۔ شب معراج سدرہ المنتہٰی تک آپ ﷺ کے ہم رکاب رہے اور وہاں پہنچ کر معذرت کرلی آگے جانے سے' جس انداز میں انہوں نے معذرت کی' مولانا روم فرماتے ہیں کہ انہوں نے معذرت کی اور عرض کیا کہ اگر میں سر موئے برتر پرم' فروغ تجلی بسوزد پرم' میں اس سے آگے اگر سر مو بھی بڑھوں تو تجلیات باری میرے پروں کو جلا کر رکھ دے گی' میری اس سے آگے کی جرات نہیں ہے یہاں تک میری رسائی ہے۔ عالم خلق اس سے آگے چلتا رہتا ہے بعض وہ ملائکہ جن کا تعلق عالم دنیا سے نہیں ہے بلکہ ان کی ذمہ داری عرش الٰہی سے ہے' وہیں ان کی خدمات ہیں' وہ تو وہاں ہوتے ہیں اس سے آگے عرش الٰہی ختم ہو جاتا ہے آنکہ آمد نو فلک معراج او۔ انبیاء و اولیاء محتاج او۔ عرش کے بارے میں علمائے تحقیق کی رائے ہے کہ عرش نو ہیں یا اس کے نو حصے یا طبقے یا نو عرش ہیں' جہاں نویں عرش کی انتہا ہوتی ہے' اس سے آگے جو کچھ ہے' اسے لامکان کہتے ہیں یا عالم حیرت کہتے ہیں' اس لئے کہ اس سے اوپر مخلوق کی رسائی نہیں ہے' اس کے بارے میں مخلوق کے پاس سوائے حیرت کے کچھ نہیں ہے' کسی مقام کا نام نہیں رکھا جاسکتا' کسی مقام کا کوئی تعین نہیں کیا جاسکتا' اس لئے اسے لامکان یا عالم حیرت کہہ دیا جاتا ہے۔ میرے خیال میں اتنی معلومات بھی بہت ہیں اس کے بارے میں یہ اللہ کریم کا احسان ہے بنی آدم پر کہ بنی آدم کو نور نبوت سے نوازا گیا اور نبوت وہ درجہ قرب ہے جو دوسری کسی مخلوق کو حاصل نہیں ہے۔ برکات نبوت اور فیوضات نبوت اگر نصیب ہوں تو یہ تمام عرش ہوں یا عالم حیرت ہو' یہ سارے انسانی روح کی رسائی کی زد میں ہیں۔ یہ عظمت ہے برکات نبوت کی بہ اتباع نبوت' بہ اتباع رسالت' باتباع محمد رسول ﷺ۔ روح انسانی ان منازل پر پہنچ سکتی ہے' وہاں جا سکتی ہے اللہ کریم چاہیں تو مشاہدہ بھی کرا دیتے ہیں اور زیادہ تفصیلات کا جسے شوق ہو وہ ہمت کرے' محنت کرے اور جا کر دیکھے چونکہ وہ چیزیں مشاہدے سے علم میں آتی ہیں' وہ بتانے والا بتا نہیں سکتا' بتاتا رہے تو سمجھ نہیں آتی سمجھ نہ آئے' تو پھر ماننے کو جی نہیں چاہتا' تو اس سے زیادہ تفصیل جسے چاہیئے' وہ محنت کرے' اللہ سے دعا کرے' ہم بھی دعا کریں گے کوششیں بھی کریں گے' اللہ کرے وہاں

جائے، پہنچے۔"

روح و جسم

فرمایا۔ "ایک درندہ بھی جنگل میں پھرتا ہے اور ایک انسان بھی زمین کے سینے پر سفر کرتا ہے۔ مقصد سب کا ایک ہی ہوتا ہے مدارج سب کے جداگانہ ہوتے ہیں اور ضرورتیں اپنی اپنی، لیکن معیار ایک ہی ہوتا ہے کہ وجود کی ضرورت کو اس طرح سے پورا کیا جائے جس طرح سے پورا کرنے میں کچھ لذت بھی حاصل ہو تو یہاں تک تمام حیوانات برابر ہیں، انسان بھی انہی میں سے ہے لیکن انسان کو صرف وجود نہیں دیا بلکہ اسے مزید ایک کمال عطا فرمایا ہے اور وہ اس کی روح ہے جو عالم خلق سے نہیں ہے۔ قل الروح من امر ربی اور امر ربی جو ہے یہ صفت ہے ذات باری کی، مخلوقات جو ہیں ان کی ابتداء بھی ہے اور انتہا بھی ہے لیکن صفات کی نہ ابتداء ہے نہ انتہا ہے، جس طرح ذات قدیم ہے، اسی طرح اس کی صفات قدیم ہیں اور امر صفت ہے ذات باری کی، اور روح متعلق ہے امر ربی سے تو اس مشت خاک میں اپنے امر کو سمو دیا، جسے ہم روح کہتے ہیں اور اس طرح سے سمو دیا کہ وہ جسم کا ایک حصہ بن گئی۔ اس کا جسم بھی باقی جانوروں کی طرح مادی تھا، بدن کی ضروریات مادی تھیں، لذات مادی تھیں تو اس لئے جسم کی تمام ضرورتوں کا مرکز زمین قرار دیا گیا کیوں کہ اس کی ساری ضرورتیں زمین ہی سے پوری ہوتی ہیں لیکن روح مخلوق سے بالاتر اللہ کے اوصاف میں سے اور عالم امر میں سے ہے تو اسی طرح اس کی غذا بھی عالم امر سے حاصل ہو گی اور اس کی لذتیں جو ہیں وہ بھی عالم امر سے متعلق ہوں گی جس طرح جسم کی زمین میں سے ہے پرندہ درندہ اور حیوان مادی غذا حاصل کر کے مزے سے سو جائے تو ان کا مقصد پورا ہو گیا لیکن انسان صرف مادی غذا پر زندہ نہیں رہ سکتا، اس کی اصل چونکہ روح ہے، جس کو اپنی غذا کی ضرورت ہے اور وہ غذا عالم امر میں سے ملتی ہے اور بالواسطہ انبیاء علیہم السلام وہاں سے آتی ہے تو جب تک اسے روحانی غذا اور روحانی لذات حاصل نہیں ہوں گی وہ انسان بمعہ روح زندہ نہیں رہ سکتا اور اگر اس طرف سے یعنی عالم امر سے اس کا تعلق منقطع ہو گیا، اس کا عالم امر سے یہ رشتہ ٹوٹ گیا تو پھر یہی انسان ایک عام جانور کی طرح ہے، اس انسان میں اور جانوروں میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ اب اس کی

روح کی موت واقع ہوتی ہے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں کا عالم امر سے تعلق کا رشتہ منقطع ہو چکا ہے' ان کی زندگی میں اور کسی درندہ کی زندگی میں کوئی فرق نہیں چونکہ انسان کے لئے صرف یہ مقصد حیات نہیں ہے کہ وہ صرف دولت جمع کرے' صرف مکانات بنائے اور بچے چھوڑ کر مر جائے یہ تو ایک درندہ بھی اپنے لئے کرتا ہے' جائے پناہ بھی بناتا ہے' بچے بھی پیدا کرتا ہے اور چھوڑ کر مر بھی جاتا ہے۔ انسان کا عالم آب و گل میں رہتے ہوئے ساری مخلوق کے ساتھ اس تگ و دو میں شامل ہو کر اپنی حیات کے ذرائع اور اسباب مہیا کرنے کے باوجود ضروریات پوری کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی روحانی لذات کی طرف متوجہ ہو جانا ضروری ہے' اس لئے عالم امر سے تعلق بنانے میں یہ اکیلا رہ جاتا ہے' یہاں تک کہ فرشتے بھی اس سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اب یہ بڑی عجیب بات ہے کہ انسان کے پاس اتنی فرصت کہاں سے آئے گی کہ وہ ان مادی ضروریات کو پورا کرنے کے بعد بھی اتنی بلند پرواز کرے کہ تخلیقات کا دائرہ نیچے رہ جائے اور وہ عالم امر میں پہنچ جائے اور ان لذائز کو جمع کرے' جو اس کی روح کی نہ صرف حیات کا سبب ہیں بلکہ ترقی درجات کا سبب بھی بن جائیں تو یہ ممکن کیسے ہے اور عالم ہاؤ ہو میں صبح سے شام اور شام سے صبح تک تو اس کے وجود کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں اور اس سے مطالبہ عالم امر کے لذائز کو جمع کرنے کا کیا جا رہا ہے' یہ کیسے پائے گا۔ اس کا منبع و ماخذ اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہے جو اس کا تعلق عالم امر سے قائم کرا دے گا۔"

قواعد کی پابندی

فرمایا۔ "اصول یہ ہے کہ ہر کام میں نفع کمانے کا کوئی خاص طریقہ ہے' اس قاعدے اور اس سلیقے سے اگر وہ کام کیا جائے تو اس پر نفع مرتب ہوتا ہے لیکن اگر قواعد و ضوابط کے خلاف آدمی بغیر کسی نشیب و فراز کی پروا کئے ہوئے بھاگتا چلا جائے' تو اس کی سلامتی مشکوک ہو جاتی ہے۔ کسی بھی کام میں آپ اس کے قواعد و ضوابط کا لحاظ نہ رکھیں اور اسے بے دھڑک کرنا شروع کر دیں تو اس میں نفع کی امید کم ہوتی ہے دراصل امور دنیا میں نفع و نقصان کا تجزیہ کرنا یہ دماغ کا کام ہے' دنیا مادی ہے' اس کی چیزیں مادی ہیں' عقل خود مادی ہے' ذہن انسانی خود مادی

ہے' اور اس کے لئے رب کریم نے دماغ عطا فرمایا ہے تاکہ دنیا اور دنیا کی اشیاء کا تجزیہ کر کے نفع و نقصان میں تمیز کرے اور نقصان سے بچنے کے طریقے اپنا سکے اور نفع کمانے کے طریقے سیکھے اور اس پر عمل کرے۔

اگر تو زندگی میں محض حیوانی زندگی کی حد تک رہے گا تو پھر اس کی رہنمائی کے لئے صرف دماغ کافی ہے لیکن انسان ایک عجیب شاہکار ہے' رب جلیل کا بنایا ہوا کہ یہ بستا تو فرش خاک پر ہے لیکن اس کا یہ اٹھنا' بیٹھنا' کھانا' پینا' چلنا' پھرنا اور امور دنیا کو انجام دینا صرف اس فرش خاک کو متاثر نہیں کرتا بلکہ بالائے افلاک کو متاثر کرتا ہے۔ یہ ایسی عجیب مخلوق ہے اللہ کی' کہ ہر انسان اس کی حرکات و سکنات اس کے ارادے' اس کی خواہشیں' اس کی آرزوئیں عالم آب و گل میں ہلچل پیدا کرتی ہیں' وہ کسی شے کو لینا چاہتا ہے' وہ کسی کو چھوڑ دینا چاہتا ہے' اور وہ اشیاء اس عالم آب و گل میں سجی ہیں' ان میں تحرک پیدا ہوتا ہے' کہیں سے وہ راستہ بناتا ہے' کہیں سے راستہ بند کرتا ہے' اتنا اثر تو ہر حیوان کی حرکت سے بھی ہوتا ہے' جنگل کا درندہ بھی جب حرکت کرتا ہے تو کہیں سے گھاس کچلی جاتی ہے' کہیں سے جھاڑیاں ٹوٹتی ہیں' کہیں کوئی کمزور جانور اس کا شکار ہوتا ہے' کہیں خون گرتا ہے' کہیں سے وہ پانی پیتا ہے' کہیں پتھر لڑھکتا ہے اور کہیں آرام کے لئے جگہ بناتا ہے تو عالم آب و گل میں تو حرکت اس کی حرکت سے بھی پیدا ہوتی ہے بالکل اسی طرح اس انسان کی حرکات و خواہشات و ارادے بالائے افلاک کو متاثر کرتا ہے۔"

تخلیق کے کمالات

فرمایا۔ "نظام ربوبیت اتنا مربوط اور منظم ہے کہ اگر انسانی جسم سے ایک خلیہ بھی Displace ڈس پلیس ہونا شروع ہو جاتا تو آج تک انسانی اشکال کی بجائے شاید ہمیں انسان ہاتھی کی طرح نظر آتے یا کوئی اور کسی قسم کی شکل بن چکی ہوتی لیکن اتنا مضبوط نظام ہے رب العالمین کا کہ ہر خلیہ اپنے وقت پہ ٹوٹتا ہے' اپنے وقت پہ بنتا ہے اور اتنے مربوط طریقے سے بنتا ہے کہ اتنے انسان پیدا ہو چکے' جو گنے نہیں جاتے' سب کے دو ہاتھ دو پاؤں دو کان اسی طرح کی ناک اسی طرح کی دو آنکھیں اسی طرح کے ہونٹ اسی طرح کے دانت یہی حلیہ اسی طرح

کے قد کاٹھ یہی انسانی رنگتیں جو شناسا ہیں لیکن اس سب کے باوجود کبھی دنیا میں کوئی دو آدمی ایسے نہیں گزرے' جن میں ایک دوسرے سے کوئی غلط فہمی پیدا ہو جائے کہ یہ فلاں آدمی ہے' سب کی شخصیت الگ' سب کی عمریں الگ سب کا شعور الگ' سب کی سوچ الگ' سب کی قسمت الگ سب کا انداز بیان الگ' سب کا اٹھنے بیٹھنے کا سلیقہ الگ' پتہ نہیں اللہ کریم کے نظام میں کتنی وسعتیں' اس کے پاس کتنے خلیئے پر نٹڈ ہیں جو گزر چکے ہیں اور کتنے موجود ہیں' جو گزریں گے اس کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے' کوئی انسان اس کا احاطہ ہی نہیں کر سکتا' یہ ایک مسلسل عمل ہے' جو ہمارے سامنے ہو رہا ہے اور جسے کبھی ہم نوٹ ہی نہیں کرتے' محسوس ہی نہیں کرتے' اس عمل میں ہمارے سامنے موت وحیات بھی ہے اور ہر نظام ایک خاص سلسلہ کا جکڑا ہوا نظر آتا ہے۔"

موت وحیات

فرمایا۔ "ہم موت اس کو سمجھتے ہیں کہ آدمی جب دنیا سے اپنا وقت پورا کر کے برزخ کو چلا جاتا ہے تو وہ مر گیا ہے۔ رب جلیل فرماتے ہیں موت تو زندگی کے تسلسل میں ایک عمل ہے' کبھی وہ عالم امر میں تھا' پھر پشت پدر میں آیا' شکم مادر میں آیا اور دنیا میں آیا' برزخ میں جائے گا' میدان حشر میں جائے گا' یہ ایک مسلسل عمل ہے۔ میدان حشر میں فیصلہ ہو کر وہ اپنے اصل ٹھکانے پر پہنچے گا' اپنی منزل کو پائے گا کہ وہ کون سے گھر کو پہنچتا ہے' اپنے اصلی گھر واپس پہنچتا ہے' یا بھٹک کر راستہ کھو کر خدا کے عذاب میں اللہ کے عذاب میں (اللہ پناہ دے) کہیں گرفتار ہو جاتا ہے اور یہی حقیقی موت ہے کیونکہ حقیقی موت قرآن حکیم کے نزدیک یہ ہے کہ اس گھر کا راستہ بھول جائے' اپنے اصل ٹھکانے کو کھو بیٹھے' اپنی منزل کو کھو بیٹھے اور غلط سمت کو' غضب الٰہی کی سمت کو' عذاب الٰہی کی سمت کو' روانہ ہو جائے اور ایمان ضائع کر دے اور کفر کی تاریکیوں میں ڈوبنا شروع ہو جائے تو حقیقتاً" موت اس عمل کا نام ہے' جس سے اس کی روح مر جاتی ہے' جس سے اس کا دل مر جاتا ہے۔ جس طرح ایک شاعر نے کہا تھا ان کافروں کے وجودوں کو زندہ نہ سمجھو بلکہ یہ چلتی پھرتی قبریں ہیں ان کے اجسام قبر میں جانے سے پہلے یہ بدن جو ہیں' ان کی روحوں کی قبریں بن چکی ہیں اور روح اس کی لاش کو گھسیٹتے ہوئے پھر رہے

ہیں' ان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے حبیب ﷺ جن کی ارواح اللہ سے اس قدر منقطع ہو چکی ہے کہ ان کے پاس کوئی تصور ہی ذات باری کا نہیں رہا' وہ بالکل ہی خود سر ہو گئے ہیں اور محروم ہو گئے ہیں' اس تصور سے ہی اس کی تلاش و جستجو کا بھی کوئی شائبہ ان کے پاس نہیں رہا انہیں یوں سمجھو' جیسے وہ مر چکے ہیں اب یہ آپ ﷺ کے بس کی بات نہیں کہ ان مردوں کو آپ سنائیں۔"

سماع اور اسماع

فرمایا۔ "سماع اور اسماع میں بھی ایک فرق ہے۔ اسماع وہ سننا ہوتا ہے جو نافع ہو یعنی ایسا سننا جس پر سن کر عمل کرنے کی گنجائش موجود ہو اسے اسماع کہتے ہیں تو میت کے پاس سن کر عمل کرنے کا وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے یعنی ایسا سننا جو اس کے لئے مفید ہو' اس کا وقت گزر چکا ہوتا ہے آپ میت کے سرہانے سارا وعظ کہہ دیں اور وہ سمجھ بھی لے اور اسے وہ پسند بھی آئے لیکن وہ اٹھ کر عمل تو نہیں کر سکتا وہ وقت تو ختم ہو چکا اس لئے وہ بات اس انداز میں سنانا کہ سننے والے کو نافع اور مفید ہو' اس درجے سے وہ مردہ گزر چکا ہوتا ہے فرمایا کافر کی مثال بھی ویسی ہے۔"

روح و جسم کا تعلق و برزخ

فرمایا۔ "سوال یہ ہے کہ عقل' روح اور انسانی جسم کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ روح اور جسم کا کیا تعلق ہے۔ مجھے تو یہ عجیب سے بات لگتی ہے یہ تو کوئی ایسی بڑی علمی بات نہیں ہے بحیثیت مسلمان ہمارا تو یہ ایمان اور عقیدہ ہے کہ روح امر ربی ہے اور جسم مادے کی مختلف صورتوں کا مجموعہ ہے۔ جسم و روح کے درمیان تعلق یہ ہے کہ جسم روح کے بغیر محض مادے کی آمیزش ہے جبکہ انسانی جسم ہی وہ قالب ہے جو روح کا مسکن ہے جس میں روح لطیف ہے' اسی کی وجہ سے جسم میں حیات ہے اور روح کے قائل رہنے کے لئے جسم اس کی ضرورت ہے' غذا ہو یا دوا ہو' صحت ہو یا بیماری ہو یہ سارا کچھ بدن کی ساری تعمیر کا حاصل ہے کہ وہ روح کے مسکن بننے کے لائق رہے جب وہ اس لائق نہیں رہتا' تو ان میں مفارقت ہو جاتی ہے اور اسی حالت کو مادی موت کہتے ہیں' کافر معاشرے میں موت زندگی کے خاتمے کا نام ہے۔ بعض

کافر مذاہب کسی دوسری طرز کی زندگی کے قائل ہیں لیکن دین حق میں موت اس دنیا سے اگلی اور حقیقی دنیا کی طرف سفر کا نام ہے' خاتمے کا نام نہیں ہے بلکہ عالم دنیا سے جہاں منتقل ہوتا ہے' اسے برزخ کا نام دیا گیا ہے' آپ جسے جدید زبان میں ٹرانزٹ کیمپ کہہ سکتے ہیں' انتظار گاہ کہہ سکتے ہیں برزخ کا معنی دو چیزوں کے درمیان جو پردہ یا حجاب یا دو چیزوں کو الگ الگ کرنے کے لئے جو چیز درمیان میں ہوتی ہے' وہی برزخ ہوتا ہے۔ ہر مرنے والا برزخ میں ہی قیام کرتا ہے' برزخ کی صورت حال یہ ہوتی ہے کہ جس طرح اس دنیا میں روح پس پردہ ہے' سارا کچھ بدن سے متعلق ہے' جسم سے متعلق ہے' ذاتی طور پر تعلیم و تعلم' حلال و حرام' نیک و بد' مرض اور صحت' خوشی اور غم یہ سارا کچھ براہ راست بدن سے متعلق ہے لیکن اس سب کا اثر روح پر مرتب ہوتا ہے۔ برزخ میں جانے کے بعد مکلف بذات روح کو قرار دیا جاتا ہے' گرمی سردی' آرام راحت' فکر اندیشہ' عذاب ثواب روح کو ملتی ہے جیسے حالات بھی پیش آتے ہیں' وہ روح کے ساتھ جسم کو پہنچتے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح یہاں بذات مکلف بدن ہے لیکن بدن پر بیتنے والی کیفیات روح کو متاثر کرتی ہیں اگر بدن نیک اعمال کرے تو روح کو جلا ملتی ہے اگر بدن گناہ کرے تو روح پر غبار آتا ہے' بدن کو خوشی ہو تو روح کو بھی خوشی ہوتی ہے اگر بدن کو دکھ ہو تو روح کو بھی تڑپ ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر روح کو وہاں عالم برزخ میں ثواب پہنچے تو بدن کے ہر اس ذرے تک جو بدن سے کبھی متعلق رہا ہے اپنے اپنے حصے کا ثواب یا خوشی یا راحت پہنچتی ہے' خدانخواستہ اگر عذاب پہنچے یا کفار کو جس طرح عذاب ہوتا ہے تو اس عذاب کی کیفیات بھی اس بدن کے ہر اس ذرے تک جاتی ہیں' جو اس بدن کا حصہ رہا ہو کیونکہ ہر ذرے کا تعلق روح سے کلی طور پر منقطع نہیں ہوتا لیکن جب قیامت ہوگی تو بدن اور روح دونوں برابر برابر مکلف قرار دیئے جائیں گے' کوئی جنت میں جائے یا جہنم میں' جتنی راحت جنت کا بدن محسوس کرے گا' اتنی ہی تکلیف ان کی ارواح کو بھی محسوس ہوگی۔ روح اور بدن کا رشتہ اللہ کریم نے ایسا بنایا ہے کہ اس نے جو ذرات جس روح کے لئے مقرر کئے ہیں' وہ تعلق ہمیشہ قائم رہے گا اور یہ تعلق بننے کے بعد نہیں ٹوٹے گا یہ اللہ کریم کا فیصلہ ہے خلود ہے ہمیشگی ہے اس تعلق کے لئے یعنی روح و جسم کا تعلق ہمیشہ رہے گا۔"

انسانی بقاء کا سبب روح

فرمایا۔ ایک طرف مادہ جو پوری کائنات میں سب سے گھٹیا شے ہے پھر اسے ایسے پراسس یعنی عمل میں سے گزارا کہ جسے خوشگوار یا خوبصورت نہیں کہا جا سکتا وہ فرماتا ہے کہ انسان کو ایک قطرہ منی سے میں نے پیدا کر دیا وہ میرے ساتھ جھگڑنے کے لئے میدان میں اتر آتا ہے اور میری ذات پر اور میرے ارشادات پر اعتراض کرتا ہے' وہ یہ نہیں دیکھتا کہ میں نے اسے کہاں سے پیدا کیا ہے جبکہ یہ جسم صرف مادہ نہیں بلکہ مادے کا جو پراسیس ہے' وہ اس قدر آلودگیوں سے گزرتا ہے کہ اس پر کسی خوشگوار نتیجے کی توقع نہیں کی جا سکتی لیکن نتیجہ اتنا خوشگوار نکلتا ہے کہ اس میں سے انبیاء علیہما السلام پیدا ہوتے ہیں' اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوتے ہیں' صلحاء پیدا ہوتے ہیں' شہداء پیدا ہوتے ہیں' مفسرین مفکرین پیدا ہوتے ہیں' یعنی اس آمیزے سے جو سب سے نچلے درجے کا ہے' سب سے اعلیٰ درجے کی شے کو اس کے ساتھ پیوست کر دیتا ہے' یہ ایک بجائے خود کارنامہ ہے' جو اللہ ہی کر سکتا ہے کہ عالم امر کی تجلیات کو عالم خلق کے سب سے ادنیٰ سے مٹی کے پتلے سے ایسا جوڑ لگاتا ہے جو کبھی نہیں ٹوٹے گا۔ انسان کی بقاء کا سبب ہی عالم امر سے آنے والی روح کے ساتھ پیوست ہو جانا ہے مادے کی ساری صورتیں فنا ہو جائیں گی' آسمان ٹوٹ جائیں گے' ستارے جھڑ جائیں گے' زمین ختم ہو جائے گی' نیا عالم ہو گا' لیکن انسانی وجود جس کا تعلق عالم امر کی اس روح سے پیدا ہو چکا ہے' جہاں کی کوئی شے فانی نہیں ہے' اسے ہمیشہ رہنا ہے تو اس کے ساتھ پیوست ہو کر یہ مشت غبار بھی ہمیشہ رہے گی' جو انسانی سانچے میں ڈھل گئی۔ یہ راز ہے ابدیت کا کہ جو جنت میں جائے گا' وہ بھی ہمیشہ رہے گا اور اگر کوئی بدقسمتی سے دوزخ میں چلا گیا تو ختم وہ بھی نہیں ہو گا' وہ بھی ہمیشہ رہے گا' جس سے قرآن حکیم بار بار ڈراتا ہے وہ یہی بات ہے کہ کم از کم آدمی کفر پر نہ مرے' خلود فی النار تو نہ ہو' کیوں کہ دوزخ کوئی رہنے کی جگہ نہیں ہے اور جب لوگ کفر پر بضد رہتے ہیں' تو فرمایا فما اصبرھم علی النار۔ یہ آگ پر کتنے دلیر ہیں' انہیں آگ میں رہنے کا ڈر نہیں لگتا۔

اب انسان ایک ایسی شے بن گیا جو کہ جب مادے کی طرف متوجہ ہوتا ہے' تو اس کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر جاتا ہے اور راز نکال کر لے آتا ہے' نئی سے نئی ایجادات کرتا ہے' نئی

سے نئی چیزیں بناتا ہے' اور جب اس طرف یعنی عالم امر کو متوجہ ہوتا ہے تو عالم امر جو اس کا گھر ہے' اپنے روحانی تعلق یا نسبت سے اگر وہ مقامات و منازل طے کرتا ہوا عالم امر میں پہنچ جائے' تو سمجھو کہ وہ اپنے گھر آگیا۔

حضرت فرماتے تھے کہ روح عالم امر کا پرندہ ہے' وہاں کا باسی ہے' اس کا حسن یہ ہے کہ اس کے پر سلامت رہیں تاکہ عالم امر میں اس کا آنا جانا رہے اور قبح اس کا یہ ہے کہ اس کے پر کاٹے جائیں اور یہ عالم امر نہ جاسکے لیکن اکثر انسانوں نے اپنی لالچ کی خاک اور کیچڑ کو روح پر لپیٹنا شروع کردیا ہے' جس سے روح کی قوت پرواز متاثر ہوتی ہے روح چونکہ تجلیات صفاتی میں سے ہے' اس لئے اس کا اللہ سے براہ راست تعلق تھا لہٰذا انسان میں وہ شعور آگیا کہ وہ ذات باری کو پہچانے' باقی جتنی مخلوق ہے اس کا اس قسم کا تعلق نہیں ہے' اس لئے کسی اور مخلوق میں نبی اور رسول مبعوث نہیں ہوئے چونکہ نبی کی بعثت ذات باری کے تعارف کا سبب ہے اور معرفت کی استعداد صرف انسان ہی کو ہے اور معرفت کی یہ استعداد اس کی روح کی بدولت ہے' اس لئے اس میں نبوت آئی' نبی کی بعثت کا ایک مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ بندے کی فکر کو' شعور کو جلا بخشتا ہے تاکہ وہ انسان کو اللہ کے روبرو کھڑا کردے۔

باب ۔ 5

نبی اور نبوت

نگاہ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمال

فرمایا۔ ”آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ پارس تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مس ہوتا گیا' واصل باللہ ہوتا چلا گیا اس ایک نگاہ نے وہ سارا انقلاب بپا کر دیا اور برکات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں در آئیں۔ اللہ جل شانہ کا ادراک اس مادی دنیا میں کوئی نہیں کر سکتا بجز رسالت کے' یعنی اللہ کو جس دور بین سے ہم دیکھ سکتے ہیں' اللہ کو جس کیفیت سے محسوس کر سکتے ہیں' ہماری وہ نگاہ ہماری آنکھ کا وہ نور نبوت رسالت ہے' جو مظہر ہے ذات باری کا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ایسی عجیب شے ہے کہ ہر محبت کرنے والا ہر دوسرے محبت کرنے والے سے بھی محبت کرنے لگ جاتا ہے۔ اس میں ایک ایسی خصوصیت ہے کہ خود تو عاشق ہے ہی اب دوسرا عاشق رسول نظر آتا ہے تو سمجھتا ہے کہ اس پر بھی جان لٹا دوں چاہئے تو یہ تھا کہ دونوں لڑتے یا ایک دوسرے سے رقابت کا اظہار کرتے' تو تو میں میں ہوتی ایک دوسرے سے جلتے لیکن عجیب بات ہے' آمیزہ ہی ایسا ہے کہ جب اس مقام پر پہنچتا ہے' خود مجسم محبت بن جاتا ہے' نفرتیں مٹ جاتی ہیں۔ اس کائنات بسیط کی آبادی کا سبب محبت ہوتی ہے ایک محبت کرنے والا اپنے محبوب کا غیر مشروط غلام بن جاتا ہے' کوئی نفع نہیں سوچتا کوئی نقصان نہیں سوچتا' عزت بے عزتی کی بات نہیں سوچتا' کوئی دکھ تکلیف خاطر میں نہیں لاتا' ایک بات ذہن میں سما جاتی ہے کہ جو میرا محبوب کہتا ہے وہ مجھے کرنا ہے اور محبت کرنے والا اس کا مطیع ہو جاتا ہے' جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ اب جب انسان اس کمال کو پاتا ہے کہ ایک مشت غبار ہو کر

اللہ سے اتنا آشنا ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ محبت کا دعوی کر بیٹھتا ہے اور اللہ کے ساتھ تعلق و محبت کا طریقہ اتباع رسالت میں ہے۔

معصوم کا مطلب

فرمایا۔ انبیاء علیہم السلام میں دو کمال ہوتے ہیں' ایک تو یہ ہوتا ہے کہ عموماً" یہ غلطی نہیں کرتے ، غلطی کا ہونا الگ بات ہے یعنی غلطی کا امکان ہونا الگ بات ہے اور غلطی کرنا ایک الگ بات ہے۔ نبی کو حفاظت الٰہیہ حاصل ہوتی ہے' نبی معصوم ہوتا ہے اور صحابی تابعین تبع تابعین یا ولی اللہ محفوظ ہوتے ہیں انہیں بھی ایک طرح کی حفاظت الٰہیہ حاصل ہوتی ہے کہ گناہ کا موقع آئے' تو کوئی نہ کوئی کھٹکا ان کے دل میں ایسا پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ کر نہیں پاتا لیکن اگر بتقاضائے بشریت کسی سے ہو جائے تو پھر قرآن حکیم بتاتا ہے لم یصرو اعلی مافعلوا۔ اگر کر بیٹھیں تو توبہ کرتے ہیں پھر دوبارہ گناہ نہیں کرتے' اس پر اصرار نہیں کرتے' اسے بار بار نہیں کرتے' اسے وطیرہ نہیں بنا لیتے اور محفوظ ہونے کا مطلب یہی ہے۔"

مشاہدہ نبی کی قوت

فرمایا۔ "ہمارے ہاں غیر پڑھے لکھے لوگوں میں جنہیں پڑھنا لکھنا نصیب نہیں ہوا ان میں ایک بڑا عجیب محاورہ ہے جو اکثر سنا گیا ہے کہ آخرت کو کس نے دیکھا ہے اور کون پلٹ کر آیا ہے کہ وہ بتائے وہاں یہ کچھ ہوتا ہے لیکن حق یہ ہے کہ جتنے لوگ گزر چکے ہیں انبیاء علیہم السلام کے علاوہ اگر یہ سارے بھی پلٹ کر آئیں تو ان کے بتانے یا ان کے تجربے میں پھر بھی غلطی ہو سکتی ہے یا انہیں دھوکا لگ سکتا ہے' ان کے بات پہنچانے میں ان سے مفہوم تبدیل ہو سکتا ہے لیکن جو کچھ نبی کریم ﷺ نے بتایا وہ کسی پلٹ کر آکر بتانے والے سے کروڑوں گنا سچا صحیح خالص اور کھرا ہے یعنی اگر کوئی قبر سے اٹھ کر آجائے اور وہ یہ بتائے کہ مرنے کے بعد یہ کچھ ہوتا ہے' میں اس تجربے سے گزرا ہوں' تو اسے غلط لگ سکتی ہے' یا ہمیں سمجھانے میں وہ ٹھوکر کھا سکتا ہے لیکن نبی کریم ﷺ نے نہ سمجھنے میں ٹھوکر کھائی نہ سمجھانے میں ٹھوکر کھائی۔ یہ وہ بنیادی تبدیلی تھی جس نے مسلمان کی نگاہ کو بہت زیادہ وسعت دے دی اتنی کہ غیر مسلم اسے سمجھ ہی نہیں سکتا مثلاً" ہم کاروبار کرتے ہیں وقتی طور پر نفع کمانے کے لئے

لیکن مسلمان کاروبار اس انداز سے کرتا ہے کہ وقتی نفع تو مقصد ہے لیکن اگر وقتی طور پر نقصان بھی ہو جائے تو جو نتیجہ آخرت میں مرتب ہوتا ہے' اس میں نقصان نہ ہو۔ اس طرح زندگی کے سارے امور کو جانچا اور پرکھا جا سکتا ہے حتیٰ کہ اس عقیدے نے زندگی اور موت کے متعلق مسلمانوں کا تصور یکسر بدل دیا۔''

تعلق باللہ کا قیام

فرمایا۔ ''انبیاء کی تعلیم یہ ہوتی ہے کہ ہر وہ شخص جسے رب العالمین نے پیدا فرمایا ہے اور عقل و شعور بخشا ہے وہ مکلف ہے اپنے تعلقات کو رب العالمین ہی سے استوار کرنے کا اور اسے اتباع رب العالمین ہی کی کرنی ہے' دوسرے کسی کی بات اللہ ہی کے لئے سنے گا اور اگر اللہ کو چھوڑ کر کسی کی بات سنے گا تو وہ اس کی عبادت کر رہا ہے' جس کی بات سن رہا ہے' وہ اللہ کی عبادت نہیں کر رہا۔ فرمایا۔ ''فلا یحزنک قولھم ایسی باتوں سے بددل نہیں ہونا چاہئے ایک مومن جب اپنے اردگرد معاشرے میں پھیلی ہوئی خرافات کو دیکھتا ہے ان کھاتے پیتے عیش کرتے لوگوں کو دیکھتا ہے تو وہ کسی حد تک یہ سوچنے لگتا ہے انسان ہوتے ہوئے یہ لوگ اللہ کی اطاعت تو درکنار اللہ کو مانتے ہی نہیں' اس کے باوجود بڑی موج کر رہے ہیں' بڑی عیش کر رہے ہیں' انہیں کوئی تکلیف نہیں ہے' ان کے پاس اقتدار ہے' عہدے ہیں' کوٹھیاں ہیں کاریں ہیں۔ فرمایا نہیں تم اس بات پر نہ جاؤ تم یہ بات اپنے ذہن میں رکھو انا نعلم ما یسرون۔ تم نے صرف وہ بات سنی ہے' جو یہ زبان سے کہتے ہیں لیکن میں ان کی اس حالت کو بھی دیکھ رہا ہوں کہ جو ان کی زبان پر نہیں آتی مگر دل میں ہوتی ہے۔ مت بھولو کہ یہ جو کچھ کر رہے ہیں' یہ میرے روبرو کر رہے ہیں' اور اللہ کے روبرو اسی کا تمسخر اسی کی نافرمانی اسی پر ایمان نہ لانا اور تم نہیں جانتے کہ یہ کتنا بڑا جرم کر رہے ہیں' ان کی اس عارضی فلاح پر نہ جاؤ۔''

کیفیات نبوت کا دوام

فرمایا۔ ''حضور ﷺ کی نبوت آج اور جب تک دنیا قائم ہے تب تک ضوفشاں رہے گی۔ جس طرح آپ ﷺ کی بعثت کے وقت حضور ﷺ سے جو فیوضات

وبرکات تقسیم ہوئیں ان میں آپ ﷺ کے ارشادات علم کی بنیاد ہیں علم ہی سے ایمان بنتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ سے برکات تقسیم ہوئیں' جنہیں لفظوں میں بند نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ وہ کیفیات تھیں جو ایمان لانے والوں کے دلوں پر وارد ہوئیں اور انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے منور اور روشن کر گئیں' کامل مسلمان وہی لوگ تھے' جنہیں دونوں طرح کے فیوضات وبرکات اور دونوں طرح کے فیضان نصیب ہوئے اور پھر بہت بڑا مقام ان کا یہ ہے کہ انہوں نے یہ دونوں چیزیں براہ راست نبی ﷺ سے حاصل کیں اور یہ بہت بڑی بات ہے اب جب حضور آپ ﷺ کی نبوت قائم ہے تو آپ ﷺ کی برکات بھی اور آپ ﷺ کی تعلیمات بھی بدستور قائم ہیں۔"

فرمایا۔ "چونکہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت ہمیشہ کے لئے ہے' اس لئے آپ ﷺ کی تمام برکات ہمیشہ کے لئے اور ساری انسانیت کے لئے ہیں آج بھی وہاں ایسے ہی انوارات بٹتے ہیں جیسے جب حضور اکرم ﷺ اس عالم میں تشریف فرما تھے' جلوہ افروز تھے' جو فیضان تھا' جو برکات تھیں وہی اب بھی ہیں۔ حضور ﷺ برزخ میں تشریف لے گئے' تو فیوضات میں کوئی تغیر کوئی تبدیلی اور کوئی فرق نہیں آیا' حضور ﷺ کے فیضان وبرکات میں' نہ آپ کی نبوت و رسالت میں' نہ آپ ﷺ کے وجود مبارک میں اور نہ آپ ﷺ کے روح اطہر ﷺ میں۔ اسی طرح روح اطہر ﷺ کے ساتھ وہ وجود مقدس برزخ میں بھی ویسے ہی ہے' جیسے کہ دنیا میں تھا اور روضہ اطہر ﷺ میں قبر اطہر ﷺ کے اندر اسی طرح کی زندگی موجود ہے' جیسی دنیا میں تھی۔ یہ اور بات ہے کہ دنیا میں احکامات دنیا کے تھے' گرمی سردی سونا جاگنا یہ اس عالم کا تھا' جب وہاں برزخ تشریف لے گئے' تو سارے معاملات اس عالم کے ہو گئے' سونا' جاگنا' کھانا' پینا' اٹھنا' بیٹھنا بھی اس عالم کا ہے لیکن زندگی میں کوئی تغیر نہیں آیا زندگی ویسی کی ویسی ہے۔"

اطاعت نبوی

فرمایا۔ "میدان حشر میں جب ہم پیش ہونگے اور حضور ﷺ فرمائیں کہ میں نے تو ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا تو پھر ہمارے پاس جواب نہیں ہو گا۔ اس لئے دانستہ یا غیر دانستہ جو

کچھ ہوتا ہے' اس پر روزانہ توبہ کو شعار بنایئے' سو کر اٹھئے تو پہلے توبہ کیجئے سونے سے پہلے توبہ کر کے سویئے' دن میں جب خیال آجائے' ہر نماز کے ساتھ توبہ کیجئے' استغفار پڑھئے دس بار تین بار پانچ بار سات بار معمول بنا لیجئے' کم ازکم پانچ نمازوں میں بیس بیس بار پڑھیں' تو ایک تسبیح تو استغفار کی روزانہ کم ازکم ہو ہی جائے۔"

عالمگیر نبوت

فرمایا۔ "اسلام بہت سی باتیں ایسی رکھتا ہے' جو صرف اس کی خصوصیت ہے یوں تو ہر وہ دین جو کسی بھی زمانے میں اللہ کی طرف سے کوئی بھی نبی لایا ہو' سارے کے سارے اسلام ہی ہیں' لیکن اسلام سے مراد یہ آخری دین ہے' جو آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ نے پیش فرمایا" آپ ﷺ کی نبوت اور اس کے دائرہ کار اور دیگر انبیاء کرام کی نبوت اور اس کے دائرہ کار میں یہی بنیادی فرق ہے' اللہ کریم رب العالمین ہے اور رب کا معنی ہوتا ہے کہ ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت ہر جگہ ہر وقت پورا کرنے والی ہستی۔ ایسا کریم ہے کہ ضرورتیں بعد میں آتی ہیں' تکمیل کے اسباب پہلے بھیج دیتا ہے' آپ اسے پوری زندگی میں اس عمل کو کار فرما دیکھیں گے۔ ایک تنکے کو جن عوامل کی ضرورت ہے تنکا بعد میں آتا ہے عوامل پہلے سے موجود ہوتے ہیں ایک انسان کی تخلیق کے لئے جن غذاؤں جن فضاؤں جن حالات کی ضرورت ہوتی ہے' اس کے آنے سے پہلے موجود ہوتے ہیں ایک درخت پھل کو پیدا کرنے کے لئے جن عوامل جن محرکات جس روشنی جس گرمی جس فضاء' پانی جن گیسوں کی ضرورت ہوتی ہے' مہیا فرما دیتا ہے۔ اسی طرح انسانیت کی بھی روحانی ضرورتیں تھی جس کے لئے انبیاء کرائم کو مبعوث کیا جاتا رہا لیکن جب دین اسلام کا ظہور ہوا اور آقائے نامدار حضرت محمد آپ ﷺ مبعوث ہوئے تو اس سے پہلے یہ بات کسی نبی کسی رسول نے ارشاد نہیں فرمائی تھی۔ کہ یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا""۔ انبیاء مختلف اقوام میں مبعوث ہوئے' انبیاء مختلف علاقوں میں اور شہروں میں مبعوث ہوئے لیکن یہ روئے زمین پر انفرادی اور پہلا اعلان تھا کہ اللہ کا ایک بندہ ساری انسانیت کو مخاطب فرما رہا ہے کہ میں سب انسانوں کے لئے مبعوث ہوا ہوں اس وقت کا انسان یہ نہیں جانتا تھا کہ آنے والے زمانے میں۔

زمین کی طنابیں کھینچ لی جائیں گی فضائیں سمٹ جائیں گی اور دوریاں ختم ہو جائیں گی انسان کے لئے دنیا کا سینہ گھر کے صحن کی مانند ہو جائے گا اس لئے آپ ﷺ کی برکات و تعلیمات ابد تک طالبوں کے لئے کفایت کرے گی۔

اتباع نبوی

فرمایا۔ "اس کتاب کی تعلیمات اور نبی ﷺ کی اتباع سے جس نے اعراض کیا' اس کے مختلف انداز ہیں' اعراض کرنا شکل و صورت میں بھی ہے کہ ہم نبی ﷺ کی شکل مبارک کو پسند نہ کریں اور غیر اقوام جیسی شکل بنائیں' لباس میں بھی ہے کہ ہم مسنون لباس کو پسند نہ کریں' اور کافروں جیسا لباس بنائیں' کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے سوچنے کے انداز میں بھی ہے' معاملات میں بھی ہے اور اوامر و اہی میں بھی ہے' عبادات میں بھی ہے' تو جب ان سب باتوں میں ہم اس طرز عمل کو اپنے لئے باعث عار سمجھیں جو رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمایا تو اللہ کریم فرماتے ہیں' سادہ سی بات ہے جو ایسا کرے گا اپنا بوجھ میدان حشر میں خود اسے اٹھانا ہو گا' کسی کا کچھ نہیں بگاڑ رہا' نہ اس کے ہلکا سمجھنے سے دین ہلکا ہو جائے گا' نہ اس کا اسے مشکل سمجھنے سے کچھ دین کا بگڑے گا یا باعث توہین سمجھنے سے سنت کی توہین ہو گی بلکہ یہ بوجھ ایسا کرنے والے کی ذات پر بڑھتا جائے گا۔"

فرمایا۔ "آؤ اپنے ساتھ وفا کرو اور اپنے آپ کو نبی رحمت ﷺ کے سپرد کر دو' ہم کیا ہیں اور ہمارے اختیارات کیا ہیں' ہم کیا ہیں اور ہمارے پلے کیا ہے' اپنی ذات کو فروخت کر دو' حضور آپ ﷺ کے دروازے پر۔ بڑی قیمت لگے گی ورنہ اگر یہ نہ کر سکے' تو بکنا چاہا بھی تو کوئی نہیں خریدے گا۔ آپ ﷺ نے جو جو چیزیں بانٹی ہیں' جو جو عنایات فرمائی ہیں' ان کا حساب انسان کے بس کی بات نہیں ہے انہی میں یہ جذبہ محبت الفت عشق بھی ہے ہمت کرو سمیٹو' خوش نصیب ہو' فرصت ہے' وقت ہے' کیا خبر' یہ دل کی دھڑکن کب ساتھ چھوڑ دے اور جو لوگ نفرتوں کو ساتھ لے کر جائیں گے وہ کہیں بھی محبت کو نہیں پا سکیں گے' آج کل یہ بازار ہے' یہاں سے یہ جنس گراں مایہ مل سکے گی۔"

ایمان کا مطلب و برکات نبوت

فرمایا۔ "اب یہ جو یقین ہے ناجسے آپ ایمان سے تعبیر کرتے ہیں یہ دل کی ایک حالت کا نام ہے' شک بھی دل ہی کی ایک کیفیت کا نام ہے دنیا میں جس قدر لوگ محنت سے انسانی زندگی کے پہلوؤں پر قیادت حاصل کر لیتے ہیں سب کے پاس محض الفاظ اور تھیوری ہوتی ہے حالت نہیں ہوتی یعنی کوئی انجینئر ساری تھیوری یاد کر سکتا ہے۔ لیکن ایک نگاہ سے دیکھ کر کسی کو انجینئر نہیں بنا سکتا اور آپ ﷺ میں یہ کمال تھا اور ہے کہ بیک نگاہ ہر کسی کو صاحب کمال بنا دیتا ہے۔

فرمایا۔ "قرآن حکیم نے جو تصور نبوت اور رسالت کا دیا ہے وہ یہ ہے کہ ہر نبی صرف اس لئے مبعوث ہوا کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی عبادت کی دعوت دے اور اللہ کے علاوہ کسی بھی دوسرے کی عبادت سے روک دے اللہ جل شانہ کے ساتھ اللہ کے بندوں کا تعلق پیدا کرے اور دنیا کی زندگی میں رہنے کے طریقے سکھائے' جو اللہ نے ارشاد فرمائے ہیں' جس کے نتیجے میں انہیں اللہ کی رضا نصیب ہو اور اس کی دائمی اور محروم زندگی کامیابی سے ہمکنار ہو۔"

فرمایا۔ "اسلام کا حسن طلب الٰہی ہے اور یہ ویسے ہی نہیں ہو جاتی اس کا ایک سبب ہے' اس کی ایک وجہ ہے' ایک ذریعہ ہے اس کا ایک سبب ہوتا ہے' خود بخود ویسے ہی بلاوجہ بلا سبب نہیں ہوتی' اللہ کریم نے اس کا مرکز اس کا مہبط اس کا منبع بنایا ہے آقائے نامدار حضرت محمد رسول ﷺ کی ذات گرامی کو۔ اور اتنے بڑے مرکز سے ساری کائنات اس وجود اقدس ﷺ سے مستفید ہوتی ہیں۔ حضرت آدم علی علیہ الصلوۃ والسلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام تمام انبیاء و رسل بھی اخذ تجلیات میں' اخذ برکات میں' اخذ انوارات میں' آپ ﷺ سے مستفید ہوتے ہیں رب کریم نے تمام انبیاء کو بھی اپنی نبوت کے پانے میں اور ہر صاحب کمال کو اپنے کمال کے حاصل کرنے میں حضور نبی کریم ﷺ کا محتاج بنا دیا۔ تمام انبیاء کا ذاتی ایمان بھی حضور کی نبوت پر موجود تھا اور آپ ﷺ پر ایمان لانا تمام انبیاء کی امتوں کے ہر دور میں ایمان کا جزو تھا انہیں جو انعامات بھی ملے وہ سب آپ ﷺ ہی کی وساطت سے بالواسطہ میسر آسکے۔ سب سے خوش نصیب امت وہ ہے جو براہ راست حضور نبی کریم آپ ﷺ سے فیض یاب و پیوست ہوئی تو

ہمارے سلسلے کی بنیاد حضور اکرم ﷺ کی فیوضات و برکات پر ہے آپ کی ذات جامع صفات تھی یہی ایک وجود دنیا میں ایسا ہے جو تمام کمالات کا منبع اور ماخذ ہے۔"

فرمایا۔ "یہ امت مرحومہ جسے یہ شرف حاصل ہے کہ براہ راست آپ ﷺ کی ذات گرامی متعلق ہے اور یہ اس کا بہت ہی بڑا اعزاز ہے یہ یاد رکھئے کہ پہلے پیدا ہونے والے انسان سے لے کر آخری انسان تک جس پر قیامت قائم ہوگی' ساری انسانیت آقائے نامدار ﷺ کی امت سے لے کر تمام انبیاء علیہ السلام اپنی امتوں کے لئے نبی ہیں' ہم ان سب کی نبوت پر ایمان لاتے ہیں اور ضروری ہے لیکن انبیاء علیہ السلام اپنی اپنی نبوت کے ساتھ ساتھ حضور اکرم ﷺ کی امت بھی ہیں اور تمام انبیاء علیہ السلام نے اخذ برکات آقائے نامدار ﷺ سے کیا اور آپ ﷺ ہی کی برکات کو اپنی اپنی امتوں میں تقسیم فرمایا تمام امتیں اپنے نبیوں اور رسولوں کی وساطت سے رسول اکرم ﷺ سے مستفید ہوئیں لیکن اس امت کا اعزاز یہ ہے کہ اس کے اور حضور اکرم ﷺ کے درمیان کوئی کڑی نہیں ہے ہم براہ راست آپ ﷺ کے امتی ہیں اور یہی اعزاز ہمیں کتاب اللہ نے دیا ہے۔"

سراجا" منیر کا مطلب

فرمایا۔ "آپ ﷺ کے لئے اللہ نے روشنیاں بانٹنے والا سورج کا لفظ استعمال فرمایا اللہ نے صرف چراغ نہیں فرمایا کیونکہ چراغ جلانے والوں کا محتاج ہوتا ہے اور اپنی پسند سے جلا لیتے ہیں' اپنی پسند سے جہاں چاہتے ہیں' چراغ کی روشنی لے جاتے ہیں۔ اللہ نے آپ ﷺ کو سورج کہا ہے جو کسی کے جلانے کا محتاج نہیں' جس کی روشنی حاصل کرنے کے لئے خود کو اس کے سامنے لانا پڑتا ہے' سورج کو کھینچ کر آپ کہیں نہیں لے جا سکتے اور جو سارے جہاں کو روشنی بیک وقت پہنچاتا ہے اور جو کیڑوں اور انڈوں کو اس وقت سینچ رہا ہوتا ہے' جب ہاتھی کے بدن کو گرمی پہنچا رہا ہوتا ہے' جب سمندر سے بخارات بنا رہا ہوتا ہے' اس وقت کسی دہقان کے کھیت میں دبے ہوئے گندم کے دانے کو گرمی پہنچا کر اگا بھی رہا ہوتا ہے یعنی جب کسی سلطان کے محل پہ چمکتا ہے تو غریب کی جھونپڑی کو محروم نہیں کرتا۔ آپ

ﷺ سراجاً" منیر ہیں' کسی بڑے سے بڑے مقدس بزرگ و برتر ہستی کو اگر آپ ﷺ کے انوارات پہنچتے ہیں تو اس غریب کو بے کس کو بھی پہنچتے ہیں جو کہیں دور کسی گم نام گوشے میں پڑا ہو اور حضور ﷺ کے اتباع کے لئے کوشش کر رہا ہوتا ہے اگر کسی مسجد یا مدرسے کا صحن منور ہے تو کسی جھونپڑی میں جہاں درود کی مجلس یا اللہ کی عبادات کے اذکار ہوں وہاں پہنچنے سے آپ ﷺ کی برکات کو کوئی روک نہیں سکتا۔ دیکھنا یہ ہے بندے کو کہ کیا میں سورج کی روشنی میں ہوں' اسی لئے اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کو دوام بخشا آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات کو ہمیشہ کے لئے نبی اور رسول بنایا کہ جس طرح مادی دنیا میں سورج کا ایک مرکزی کردار ہے' سارے سیارے سارے ستارے ان کی گردش زمین کی گردش موسموں کا تغیر و تبدل بارشوں کا آنا جانا کھیتوں کا اگنا چیزوں کا گلنا سڑنا اس پورے نظام کا مرکزی کردار سورج ہے' اسی طرح روحانی دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے' اس سارے کا مرکزی نقطہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات ستودہ صفات ہے اور سراجاً" منیر ہے' روشن سورج' روشنیاں بکھیرنے والا سورج۔ یہ صحابہ رضوان اللہ علیہ اجمعین کا مقدس گروہ یہ فاتحین عالم ہی انسانیت کے امام اور پیشوا کیسے بن گئے' اسی سورج کی چمک نے کسی کو زر و جواہر میں بدل دیا اور کسی کو لعل و گہر بنا دیا ہے ہمارے پاس بھی اپنے لئے یہی دلیل ہے کہ ان جیسی صداقت کی کوئی جھلک' ان جیسے اخلاق کریمانہ کی کوئی ادا' ان جیسی جرات رندانہ کی کوئی بات' ان جیسے تحقیقی علم' ایثار' جذبہ اور ہر قربانی کا کوئی شعور کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ حصہ اگر ہم میں بھی پیدا ہو رہا ہے تو اس لئے کہ اسی سورج سے روشنی نصیب ہو رہی ہے اور اگر نہ ہو اور اپنی بڑائی عظمت اپنی فرعونیت اللہ اللہ کرنے سے آ رہی ہے تو پھر اس سے بڑا بدکار کون ہوگا بڑا بیمار کون ہوگا جسے غذا سے موت آ جاتی ہے۔"

دعا و تعویذ

فرمایا۔ "مجھے یہ ہرگز پسند نہیں ہے کہ کوئی شخص مجھے غیر ضروری اہمیت دے' مجھے یہ ہرگز پسند نہیں ہے کہ کوئی شخص میرے ہاتھ کو بوسہ دے مجھے سب سے زیادہ اس وقت غصہ آتا ہے جب آپ مجھ سے غیر ضروری تعویذ طلب کرتے ہیں' میں تعویذوں کے خلاف نہیں

ہوں لیکن میں اس بات کے خلاف ہوں کہ خدا کو بھول کر مخلوق پر بھروسہ کر لیا جائے تعویذوں کو بھی اس حد تک رکھیں جس حد تک آپ میڈیکل سائنس سے مدد لیتے ہیں جس حد تک آپ حکیم سے مدد لیتے ہیں اس حد تک کسی نے دم کر دیا یا تعویذ لکھ دیا ہو سکتا ہے ٹھیک ہو جائے ہو سکتا ہے نہ ہو لیکن یہ کب تک ہے' گائے دودھ نہیں دیتی' بچہ روتا ہے تو تعویذ لکھنے سے کیا بچہ غزلیں پڑھنا شروع کر دے گا' بچہ روئے گا نہیں تو بچہ کرے گا کیا' رونے یا ہنسنے کے علاوہ بچہ کر بھی کیا سکتا ہے' بچے کو بھوک لگے گی' روئے گا پیاس لگے گی روئے گا' بیمار ہو گا روئے گا کوئی چیز مانگنی ہوگی روئے گا' ہر ضرورت کا اظہار وہ رو کر ہی کرے گا' وہ روئے گا آپ متوجہ ہوں گے کہ اسے کیا چاہئے۔ آپ ایمان سے بتائیے کہ ایک طرف جواہرات بٹ رہے ہوں اور وہاں گاجر مولیاں بھی رکھی ہوں تو آپ کس طرف ہاتھ بڑھائیں گے؟ کیا کہیں گے آپ فی الحال تو گاجریں دے دیں جواہرات بعد میں آ کر لے لیں گے۔ یہاں چونکہ دنیا سامنے ہے اس لئے آپ کی عقل کام کرے گی کہ یہ جواہرات لے لو' گاجر مولیاں ہر جگہ ملتی ہیں۔ یہاں دین میں آپ کی عقل کیوں جواب دے جاتی ہے میاں اللہ اللہ کر لو یہ جنس نایاب ہے' بندے کو پیدا کرنا مارنا اس کا اپنا کام ہے وہ کسی کے تعویذوں کا محتاج نہیں ہے لیکن اگر آپ اللہ اللہ سیکھتے ہیں اللہ اللہ کرتے ہیں آپ کے دل میں اللہ موجود ہے تو آپ کو ان چھوٹے کاموں کے لئے میری ضرورت کیوں پڑتی ہے بلکہ آپ اللہ سے کیوں نہیں کہہ سکتے۔ میری مثال یہ ہے جیسے دلدل کے درمیان کوئی پتھر پڑا ہو' جو گزرنے والوں کو دلدل میں گرنے سے بچانے کے لئے اپنے اوپر لوگوں کے پاؤں سہار کر انہیں دوسرے کنارے پہنچا دے اس حد تک تو درست ہے لیکن اگر کوئی اسی پتھر کو کنارہ سمجھ کر وہیں ڈیرہ لگا لے تو وہ کبھی کسی کنارے نہیں پہنچ سکے گا یا کوئی شخص یہ چاہے کہ اس کو بھی اسی دلدل سے لتھڑ دے تو اس کا معنی یہ ہو گا کہ وہ آئندہ آنے والوں کے لئے راستہ بند کرنا چاہتا ہے اور یہ بھی سراسر زیادتی ہوگی اگرچہ بعض اوقات قرآن حکیم کی بعض آیات پڑھ کر پھونک مار دینے سے بھی اللہ شفا دے دیتے ہیں لیکن اس کے جواز کی ایک حد ہے اور ایک ضمنی سی بات ہے کہ کبھی ضرورت پڑ جائے تو کوئی اسے استعمال کر لے لیکن اگر اس تعلق کو صرف تعویذ گنڈوں تک محدود کر دیا جائے تو یہ گمراہی ہوگی یہ ہدایت کا راستہ نہیں ہو گا۔ میرے پاس کوئی ایسا تعویذ نہیں ہے کہ اللہ کی مخلوق کی تعداد

بڑھا سکوں یا گھٹا سکوں کوئی تعویذ نہیں ہے کہ جسے خدا پیدا کرنا نہیں چاہتا میں تعویذ لکھ دوں تو وہ آدمی پیدا ہو جائے گا کوئی ایسا تعویذ میرے پاس نہیں ہے کہ جسے خدا پیدا کرنا چاہتا ہے میں تعویذ لکھ دوں خدا پروگرام بدل دے اور وہ پیدا ہونے سے رک جائے جسے اللہ بیمار کرنا چاہتا ہے اسے میں شفاء نہیں دے سکتا' جسے رب شفاء دینا چاہتا ہے میں اسے بیمار نہیں کر سکتا جسے اللہ دولت دینا چاہتا ہے میں اس کا دست قدرت نہیں روک سکتا جس پر وہ مفلسی بھیجنا چاہتا ہے میں اس کے خزانے سے چھین کر اسے کچھ نہیں دے سکتا میں بالکل تمہاری طرح کا ایک آدمی ہوں بعض اوقات تم سے بھی کمزور جو خود بیمار ہوتا ہے دوسروں کو شفاء کیسے دے گا جسے خود بھوک ستاتی ہے اس سے تم رزق کی امید کیوں وابستہ کرتے ہو جو خود سو جاتا ہے وہ تمہاری نگہبانی کب کرے گا اگر آپ یہ امیدیں لے کر میرے پاس آتے ہیں تو میں آپ کے کسی کام نہیں آسکتا' آج بھی کہہ رہا ہوں میدان حشر میں بھی کہہ دوں گا۔ ہاں میں یہ ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں کہ مجھ پر اللہ کا یہ احسان ہے کہ میں ایک نگاہ میں ایک شخص کے وجود کے ایک ایک ذرے کو اللہ کا ذکر سکھا سکتا ہوں یہ مجھ پر اللہ کا احسان ہے جس کام کے لئے برسوں لگتے ہیں جس کے لئے بڑے بڑے صوفی برسوں وقت طلب کرتے ہیں مجھے اللہ نے یہ قوت بخشی ہے وہ بات میں ایک لمحے میں کر سکتا ہوں یہ اللہ کی عطاء ہے اگر تو آپ اس کے طالب ہیں تو یہ اس کے رستے کی ایک منزل ہے کہ اپنے ماحول میں پھیلی ہوئی دلدل میں آپ کو ایک مضبوط چٹان مل سکتی ہے جس پر آپ پاؤں رکھ کر اللہ کی بارگاہ تک تو پہنچ سکتے ہیں۔"

قبروں کی تعظیم

فرمایا۔ "ایسے فعل کرنا جن سے صاف تکذیب شریعت پائی جائے' تو ایسے شخص کو کافر کہا جائے گا' جیسے بت کے سامنے سجدہ کرنا' قرآن کریم کو غلاظت میں رکھ دینا' نبی کریم ﷺ کی توہین کرنا وغیرہ مگر قبور پر سجدہ کرنا' نذریں ماننا چراغ جلانا' ایسے فعل ہیں کہ ان میں تکذیب شریعت نہیں پائی جاتی ایسے لوگوں کو بدترین فاسق کہنا تو جائز ہے مگر انہیں مشرک یا کافر کہنا ہرگز جائز نہیں۔ ہاں اگر کسی بدکار کا یہ عقیدہ ہو کہ صاحب قبر مستقل قدرت رکھتا ہے' جو چاہے کر سکتا ہے' یا جبری و قہری سفارش کا قائل ہو' جو قرآن کے خلاف ہے یا یہ عقیدہ

رکھتا ہو کہ اولیاء اللہ نفع نقصان پہنچانے میں مختار ہیں تو یہ اعتقاد صریح شرک و کفر ہے۔ مختار کل صرف ذات باری تعالیٰ ہے بغیر اذن رب العالمین کے کوئی کسی کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا اولیاء اللہ صرف دعا کر سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ دعا سنتا تو سب کی ہے مگر اولیاء اللہ کی دعا جلد قبول کرتا ہے یہ اس کا انعام ہے ان میں جو مستجاب الدعوات ہوتے ہیں ان کی دعا باذن اللہ تعالیٰ مصائب کے دور کرنے میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔"

فرمایا۔ "اللہ کریم فرماتے ہیں "فاستجاب لکم" دیکھو تو نے دعا کی میں نے قبول کرلی تو قبولیت کی شرط اداب دعا پر ہے۔ اللہ کریم محتاج نہیں ہے کہ کسی سے اجازت لے کر دعا قبول کریں یا جو کچھ عطاء کرنا ہے' کسی کے تعاون یا کسی کے مشورے کی ضرورت ہے' وہ کسی سے مانگ کر نہیں دیتا ہے اسے کسی سے صلاح نہیں کرنی ہے اگر دعا قبول نہ ہو تو سمجھو تم نے دعا نہیں کی ورنہ اذ تستغثون ربکم جب تم نے اپنے پروردگار کو پکارا "لکم" اس نے تمہاری دعا قبول کرلی۔"

فرمایا۔ "نصر من اللہ وفتح قریب۔ اب آج کے زمانے میں ہمارے ذہن میں جو مفہوم ہے وہ یہ ہے کہ تم رب رب کرو' دعائیں کروں' دیگیں پکاؤ' ختم پڑھاؤ چلے لگاؤ' وظیفے پڑھو' مراقبے کرو' تہجد پڑھو تو اللہ کی مدد آئے گی اور تمہیں فتح ہو جائے گی۔ جو کام کرنا چاہتے ہو وہ ہو جائے گا' لیکن اگر اس نصرت الہیہ کو اگر ہم آپ ﷺ کے متعین کردہ مفہوم میں تلاش کریں تو یہ آیہ کریمہ میدان کار زار میں کفرو شرک کے مقابلے میں ظلم وجور کے مقابلے میں جو وسائل اللہ نے تجھے دیئے ہیں' انہیں تو سر میدان لے جا اور اپنے آپ کو لوگوں پر مسلط کرنے کے لئے نہیں کسی کا مال لوٹنے کے لئے نہیں' اپنی شہرت کے لئے نہیں' کسی دنیوی مقصد کے لئے نہیں' احقاق حق کے لئے' ابطال باطل کے لئے' ظلم کو مٹانے کے لئے اور کفرو شرک کے سامنے بند باندھنے کے لئے تو اپنے وسائل لے جا پھر یہ اللہ کے ذمے ہے کہ وہ تیری مدد کرے اور اس بات کی فکر چھوڑ دے کہ تو تنہا ہے۔ تو تنہا نہیں ہے تیرے ساتھ اللہ کی مدد ہے اور تیری شکست کا کوئی گمان نہیں آسکتا۔ اللہ کو زیب نہیں دیتا اللہ کی قدرت اس کی طاقت اس کی مدد کو زیب نہیں دیتا کہ تو سر میدان شکست کھا جائے' فتح تیرا مقدر ہے' تیرا حصہ ہے اور اگر کہیں شکست ہوئی' ہزیمت ہوئی' تو یاد رکھنا یا تو نے وسائل میں کمی کی ہوگی یا

تیرے خلوص میں کمی ہوگی یا تیرے ارادوں میں کہیں کوئی ایسی جھول ہوگی کہ اس پر کامل نصرتِ الٰہیہ وارد نہیں ہوئی۔"

فرمایا۔ "ہر شخص کہتا ہے کہ نماز کے لئے آنکھ نہیں کھلتی، اس نے گویا یہ فیصلہ لکھ دیا کہ اللہ تو کہتا ہے، سونے سے نماز بہتر ہے لیکن میرا فیصلہ یہ ہے کہ میرے لئے نیند بہتر ہے۔ اب اس میں میرا تعویذ کیا کرے گا اور آپ کا تعویذ اس میں کیا کرے گا، فیصلہ تو اس کا ہے، جب تک وہ شخص خود اپنا فیصلہ نہیں بدلے گا اور یہ طے نہیں کرے گا کہ نیند آئے یا ساری رات جاگنا پڑے، میں نمازِ کو نہیں چھوڑوں گا تب تک اسے توفیق نماز ارزاں نہیں ہوگی، جب تک اس کا دل فیصلہ نہیں کرے گا تب تک اللہ اسے توفیق ارزاں نہیں کرے گا، اس کے سر کے ساتھ ایک تعویذ نہیں سارا قرآن مجید باندھ دیں، اس لئے کہ اللہ نے حکماً" کسی کو اٹھانے کا فیصلہ نہیں فرمایا۔ ہاں جو فیصلہ کرلیتا ہے، وہ کمزور ہو اسے طاقت دے دیتا ہے۔ فرماتا ہے کہ تم میری طرف ایک قدم بڑھاؤ میں تمہاری طرف دس قدم بڑھاؤں گا، تم چل کر آنا چاہو، میں دوڑ کر تمہارا ہاتھ تھاموں گا لیکن آنے کا فیصلہ تمہارا ہونا چاہئے یہ فیصلہ تم کرو گے کہ تمہیں کس سمت جانا ہے۔"

فرمایا۔ "ہر ہفتے ایک آدھ خط ایسا آتا ہے کہ جس میں لکھا ہوتا ہے کہ میری آنکھ نہیں کھلتی، نماز چھوٹ جاتی ہے، مجھ سے ذکر چھوٹ جاتا ہے، میرے لئے دعا کریں، آج تک کسی دکان دار کا خط نہیں آیا کہ دکان کھولنے کے وقت دیر ہو جاتی ہے، سو جاتا ہوں، دعا کریں، آنکھ نہیں کھلتی، دعا کریں، مشکل کام ہے، سردیوں میں لوگ فصلوں کو پانی دیتے ہیں، کسی نے مجھے خط نہیں لکھا کہ مجھ سے پانی نہیں دیا جاتا، رات کو سردی میں کوئی تعویذ عطاء کریں۔ لے دے کے یہ اللہ کی عبادت ہی رہ گئی ہے کہ اس کے لئے آپ کو تعویذوں کی ضرورت ہے، آدمی خود اپنے حال کو سوچے تو سہی اور اگر تعویذوں سے عبادت کروانی اللہ کو منظور ہوتی تو وہ خود آپ کے جسم میں ایسی بجلی بھر دیتا کہ جس طرح آپ سانس لینے پر مجبور ہیں، دل دھڑکنے پر مجبور ہے، اسی طرح سر سجدوں پر بھی مجبور ہو سکتا تھا، باندھ کر سجدے کروانے تھے تو وہ خود قادر تھا کروا سکتا تھا، اس میں میری مدد کی ضرورت نہیں تھی مگر وہ سجدے سجدے نہ ہوتے، جو باندھ کر کروائے جاتے، شیخ کا کام تعویذوں سے نمازیں پڑھوانا نہیں ہے، ہاں یہ میری ذمہ داری ہے

کہ میں آپ کے قلوب کے ساتھ حتیٰ الامکان محنت کروں' شاید میں انہیں کسی قابل کر سکوں' کوئی احساس کوئی شعور کوئی تھوڑی سی چوٹ کوئی تھوڑا سا درد اگر میں انہیں دے سکوں تو دوں"

فرمایا۔ "اسی علاج میں جہاں اور بہت سے وسائل ہیں وہاں کچھ کلمات طیبہ کچھ آیات مبارکہ کچھ مسنون دعائیں وہ بھی ایک حیلہ ایک طریقہ ایک سبب ہے جیسے آپ طبیب سے دوا لے کر کھاتے ہیں اسی طرح کا مسنون کلمہ یا قرآن حکیم کی کوئی آیت اگر کوئی اس فن کا طبیب لکھ کر دے دیتا ہے' جیسے ہم ڈاکٹر سے لیتے ہیں ایک طبیب سے دوا لیتے ہیں اور امید اللہ پر ہوتی ہے کہ یہ ایک ذریعہ ہے شفاء کا اللہ قادر ہے' وہ چاہے تو کر دے نہ چاہے تو اس کی مرضی۔"

فرمایا۔ "اسلام نے مسلمانوں کو ایک بہت بڑی طاقت دی ہے اور وہ ہے دعا اور استغاثہ کی۔ ہمارے ہاں بد قسمت سے دو طبقے وجود میں آگئے ہیں ایک وہ جو سرے سے دعا کے قائل ہی نہیں اگر ہم مانتے ہیں تو شرما شرمی دیکھا دیکھی' انکار نہیں کرتے لیکن اپنی عملی زندگی میں ہم اس کے قائل نظر نہیں آتے چونکہ اس طرح ہم دنیوی اسباب کے پیچھے اس شدت سے بھاگتے ہیں حتیٰ کہ میرا اپنا ذاتی تجربہ ہے کہ لوگ سفارش کے لئے آتے ہیں اگر کسی سے یہ کہہ دیا جائے کہ اس افسر سے واقفیت تو نہیں ہے آپ کے لئے اللہ کریم سے دعا کرتے ہیں' تو وہ خفا ہو جاتا ہے کہ آپ میری مدد نہیں کرنا چاہتے یعنی عوام میں ایک طبقہ ایسا ہے جس کے نزدیک دعا کی کوئی حیثیت نہیں ہے' ایک فارمیلٹی یا ایک طریقہ کار بطور توارث ہے اگر کبھی کر لیا کر لیا ورنہ اس کی ضرورت نہیں' مجھے ایسے حضرات سے بھی اتفاق نہیں جو بات بات پر دعا کے لئے کہتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ انہیں دعا کی اہمیت کا ادراک نہیں یعنی دعا کوئی مذاق بھی نہیں ہے کہ آپ وقت بے وقت چاہیں' کسی حال میں بھی ہوں' دعا ہی کرتے رہیں یہ بھی بہت مشکل کام ہے اگر کوئی سمجھتا ہے دعا واقعی اللہ کریم سے درخواست کرنے کا نام ہے' تو اس کے لئے مواقع اور آداب کی ضرورت ہوتی ہے' ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو دعا کے قائل اس حد تک ہیں کہ پھر ان کے لئے کوئی اور کام کرنے کی ضرورت ہی نہیں' یعنی بالکل ہی جھگی ڈال کر بیٹھے رہنا اور محض دعا پر جم جانا یہ بھی غلط بات ہے۔"

فرمایا۔ ''اسی طرح اہل اللہ جب ایک طرف متوجہ ہو جاتے ہیں ان کا اکثر وقت اللہ کے لئے اللہ کی یاد کے لئے دین کے لئے خدا کے کاموں میں صرف ہو جاتا ہے' ان کے اپنے دنیاوی امور ادھورے پڑے ہوتے ہیں۔ ہم بھی ایسے عجیب لوگ ہیں کہ جو اپنی دنیا نہیں سنوار سکتے' ان کے پاس ہم اپنی دنیا لے جاتے ہیں کہ ہماری بھی دنیا سنوار دیجئے۔ کتنی عجیب بات ہے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر ہم ان لوگوں کے پاس پہنچتے ہیں' جو بڑے دنیادار ہوتے ہیں' جن کی اپنی دنیا خوب جمع ہو چکی ہوتی ہے اور دنیادار سے دنیا حاصل کرنا محال ہے' وہاں جو جاتا ہے کچھ دے کر ہی آتا ہے۔''

فرمایا۔ ''تعویذ والے طبقوں کا اب ہمارے ہاں حال یہ ہے کہ ایک طبقے نے اسے شرک قرار دے دیا ہے اور یہ سمجھ نہیں آتی کہ شرک کا پہلے تو تعین ہونا چاہئے یعنی شرک کسے کہتے ہیں اللہ کی ذات وصفات میں کسی کو شامل کیا جائے تو اگر زیادہ سختی بھی کرتے ہیں تو اسے ناجائز کہہ دیں' اسے حرام کہہ دیں لیکن شرک کیسے ہو گیا' یہ ایک انتہا ہے۔ دوسری انتہا یہ ہے کہ لوگوں نے جو شرعی اور طبی اور فطری طریقے تھے وہ چھوڑ ہی دیئے اور نرے کاغذ کے ٹکڑے کے پیچھے بھاگ رہے ہیں' آپ ضرور تعویذ لیں علاج کے لئے لیکن جو طریقہ قدرت نے علاج کا بنا دیا ہے' وہ بھی ساتھ کریں' ٹیکہ لگوائیں گولی بھی کھائیں' محققین سے تھپکی بھی لیں' اس پر تعویذ بھی پہیں' دونوں طریقے ہیں' یہ دعا بھی ہے دوا بھی ہے۔ اللہ کرے شفاء ہو جائے اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں اور اسے شرک کہنا بھی زیادتی ہے اللہ کی دی ہوئی نعمت سے لوگوں کو محروم کرنا بھی درست نہیں' سر میں درد ہو تو سر کاٹنا اس کا علاج نہیں ہوتا اگر لوگ اس طریقے سے گمراہ ہوتے ہیں تو اس گمراہی کو روکنا چاہئے' اس طریقے کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔''

فرمایا۔ ''دعا کا مزا یہ ہے کہ اپنی زندگی میں اسلام کو لا کر اپنی عملی زندگی کو داؤ پر لگا کر میدان بدر میں صفیں بنا کر دعا مانگی جائے ہم میدان عمل میں تو کہتے ہیں کہ کام کافروں کا کریں اور رات کو دعا اللہ سے کرلیں آپ ﷺ نے دعا کا یہ طریقہ تعلیم نہیں فرمایا۔''

فرمایا۔ ''نبی اکرم ﷺ نے ہر آدمی کو ایک ہی وظیفہ ارشاد نہیں فرمایا یہ جو متعدد وظائف آپ کو ملتے ہیں مسنون اور حدیث کی کتابوں میں تو مختلف افراد کو ان کی طبیعت

کے مطابق ان کے مزاج کے مطابق ارشاد فرمایا ہے۔"

فرمایا۔ "ومن الناس من یعبدو اللہ علی حرف کچھ لوگ ایسے ہیں جو عبادت بھی کرتے ہیں تو ایک شرط پر ایک کنارے پر کھڑے ہو کر۔ فان اصابہ خیر اگر اسے کوئی دنیوی فائدہ پہنچتا ہے تو پھر وہاں وہ جم جاتا ہے واصابتہم فتنتہ اگر کوئی مصیبت پریشانی تکلیف آجاتی ہے نقلب علی وجھہ فورا" چھوڑ دیتا ہے چھوڑ کے بھاگ جاتا ہے خسر الدنیا والاخرہ ایسے لوگوں نے دنیا میں بھی خسارہ پایا اور آخرت کا نقصان بھی ان کے حصے میں آیا۔ ذلک ہو الخسران المبین اور حقیقی خسارہ یہ ہے کہ دو عالم میں اس بندے کے پلے کچھ نہ بچے۔ آپ نے دیکھا نہیں لوگ کسی کے ساتھ ارادت قائم رکھنے کے لئے کسی کو پیر بنانے کے لئے ایک معیار رکھتے ہیں کہ فلاں پیر صاحب کے پاس گئے تو بیمار ٹھیک ہو گیا' فلاں کے پاس گئے' تو بچہ ہو گیا ورنہ بچہ میرا تو نہیں ہو رہا تھا۔ عجیب بات ہے اتنی سی بات کسی کی سمجھ میں نہیں آتی کہ کوئی ایک ذرہ' اگر کسی انسان کے مشورے پر حرکت کرتا تو سارا نظام معطل ہو جاتا ہر ہر ذرہ کا ایک طے شدہ پروگرام ہے' جس میں پرو دیا ہوا ہے۔ انبیاء ورسول علیہ السلام بھی اللہ کے اس پروگرام میں سے گزرتے ہیں' نبی خالق نہیں ہیں کہ نیا جہاں ترتیب دیں' اس ترتیب دیئے ہوئے پروگرام میں سے گزرتے ہیں اور انبیاء علیہ السلام کے معجزات اولیاء اللہ کی کرامات کسی کی دعا اگر کسی کے حق میں موثر ہوتی ہے تو وہ اس پروگرام کا حصہ ہے' کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں ہوتی کسی کو ایک دوا سے شفا ہونا مقدر ہے تو وہ گرتا پڑتا' اس دوا تک پہنچتا ہے' شفاء ہو جاتی ہے اس طرح کی شفاء کسی دعا کے ساتھ منسلک کر دی گئی ہے لیکن اس نے ازل سے کر دی ہے اور وہ جانتا ہے کہ ایسا ہو گا اور اس کی قدرت سے ہو گا' اس کے حکم سے ہو گا' اس کے پروگرام کے مطابق ہو گا۔"

فرمایا۔ "تو یہ تصور جو اللہ کے لئے ہم نے گھڑ لیا ہے یہ بھی درست نہیں اور یہ جو معیار ہم نے بنا لیا ہے کہ فلاں بزرگ کے پاس گئے تو ہمیں اتنا دنیوی فائدہ ہوا اگر فائدہ ہوا تو یہ رب کی مرضی اور اگر نقصان ہوا' تو یہ میرے رب کی مرضی لیکن اس کے پاس جانے سے اگر تمہیں وہ کیفیت نصیب ہو کہ اللہ پر اعتراض کی بجائے اللہ کی اطاعت آجائے' اللہ کے رسول کے احکام چھوٹنے سے دل پر ٹھیس لگے تو یہی ولی ہے۔"

فرمایا "دعا یہ ہوتی ہے کہ اس کے لئے جو وسائل آپ کے اختیار میں ہیں' وہ اختیار کریں اور پھر خلوص کے ساتھ اپنا عجز اپنی بیکسی اللہ کے حضور ظاہر کردیں کہ یہ کام مجھ سے نہیں ہوسکے گا آپ ہی کرسکتے ہیں۔"

فرمایا۔ "دعا کا سلیقہ یہ ہے کہ تعمیل ارشاد کے لئے اپنی کوشش پوری کی جائے اور اپنی کوشش پوری کرنے کے بعد یہ عرض کیا جائے کہ بار الٰہی مجھے پتہ ہے میں عاجز ہوں' مجھ سے یا میری کوششوں سے نہیں ہوگا' کرنا آپ ہی کو ہے' یہ جو میں نے اسباب اختیار کئے ہیں' یہ بھی آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے' آپ کی اطاعت کے لئے کئے ہیں' آپ کا کام ہے کہ آپ میرا مقصد حل فرمادیں۔"

باب ۔6

برکات نبوت (1)

فرمایا۔ اتباع نبوت = "دنیا میں سب سے عظیم تر مقام ہدایت اور ہدایت کا منبع اور مصدر ہوتا ہے اللہ کا نبی اور رسول۔ اور پھر حضور اقدس ﷺ کی ذات اقدس وہ مینارہ نور ہے' جس سے باقی نبی اور رسول بھی روشنی حاصل کرتے ہیں لیکن جب تک دل کی دنیا صاف نہ ہو' دل اغراض دنیاوی سے پاک نہ ہو' آپ ﷺ سے بھی استفادہ نہیں ہو سکتا۔ مثلاً" منافق کون ہوتا ہے وہ جو دنیا کا فائدہ حاصل کرنے کے لئے دین کو ذریعہ بنائے یعنی دین کو حق سمجھ کر کلمہ نہیں پڑھتا بلکہ منافق کے دل میں یہ بات ہوتی ہے کہ یہ حق نہیں ہے لیکن میں ان لوگوں کے سامنے حق کہوں گا کیونکہ میرا ان سے کام ہے' مجھے ان سے فلاں غرض ہے' یا اسلامی سلطنت بن رہی ہے تو ہمیں بھی اس میں سے کچھ حصہ مل جائے گا۔ مسلمان مجاہدین جب فاتح ہو کر لوٹتے ہیں' غنیمت بٹتی ہے تو اس میں حصہ ملے گا مسلمانوں کی ریاست میں رہتے تھے تو خدا کے لئے نہیں' آخرت کے لئے نہیں' پیامبر ﷺ کی صداقت کے لئے نہیں' اپنے دنیوی مقاصد کے لئے۔ ایمان کا دعوی رکھتے تھے اور اس میں وہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ مل کر عمل بھی کرتے تھے' نمازیں بھی پڑھتے تھے' روزے رکھتے تھے بلکہ عبادات میں تو منافق زیادہ اہتمام کرتے تھے کہ ہمیں سستی کرتا ہوا معلوم نہ کرلیں اور پتہ نہ چل جائے کہ یہ منافقین ہیں اس کے باوجود انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا کہ بظاہر لوگوں نے یہ سمجھا کہ صحابی ہیں حضور ﷺ کے خادم ہیں' مومن ہیں'

بڑے اچھے ہیں لیکن رہے کافر کے کافر۔

فرمایا۔ تسلیم و برکات نبوت = رب العلمین ارشاد فرما رہا ہے اور وہ خالق کائنات وہ رازق کائنات' وہ حکیم مطلق' وہ قادر مطلق' وہ وحدہ لاشریک بے مثل و بے مثال اپنی ربوبیت کی نسبت محمد رسول ﷺ کی طرف کرکے اسی ذات کو خطاب فرماتا ہے۔ فلاوربک تیرے پروردگار کی قسم۔ کہ وما ارسلنک الا رحمتہ العالمین۔ ساری کائنات کو رحمت باری' جو نصیب ہوئی وہ بواسطہ محمد رسول اللہ ﷺ نصیب ہوئی۔ اس لئے ربوبیت کو اسی طرف منسوب کرکے فرماتے ہیں' تیرے پروردگار کی قسم۔ کس بات پر؟ فرمایا لایومنون یہ مومن نہیں ہوسکتے۔ ارے کیا کافر کو کہنا تھا کہ مومن نہیں ہوسکتے' کافر تو پہلے ہی کافر تھا' دعوی ایمان رکھنے والے کی بات ہو رہی ہے' مدعی ایمان کی بات ہو رہی ہے' مسلمان کہلانے والے کی بات ہو رہی ہے' رب العالمین اپنی عظمتوں کی' اپنی ربوبیت کی' رب محمد ﷺ ہونے کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ یہ مومن نہیں ہوسکتے۔ ہاں ایک راستہ ہے' یہ نمازیں پڑھتے رہیں' یہ چلے کاٹتے رہیں' یہ تسبیحات گلے میں لٹکاتے پھریں' انہیں حج کر لینے دو' میری بارگاہ میں یہ مومن تسلیم نہیں کئے جائیں گے۔ ہے کوئی اور راستہ؟ رب العالمین نے فرمایا ایک راستہ ہے اپنے معاملات میں اس قانون صداقت' اس نظام عدل' اس طریق انصاف کو قبول کرلیں جو میرا حبیب ﷺ لے کر آیا ہے ایک راستہ ہے صرف قبول ایمان کا تبلیغ کی قبولیت کا نوافل کی قبولیت کا' ذکر اذکار کی قبولیت کا ارے ایمان کی قبولیت کا' راستہ ایک ہی ہے کہ نظام محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنالو۔ فرمایا مجبوراً" نہیں' محبت سے جانثاری سے' دل کی گہرائیوں سے' میرے حبیب ﷺ جسے تو قتل ہونے کا حکم دے' اس کے نزدیک قتل ہونا محبوب ہو جائے' تیرے حکم پر ان کے دل میں میل نہ آئے ویسلموتسلیما اور ماننے کا حق ادا کردے۔

فرمایا۔ اتباع نبوت کا امتحان = رب کریم فرماتے ہیں لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم زبان سے کہہ دیں گے کہ بھئی ہم تو ایمان لاتے ہیں' ہم مسلمان ہیں' ہم وہ کام کریں گے' جس کا اللہ جس طریقے سے کرنے کا حکم اور اجازت دیں گے' جہاں سے روک دیں گے' رک جائیں گے اور یہ کہہ کر بس بات ختم ہوگئی' پھر جو جی میں آئے کرتے رہیں گے پھر کیا پرواہ

ہے۔

لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ بس ہم نے کہہ دیا کہ ہم ایمان لے آئے اور بات ختم ہوگئی۔ فرمایا نہیں یہ کہنے کا کام نہیں' یہ تو کرنے کا کام ہے یہ صرف کہنے کی بات نہیں ہے' یہ تو کرنے کی بات ہے۔وھم لا یفتنون انہیں پرکھا نہیں جائے گا؟ کوئی نہیں دیکھے گا کہ یہ کر کیا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا تو ہے کہ اللہ ہم تیری عظمت کو' تیری کبریائی کو' تیری سلطنت کو تیری الوہیت کو' تیری یکتائی کو' تیری خلاقیت کو' تمام مخلوق پر مقدم مانتے ہیں اور اپنا سرنیاز تیرے سامنے جھکاتے ہیں مخلوق کے ساتھ ہمارا وہ تعلق رہے گا' جس کی تو اجازت دے گا جہاں تو روک دے گا ساری خدائی چھوڑ دیں گے لیکن تیرا دروازہ نہیں چھوڑیں گے۔

فرمایا۔ اتباع نبویؐ = اگر اب مسلمانوں کو یہ خیال ہو کہ شعائر اللہ پر حملہ ہوا' تو اللہ کریم ابابیل بھیج دیں گے تو یہ غلط فہمی ہے۔ جب بیت اللہ کی حفاظت کے لئے ابابیل بھیجے تھے' تب مسلمان دنیا میں نہیں تھے' اب اس امت کو اللہ نے اعزاز بخشا اور نبی کریم ﷺ معبوث فرمائے گئے تو اس کے بعد یہ ذمہ داری ان کی امت پر ہے ابابیل نہیں آئیں گے' اس کے بعد ابابیل نہیں آئے۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے جانیں دیں' صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے خون دیا' صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے گھر قربان کئے' سفر کئے' جہاد کئے' مقابلے کئے' اور روئے زمین پر اللہ کے دین کو پھیلایا' انصاف قائم کیا اور اللہ سے بچھڑی ہوئی مخلوق کو اللہ کے ساتھ جوڑا۔ اب قیامت تک یہ عہد نبی کریم ﷺ کی امت کا ہی ہے' یہ ساری ذمہ داری آپ ﷺ کے ماننے والوں اور مسلمانوں پر ہی ہے' ہم سب پر ہے اگر ہم ہی اس کا احساس نہ کریں پھر تو اللہ قادر ہے' وہ جب دین کو باقی رکھنا چاہتا ہے تو اس کا انتظام بھی کر دے گا۔

مسلمانوں کو یہ غلطی لگی ہوئی ہے کہ دین ہم سے قائم ہے اصل بات یہ ہے کہ ہم دین سے قائم ہیں کیونکہ دین کو تو اللہ باقی رکھے گا' یہ اس کا وعدہ ہےانا نحن نزلنا الذکر وانالہ لحافظون۔ ہم نے قرآن کو نازل کیا' ہم اس کی حفاظت کرتے ہیں تو حفاظت کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن آسمان پر تو محفوظ ہی ہے' لوح محفوظ پر تو محفوظ ہے ہی حفاظت کا مقصد یہی ہے کہ قرآن کو جاننے والے' قرآن کو ماننے والے' قرآن پر عمل کرنے

والے دنیا میں' زمین پر موجود رہیں گے اور اس کا مظاہرہ تاریخ میں ہم بارہا دیکھ چکے ہیں۔

فرمایا۔ ایمان کیا ہے = اللہ جل شانہ نے اس آیہ کریمہ میں وعدہ یہ فرمایا کہ اللہ تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ وعدہ کرتا ہے جن کے ایمان درست ہیں اور عمل صالح ہیں۔ دو شرطیں جن میں موجود ہیں ایک آمنوا' صحیح ایمان اور عقیدہ' واعملوا لصلحت' اور دوسرا عمل صالح اگر یہ دو شرطیں تم میں پائی جاتی ہیں تو تمہارے ساتھ اللہ کا وعدہ یہ ہے لیستخلفنھم فی الارض۔ تمہیں روئے زمین پر اپنی خلافت دے گا' اپنا نائب بنائے گا اللہ جل شانہ نے کسی ایک ملک کسی ایک سلطنت' کسی ایک براعظم کی بات نہیں کی فرمایا لیستخلفنھم فی الارض میں تمہیں روئے زمین پر اپنی نیابت دوں گا' تم روئے زمین کے حکمران بنو گے' اللہ کی طرف سے اللہ کے دین کو نافذ کرنے کے لئے' اللہ کے احکام کو منوانے کے لئے' باطل کو روکنے کے لئے اور حق کو ظاہر کرنے کے لیئے تمہیں روئے زمین پر اقتدار دیا جائے گا۔

فرمایا۔ دین = دین سارے کا سارا عدل ہے اور سارے کا سارا احترام ہے' سارے کا سارا ہی محبت ہے یہ نفرتیں' یہ ایک دوسرے پر طعنے' ایک دوسرے پر کفر کے فتوے' یہ روز روز کی لڑائیاں' یہ روز روز کے جھگڑے ہر شخص کا اپنی بات منوانے پر اصرار یہ دین نہیں ایک بات پہ اصرار کیا جا سکتا ہے کہ ہر شخص خلوص دل سے رسول اللہ ﷺ کو معیار بنالے۔ اب اس معیار بنانے میں وہ ہمارا محتاج نہیں ہے کہ جس طرح ہم سوچیں' اسی طرح سے وہ بھی سوچے اسے بھی نبی کریم ﷺ کے احکام کو جان کر انہیں سمجھنے کی اجازت رب کریم نے خود دی ہے اس کے پاس فرصت ہے موقع ہے اور وہ جس انداز سے جس نگاہ سے دیکھتا ہے' خلوص نیت کے ساتھ اطاعت کرے اس میں وہ چھوٹے چھوٹے اختلاف آجاتے ہیں جن کی اصل تو سنت سے ثابت ہوتی ہے لیکن صورت میں تھوڑا سا اختلاف ہوا ہے یعنی جب کوئی بلند آواز سے آمین کہتا ہے دوسرا خاموشی سے کہتا ہے اصل تو ثابت ہے تو یہ چیزیں پھر اختلاف نہیں رہتیں انسانوں کی استعداد ان کی سمجھ ان کی رائے الگ الگ ہے تو یہ تھوڑا تھوڑا اختلاف جو ہے اب یہ الگ ہو سکتی ہے اس کی گنجائش ہے لیکن ہر بات پہ دوزخ کا دروازہ کھول کر کھڑے ہو کر ہر عالم و ہر عام آدمی کو جو قابو آئے جہنمی بنا کے چلے جانا یہ اسلام نہیں ہے۔

فرمایا۔ ایمان = ایمان ایک کیفیت کا نام ہے' جو محض الفاظ میں نہیں آتی بلکہ ایک

تیقن ایک اعتماد یقین کی ایک حالت جو دل میں پیدا ہوتی ہے اس کا نام ایمان ہے۔ الفاظ محض اس کا اظہار کرتے ہیں اس لئے ایمان کے ساتھ یہ قید لگائی ہے فقہا نے۔ اقرار باللسان واتصدیق بالقلب۔ کہ زبان اقرار کرے اور دل اس کی تصدیق کر رہا ہو۔ زبان اس بات کا اعلان کرے' جس بات پر دل جم گیا ہو۔ اللہ کریم فرماتے ہیں' جس کا دل میری عظمت پر' آخرت پر' میرے خالق اور میرے رازق ہونے پر میری ذات پر' میری صفات پر' یقین سے روشن ہو گیا اس کے لئے شیطان کوئی حیثیت نہیں رکھتا' اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا شیطان کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے کہ اسے کوئی نقصان پہنچا سکے اگرچہ گمان کے درجے میں شیطان نے کہہ تو دیا تھا کہ اللہ میں انہیں گمراہ کروں گا اور یہ میری پوجا کریں گے' تیری بارگاہ میں سجدہ نہیں کریں گے' میری پوجا کر رہے ہوں گے مجھے پکاریں گے' میری اطاعت کریں گے' میری غلامی کرلیں گے لیکن اس کے ہونے کا یقین شیطان کو بھی نہ تھا۔

فرمایا۔ ایمان = ایمان عقائد و نظریات کا نام ہے اور اعمال ان نظریات کے گواہ ہوتے ہیں' جو شخص بھی ایمان کا دعوی کرتا ہے' اس کے اعمال اس کے اس دعوی کی تصدیق کرتے ہیں یا تردید کرتے ہیں اس ایمان کا اجر یا صلہ یا انعام جنت ہے' اللہ کا قرب ہے' اللہ کی رضا ہے' اعمال پر جنت کا دارومدار نہیں بلکہ اعمال صرف میدان حشر میں ہمارے ایمان کا معیار مقرر کریں گے اعمال اس بات کی دلیل ہوں گے کہ اس نے جو دعوی ایمان کیا ہے' اس میں کتنی جان ہے اور اس شخص کی عملی زندگی کو وہ کس حد تک متاثر کر سکتا ہے جتنی جتنی زندگی ہمارے ایمان سے متاثر ہوگی' ہمارے اعمال' ہمارے دعوی کے ثبوت دیں گے جتنا اس کے ساتھ مطابقت اختیار کرتے جائیں اتنا ایمان معیاری ہوتا چلا جائے گا حتی کہ سب سے اعلیٰ ایمان وہ فنافی الرسول ہے فنافی الرسول سے مراد یہ ہے کہ انسان کی کوئی بھی خواہش' کوئی چاہت اپنی نہ رہے جو وہ چاہے وہ حضور ﷺ کی چاہت سے چاہے' یہ کمال ایمان ہے اور یہی زینہ ہے فنافی اللہ کا کیونکہ اللہ جل شانہ کی کوئی نشانی بجز محمد ﷺ ہم تک نہیں پہنچی اور نہ ہی ہم مقرر کرنے کی استعداد رکھتے ہیں۔

ہر زمانے کی مصیبتیں اور آزمائشیں جداگانہ ہوتی ہیں کیونکہ یہ مزاجوں اور استعداد کے مطابق ہوتی ہیں ہم سے تھوڑا پہلے جو زمانہ تھا' اس میں اعمال پر لے دے ہوتی تھی عقائد

بڑے صاف ستھرے بڑے سادہ سے ہوتے تھے اب ہم جس دور میں گزر رہے ہیں' اس میں سارا زور عقائد کی لے دے پر آپڑا یعنی دعوی کی شہادت پر شکوک و شبہات کا انحصار کیا جارہا ہے اعمال کی شہادت کی نوبت تو تب آئے گی' جب دعوی سے فارغ ہوں گے کہ یہ ہمارا دعوی ہے کوئی بات معین ہوجائے گی ایک بات طے ہوجائے گی کہ ہم اس بات کو قبول کرتے ہیں اس کے بعد باری آئے گی' ہمارے اعمال کو جانچنے کی جو بات ہم نے قبول کی ہے ہمارے اعمال اس کی تصدیق کرتے ہیں' یا نہیں اور یہاں یہ مصیبت ہے کہ کم وبیش نصف صدی ہونے کو آئی ہے' تقسیم ملک کو' اور آج بھی ایسے لوگ جو اسلام کو قبول کرنا تو دور کی بات ہے اسلام کو پسند بھی نہیں کرتے۔

فرمایا۔ غلبہ دین = اس آیہ کریمہ میں جو اصول بیان کیا گیا ہے کیا یہ اصول فتح مکہ کے بعد ختم ہوگیا؟ ایسا نہیں ہے۔ قرآن حکیم تو قیامت تک کے لئے کتاب ہدایت ہے للذا یہ ایک اصول قرار پایا ہے کہ جہاں دین کا مرکز ہوگا' جہاں دین دار لوگ ہوں گے' جہاں دین سمجھنے سمجھانے کی بات ہوگی' وہاں سے اگر کوئی غیر اسلامی طاقت دین کو یا دین داروں کو نکال بھی دے' تو بالاخر دین غالب آئے گا' دین دار غالب آئیں گے وہ واپس آئیں گے' یہ ایک اصول بن گیا۔ اب اس اصول کو آپ چودہ صدیوں پہ منطبق کرکے دیکھیں' پوری تاریخ اسلام میں یہی ہوتا آیا ہے' جہاں دینی مراکز بنے اور غیر اسلامی قوتوں نے وہاں سے مسلمانوں کو' اہل اسلام کو' خود اسلام کو نکالنے کی کوشش کی' نتیجتاً" جدوجہد کے بعد' مقابلے کے بعد بالاخر اسلام غالب آیا اور چودہ سو سال میں کوئی بھی اسلام میں ایک نقطے کی کمی بیشی نہ کرسکا اس قدر مضبوط رہی اسلامی دنیا' اس قدر مضبوط رہے مسلمان اتنے جانثار نصیب رہے اللہ کے دین کو' کہ انہوں نے اس کے ایک ایک نقطے کی حفاظت کی۔

فرمایا۔ غلبہ دین ودانشور طبقہ = یہ جو قوم کا ادیب' دانشور' شاعر اور لکھنے والا طبقہ ہوتا ہے' یہ نبض ہوتی ہے قوم کی۔ آپ کسی بھی قوم کا ادب پڑھ کر اندازہ کرسکتے ہیں کہ اس قوم کی کیا فکر ہے' اس کی سوچ کیا ہے؟ ان میں جرات کتنی ہے ان کے نظریات کیا ہیں؟ اور یہ کیسے لوگ ہیں؟ آج ہمارے ادب میں فواحشات' بدمعاشی' چوری اور ڈکیتی کے ناول زیادہ مشہور ہیں اور اس کے ساتھ تمسخر دین کا' دینی عقائد کا' دینی حقائق کا' اور تیسرا حصہ ہمارے

ادب میں وہ ہے جو ہندو مذہب کی بنیاد سے وابستہ ہے کہیں سانپ انسان بن جاتا ہے کہیں مرنے والا دوبارہ آجاتا ہے' (آواگون کا نظریہ یہ ہے ہندوؤں کا ہے) یہ تین ستون ہیں ہمارے آج کے ادب کے۔ اس لئے کہ ہر وہ بندہ ادیب ہے' جسے دین سے کوئی مس نہیں ہے اور جس نے دین کے لئے دو سجدے کئے' اس کے لئے یہ کونہ کافی ہے کہ اس نے اب چلہ لگالیا تبلیغ کا' کچھ دیر ذکر کر لیا گویا عبادت تو کرتا رہا لیکن دوسرا حکم واصطبر لعبادتہ۔ تو وہ ادھوری عبادت جو ماحول کو' معاشرے کو' فضا کو' متاثر نہ کر سکے' وہ اس کی شان کے لائق نہیں ہے۔ کون اس کو روک سکتا ہے؟ کون اس کی رحمت کو روک سکتا ہے؟ بات بخشش کی نہیں ہے' بات عبادت کے معیار کی ہے کہ کیا یہ عبادت اس قابل ہے کہ اس کی بارگاہ میں پیش ہو سکے۔

فرمایا۔ ایمان و عمل صالح = ایمان کامل وہ ہوتا ہے جو انسان کو توفیق عمل ارزاں کردے' وہ یقین جس پر بنیاد بنا کر آدمی کام کرتا ہے اور عمل صالح وہ ہوتا ہے جو اللہ کے حکم اور سنت خیر الانام ﷺ کے مطابق ہو۔ کام اس لئے کیا جائے کہ وہ اللہ کا حکم ہے اور اس کے کرنے کا طریقہ اور سلیقہ وہ ہو' جو نبی رحمت ﷺ نے فرمایا جس کام میں بھی آپ ﷺ کا اتباع نہیں یا آپ کی ناپسندیدگی آگئی وہ عمل صالح نہیں ہو سکتا۔

فرمایا۔ حفاظت قرآن = ایک اصول یاد رہے کہ نبی کریم ﷺ اللہ کے آخری رسول' آخری نبی ہیں قرآن حکیم آخری کتاب ہے اور دین اسلام آخری دین ہے کوئی بھی شخص یہ وہم نہ کرے کہ اسلام کبھی بھی کسی زمانے میں دنیا سے مٹ جائے گا اس کا امکان ہی نہیں۔ اسلام آخری دین ہونے کا معنی ہی یہ ہے کہ یہ کبھی نہیں مٹے گا' ہمیشہ روئے زمین پر موجود رہے گا اگر کوئی دین مٹ جانے والا ہو' تو اس کی جگہ نیا دین اللہ کی طرف سے بھیجا جاتا ہے' نیا نبی مبعوث ہوتا ہے نئی کتاب آجاتی ہے۔ آخری کتاب آخری رسول سے مراد یہ ہے کہ اس کتاب کو کوئی نہیں چھیڑ سکے گا اور چودہ سو سالہ تاریخ گواہ ہے کہ کوئی ایک نقطہ' کوئی ایک زبر زیر کوئی ایک حرف' اس کا تبدیل نہ کیا جاسکا اس طرح اسے ہمیشہ رہنا ہے۔ حضور ﷺ کی نبوت ہمیشہ رہے گی' دین اسلام زمین پر ہمیشہ باقی رہے گا' حالات بدلتے رہتے ہیں اور حالات کی تبدیلی۔ لوگوں کے کردار کے ساتھ اللہ کریم کے ہاں ان

کی حیثیت کے مطابق ہوتی ہے جب لوگوں کا نصیب بگڑتا ہے بدبختی آتی ہے برائی کرتے ہیں تو دین پہ آنچ نہیں آتی بلکہ اللہ ان لوگوں کو مٹاتا ہے۔

فرمایا۔ اسلام کا تقاضا = انبیاء علیہ السلام کی تعلیم کا بنیادی عنصر یہ ہوتا ہے کہ ہر طرح کی اطاعت جس پر نفع کی امید ہو اور جس کے صلے میں نقصان سے بچنے کا بھروسہ بھی ہو' اس سارے کا مستحق اکیلا اللہ ہے' اسی کی ذات پہ امید بھی رکھو' ہر طرح کے نقصان سے میری حفاظت وہی فرمائے گا اور ہر طرح کا منافع بھی مجھے وہی عطا فرمائے گا' اگر یہ بات سمجھ لیں اور اس بات پر یقین حاصل ہو جائے' تو پھر سب کچھ چھوٹ سکتا ہے لیکن اللہ کی عبادت' اللہ کی اطاعت نہیں چھوٹ سکتی۔

فرمایا۔ ایمان و اسلام = در حقیقت اسلام کا معنی بھی وہی ہے جو ایمان کا ہے۔ فرق یہ ہے کہ ایمان اس کیفیت کا نام ہے کہ جب کسی کے دل میں یہ یقین پیدا ہو اور وہ یقین اتنا مضبوط ہو کہ اس کے اعضاء کو اطاعت الٰہی پر لگا دے' یہ ہے ایمان۔ اسلام یہ ہے کہ کوئی اطاعت الٰہی شروع کرے اور اس مجاہدے سے کرے' اس کے طفیل اس کے دل میں نور ایمان پیدا ہو یعنی اگر آپ باطن سے ظاہر کو چلیں تو یہ ایمان ہوگا اور ظاہر سے باطن کو چلیں تو یہ اسلام ہوگا۔ یعنی ایک ہی کام کو کرنے کے دو انداز ہیں' کچھ لوگ بات سن کر اتنی قوت سے قبول کرتے ہیں کہ پھر ان کا ہر کام اس کے تابع ہو جاتا ہے وہ مومن ہیں۔ کچھ لوگ اطاعت اختیار کرتے ہیں اور دل میں یقین کا وہ درجہ نہیں ہوتا لیکن اس اطاعت کے طفیل بھی پھر نور ایمان نصیب ہو جاتا ہے' یہ اسلام ہے۔

فرمایا۔ معرفت الٰہی و عشق نبوی = معرفت الٰہی کا انحصار ہے معرفت رسالت پر اور معرفت رسول ﷺ کا انحصار معرفت الٰہی پر ہے۔ بعض چیزوں پر' نرے بھاگ دوڑنے سے نہیں مل جاتی' نرا کہہ دینے سے نصیب نہیں ہوتی' اس کا انحصار ہے بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔ نبی ﷺ مبعوث ہوئے ہدایت اور دین حق کے ساتھ اور اس غرض سے مبعوث فرمایا اللہ کریم نے کہ یہ دین اور یہ ہدایت تمام ادیان پر غالب آئے گویا معرفت نبوت کا انحصار اس کوشش میں ہے جو غلبہ اسلام کے لئے' دین کی سربلندی کے لئے' ادیان عالم پر دین کو غالب کرنے کے لئے کی جاتی ہے جو کوشش نہیں کرتا وہ

کہہ تو سکتا ہے کہ مجھے حضور ﷺ سے محبت ہے' وہ محبت سے آشنا ہو نہیں سکتا' تو اسے جل شانہ نے مشروط کردیا ہے...... جب شرط معدوم ہو جاتی ہے تو مشروط بھی معدوم ہو جاتا ہے رب جلیل نے بھی اسی طرح بڑے واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا کہ معرفت رسالت' قرب رسالت عشق محمدی ﷺ' یا محبت رسول اللہ ﷺ اس شخص کو نصیب ہو گی' جو غلبہ اسلام کے لئے تن من دھن کو لگادے گا۔

فرمایا۔ اسلام و اعتدال = ایک ایسی معتدل جماعت جس کے تمام ارکان میں کہیں تشدد نہیں پایا جاتا نہ تو کوئی ایسی کٹھن محنت نفوس انسانی پہ ڈالی گئی ہے جو خلاف مزاج انسانی ہو اور نہ کہیں عبادات میں اس طرح کمی رہ گئی ہے کہ انسان اس کی وجہ سے کہیں کمال انسانیت کو پانے سے محروم رہ جائے نہ تو ایسی عبادات فرض کی گئی ہیں جن میں نری مشقت ہو اور نہ اطاعت و عبادات میں کسی طرح کی کمی رہنے دی گئی ہے۔

فرمایا۔ ذکر الٰہی کا معیار = ضرورت اس امر کی ہے کہ جو لوگ عبادات الٰہیہ اختیار کئے ہوئے ہیں' وہ اپنی حالت کا اندازہ کریں خصوصاً" جن لوگوں کو ذکر الٰہی نصیب ہے' ان کے پاس معیار ہی یہ ہے کہ یہ ذکر الٰہی' یہ تلاوت' یہ رکوع و سجود' یہ مراقبات مجاہدے' کیا اس کی عملی زندگی میں کوئی مثبت تبدیلی لا رہے ہیں یا نہیں؟ یہ بھی یاد رکھیں کہ ہر شخص کا معیار ایک نہیں ہوتا۔ ایک شخص پہلے سے گناہ کی طرف رغبت نہیں رکھتا تو جب مزید اسے عبادات اور اذکار نصیب ہوں گے تو بہت تبدیلی آئے گی۔ اس شخص میں اور بہت تقویٰ پیدا ہو گا لیکن اگر ایک شخص دن بھر میں پچاس گناہ کرتا ہے تو ذکر الٰہی کی وجہ سے وہ متقی نہ بن جائے' تو پچاس سے انچاس اور انچاس سے اڑتالیس پنتالیس چالیس پینتیس بیس گناہوں پہ اس طرح آجائے تو اس طرح غلطیاں کم تو ہوتی جائیں گی یہ بھی ایک مثبت اثر ہے یعنی ساری دنیا بایزید بسطامی نہیں بنی گی لیکن ذکر الٰہی سے ذاکر اس کی برکات سے خالی نہیں رہ سکتا' پہلے اگر وہ گناہ کی طرف دوڑ کر جاتا تھا' تو پھر اگر تنفر پیدا نہ ہو تو کم از کم دلچسپی تو ختم ہو جائے گی' یا گناہ کی ہوس تو ختم ہو جائے گی' اگر ایسا ہوا تو وہ بجا طور پر امید رکھ سکتا ہے کہ کبھی تنفر بھی پیدا ہو جائے گا اگر ارتکاب معاصی میں کمی پیدا ہونا شروع ہو جائے' تو پھر بجا طور پر امید رکھی جاسکتی ہے کہ کبھی تقویٰ بھی نصیب ہو گا لیکن اگر یہ اذکار و مراقبات بھی اسے دنیا ہی کی محبت دیں' اسے گناہ

کی طرف رغبت دیں تو وہ اسے ایک اور جواز بنالے گناہ کرنے کا کہ لوگ تو بغیر ذکر کے زندگی بسر کررہے ہیں' گناہ بھی کرتے ہیں' ہم تو ذکر بھی کرلیتے ہیں اگر ہم نے گناہ کرلیا' تو کیا ہوا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کے اذکار' اس کی عبادات' محض رسم ہیں' ان میں کوئی جان نہیں' کوئی روح نہیں' کوئی اثر نہیں اور وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہا ہے۔

فرمایا۔ دین حق = تو دین حق وہ نعمت ہے جس کو ماننے والوں کے اقرار سے یا انکار کرنے والوں کے انکار سے اس کی عظمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ انکار کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے وہ گدھے کی طرح مٹی کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے جسے نہ کھا سکتا ہے اور نہ اس سے آرام حاصل کرسکتا ہے اب اگر اس مٹی کی جگہ اسے جواہرات مل جاتے ہیں اور ساری زندگی کا بوجھ اٹھا سکتے ہیں لیکن نہیں لینا چاہتا' تو یہ اس کی بدبختی ہے۔

فرمایا۔ اتباع نبوی = زمانہ اپنی رفتار سے بڑھتا رہتا ہے جن کو ہم حادثات سمجھتے ہیں' یہ اس کے پیچ و خم ہیں' اس کے وجود کا حصہ ہیں' خالق کائنات نے اس میں ایسے موڑ دیئے ہیں' جہاں سے زندگیاں اوجھل ہوجاتی ہیں' کہیں ایسی بلندیاں دے دی ہیں' جہاں سے کائنات سامنے آجاتی ہے' کہیں ایسی گہرائیاں دے دی ہیں' جہاں اپنا آپ بھی گم ہوجاتا ہے تو لوگ اس کی مختلف سمتوں پر پڑتی ہوئی کرنوں سے حسن تلاش کرتے ہوئے مختلف راستوں میں کھو جاتے ہیں لیکن یہ بات طے ہے کہ انسان بنیادی طور پر حسن کا متلاشی ہے' حسن عمل ہو حسن عقیدہ ہو' زندگی کا حسن ہو' موت میں حسن ہو مابعد الموت کی حقیقتوں پر ایمان نہ بھی نصیب ہو' تو جو زندگی اس کے سامنے ہے' اس میں وہ حسن کا متلاشی ضرور رہتا ہے' کسی کے خیال میں دولت اس کا سبب بنتی ہے کسی کے فیصلے کے مطابق اقتدار و وقار اس کا سبب بنتا ہے' تو اس طرح یہ مختلف ابھرتی چمکتی ہوئی چوٹیاں زمانے کے نشیب و فراز میں نظر آتی ہیں' لوگ ان کی طرف دوڑتے ہیں' ان کے راستوں میں گھنے جنگل بھی ہیں' صحرا بھی ہیں' دلدلی علاقے بھی ہیں' نشیب و فراز بھی ہیں' موڑ بھی ہیں کوئی وہاں پہنچتا ہے اور پہنچ کر گم ہوجاتا ہے' بیشتر راستے میں گم ہوجاتے ہیں' اللہ جل شانہ نے جو خالق ہے انسان کا اور انسانی مزاج کا بھی اور جس نے تلاش حسن انسان کے مزاج میں سمو دی ہے اس نے اسے حسن لازوال کا نشان بھی بتادیا ہے کہ لوگو تمہارے لئے سارے کا سارا حسن جو ہے اسوہ حسنہ وہ ایک ذات میں ہے اور وہ ہے

محمد رسول اللہ ﷺ۔

فرمایا۔ ایمان و تلاوت = تلاوت کتاب کا ایک مستقل اثر ہے' اس سے ایمان میں پختگی آتی ہے اور جس کے سبب تلاوت پر طبیعت مائل ہو جاتی ہے جو عبادت کی شرط بنتا ہے' جتنا کسی کا پختہ یقین ہو گا آخرت پر اتنے ہی لگن کے ساتھ وہ رکوع و سجود کرے گا اگر آخرت پر یقین میں کمی واقع ہو جائے تو رسم رہ جاتی ہے' عبادت نہیں رہتی۔

فرمایا۔ دین و بین الاقوامیت = آج ہمارے پاس بہت بڑا بہانہ' اپنے آپ کو بتلانے کے لئے یہ ہے اور دوسروں کو بتانے کے لئے بھی کہ ہم بین الاقوامی معاشرے میں ہیں اور ملکی ماحول بھی مخالف ہے اگر دین پر عمل کریں' تو کیسے ایڈ جسٹ ہو سکتے ہیں۔ میں بتاؤں آپ کیسے ایڈ جسٹ ہو سکتے ہیں' جیسے وہ لوگ ایڈ جسٹ ہو گئے تھے' جن پر اہل مکہ نے مظالم کے پہاڑ توڑ دیئے تھے' ظلم کا ہاتھ ٹوٹ گیا لیکن جو بظاہر کمزور تھے' انہیں ان کا کوئی ظلم توڑ نہیں سکا معاشرے میں ایڈ جسٹ نہیں ہوئے' معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کر ان کے ساتھ ایڈ جسٹ ہو گیا' جو لوگ ساری زندگی معاشرے کے ساتھ خود کو ایڈ جسٹ ہونے کی سوچتے رہتے ہیں' معاشرہ انہیں ڈھالتا رہتا ہے وہ قوت پیدا کرو کہ ایک مسلمان بھی ہو' تو وہ مسلمان رہے خواہ سارے معاشرے کو ٹوٹنا پڑ جائے' تب جا کر آپ معاشرے میں نہیں' معاشرہ آپ میں ایڈ جسٹ ہونے کی کوشش کرے گا' اگر آپ اپنے آپ کو ایڈ جسٹ کرنے کی سوچیں گے تو آپ تبدیلی نہیں لا سکیں گے۔

فرمایا۔ ایمان = لوگو! یاد رکھو اسی محبت کو اصطلاح شریعت میں ایمان کہا گیا ہے یہی ایمان ہے' یہی اسلام کی بنیاد ہے اور اسی لئے ارشاد ہوا لا یومن احدکم۔ کہنے کو کہتے رہیں گے لیکن تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکے گا تب تک' جب تک آپ کے نزدیک محمد ﷺ آپ کے ماں باپ سے' اولاد سے' جان سے عزیز نہ ہو جائیں۔ حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین کائنات بسیط میں اسے محمد ﷺ سے زیادہ کوئی اور محبوب نہ ہو جائے' سب کچھ چھوڑ سکے' سب کچھ لٹا سکے لیکن اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹے تو محمد ﷺ کا دامن نہ چھوٹے اسی کو ایمان کہا ہے اور اگر تھوڑے تھوڑے دنیاوی منافع کے لئے' معمولی معمولی دنیاوی آسائشوں کے لئے تھوڑے

تھوڑے لالچ پر حضور ﷺ کی نافرمانیاں ہونے لگیں' تو ایمان کہاں ہوگا۔ خبر لو لوگو۔ اپنے ان چند لمحوں کی جو آپ کے پاس ہیں ہو سکے تو اپنے دلوں کو اس کی بارگاہ میں لے جاؤ۔ اس دنیا میں دلوں کا معمار وہی ہے نفرتیں اور کدورتیں نکال کر محبت اور الفت کو بھرنا اسی کا کام ہے آپ ﷺ نے تو دریاؤں پہاڑوں اور درختوں تک کو محبت کرنا سکھادیا۔

فرمایا۔ امام و نبی = تو گویا امام شریعت کی کوئی اصطلاح نہیں ہے اصطلاحات شریعت کا اپنا اپنا مزاج ہے۔ نبوت شریعت کی اصطلاح ہے اور اس پر ایمان کا مدار ہے کہ نبی کو نبی علیہ السلام نہ سمجھنے والا کافر ہے اور غیر نبی کو نبی ماننے والا کافر ہے یعنی نبی شریعت کی ایک ایسی اصطلاح ہے جس کے ماننے نہ ماننے پر کفر اور اسلام کا دارومدار ہے۔

فرمایا۔ ایمان = ایمان اسی یقین کا نام ہے اور جب اس یقین کے ساتھ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین صف آراء ہوگئے تو قرآن شاہد ہے اللہ نے ملائکہ کو حکم دے دیا جاؤ' یہ دیوانے باز آنے والے نہیں ہیں' ان کی جگہ جاکر میدان میں سپاہی بن کر لڑو تاریخ عالم نے دیکھا کہ بڑے بڑے متکبروں کی گردنیں اڑتی ہوئی نظر آئیں' کافر قید ہوگئے' ستر مارے گئے اور مکے کا سارا غرور نکل گیا بلکہ روئے زمین پر پہلی دفعہ ظالم کا ہاتھ کاٹا گیا اور مظلوم نے اپنی آواز بلند کی۔

فرمایا۔ ایمان کا تقاضا = انسان چونکہ مکلف ہے اور انسان جب اس کی بارگاہ سے بھٹکتا ہے تو بے شمار فرضی خداؤں کو جنم دیتا ہے اور پھر اپنے آپ کو' اپنی ذات کو' اپنے وجود کو خدا کی جگہ رکھ کر منوانا چاہتا ہے تو ان باطل خداؤں اور جھوٹے خداؤں اور ان کی حاکمیت کے لئے چیلنج بن جانا یہ اصل عبادت ہے اللہ کی زمین پر ظلم کا مقابلہ کرنا' اور عدل کو قائم کرنے کے لئے مجاہدہ کرنا' محنت کرنا' یہ اصل عبادت ہے۔ اس میں اگرچہ رکاوٹیں آتی رہتی ہیں' دنیا کی بڑی بڑی کافر طاقتیں خلاف ہو جاتی ہیں' دنیا کا باطل نظام آپ کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے' باطل قوتیں آپ کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہیں اور انسان اپنے آپ کو بڑا چھوٹا' بڑا کمزور اور بڑا تنہا محسوس کرکے وہاں ثابت قدم نہیں رہ سکتا اس کے ثابت قدم رہنے کے لئے پھر ایک ہی بات رہ جاتی ہے کہ وہ خود کو تنہا محسوس نہ کرے بلکہ اپنے آپ کو اللہ رب العالمین کے دست قدرت کے سپرد کردے۔

باب۔ 7

برکات نبوت (2)

فرمایا۔ ایک بڑی بات عجیب بات جو قرآن حکیم میں جگہ جگہ ارشاد فرمائی گئی ہے اور تاریخ عالم بھی اس کی گواہ ہے کہ جہاں بھی اور جب بھی اللہ کا کوئی نبی مبعوث ہوا تو باطل اس سے ٹکرایا اور نبی کو جہاد کرنا پڑا انبیاء علیہ الصلوۃ والسلام شہید بھی ہوئے، ہجرتیں بھی کیں، فاتح بھی ہوئے لیکن یہ ٹکراؤ ہر عہد اور ہر دور میں ہوتا رہا۔ اس پر اگر آپ غور کریں تو یہ عجیب بات لگتی ہے کہ نبی علیہ السلام، بنی آدم میں مثالی انسان ہوتا ہے، جسے اللہ کی طرف سے احکام ملتے ہیں، اپنی امت کا پیشوا ہوتا ہے اس کا کردار مثالی ہوتا ہے معصوم عن الخطا ہوتا ہے۔ معصوم وہ ہوتا ہے جو زندگی بھر خطا نہ کرے، معصوم وہ ہوتا ہے جس میں خطا کا مادہ ہی نہ ہو ہر نبی سچ بولتا ہے، جھوٹ نہیں کہتا، انصاف کرتا ہے، ناانصافی نہیں کرتا، حق لیتا ہے، دوسروں کے حق کی حفاظت کرتا ہے، کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا تو پھر نبی علیہ السلام کے ساتھ لڑائی کس بات کی۔ نبی تو وہ مثالی انسان ہوتا ہے کہ غیر نبی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اللہ کا پیارا، مقدس برگزیدہ، خوبصورت باتیں کرنے والا، حق کی حفاظت کرنے والا، دوسروں کے حقوق کا محافظ۔ اس کے ساتھ جھگڑا کس بات کا؟ انبیاء علیہم السلام سے جھگڑا اس بات پر نہیں ہو رہا کہ وہ عبادت کیوں کرتے ہیں یا اللہ کا ذکر کیوں کرتے ہیں، یا نماز روزے کی بات کیوں کرتے ہیں۔ جھگڑا تب شروع ہوا جب معاشرے میں انہوں نے احکام الٰہی نافذ کرنے کا ارادہ کیا۔ ہر نبی نے مبعوث ہو کر یہ حکم دیا کہ معاشرے میں لوگوں کے جو آپس میں تعلقات ہیں، حاکم و محکوم کے

آجر اور اجیر کے، وہ اس طرح ہوں جس طرح اللہ کریم انہیں قائم کرنے کا حکم دیتا ہے اور جس طریقے کو اللہ پسند نہیں فرماتا اس طریقہ کو روک دیا جائے۔ اب معاشرے میں جن لوگوں کو اقتدار ملتا ہے وہ اپنی پسند کو قانون کا درجہ دیتے ہیں، اپنی رائے سے لوگوں کے حقوق کا تعین کرتے ہیں اگر اللہ کا قانون نافذ کیا جائے تو ایک عام آدمی اور ملک کا سلطان دونوں اس ملک کے شہری شمار ہوتے ہیں، دونوں کو اس کا احترام کرنا پڑتا ہے اور دونوں میں سے جو بھی قانون توڑے اس سے جواب طلبی کی جاتی ہے یہ وہ بات ہے جو ہر سلطان اور امیر کو پسند نہیں ہے اور یہیں سے جھگڑا شروع ہوتا ہے۔

فرمایا۔ فیض نبوت = یہ فیض صحبت نصیب اس طرح سے ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے براہ راست صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے اخذ کیا۔ حضور ﷺ کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد سے سلسلہ فیض ختم نہیں ہو گیا بلکہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی صحبت میں جو مومن پہنچا وہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ ہو گیا یعنی وہی فیض صحبت جو نبی اکرم ﷺ سے براہ راست صحابی رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو پہنچا تھا صحابی رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے اگلے مسلمان کو منتقل ہو گیا۔ اب بعد میں وہ قوت نہیں تھی کہ صحابی رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اپنی صحبت سے کسی کو صحابی بناتے کیونکہ ایک درجہ ایک وقفہ درمیان میں آ گیا تھا جب دور صحابی درمیان میں آ گیا تو صحبت صحابی سے تابعی بنا، جو بھی تابعی کی مجلس میں پہنچا تو تبع تابعی بنا یہ جو سلاسل مبارکہ ہیں اور ان میں جو شجرہ مبارک پڑھا جاتا ہے کہ فلاں نے فلاں سے، فلاں نے فلاں سے، اس سے مراد ہی برکات صحبت ہوتی ہیں کہ کون آدمی کس کی صحبت میں پہنچا اس نے کس سے فیوضات صحبت حاصل کیں اور یہ سلسلہ کیسے رسول اللہ ﷺ تک پہنچا لیکن یہ یاد رکھ لیں کہ جتنا طویل سلسلہ ہوتا ہے اتنی ہی اس میں قوت کم ہوتی چلی جاتی ہے اسی لئے یہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ تمام سلاسل سے قوی ہے کہ چودہ صدیوں میں صرف دس واسطے ہیں رسول اللہ ﷺ کی ذات قدس تک اور باقی کوئی بھی سلسلہ چالیس واسطوں سے کم تر کا نہیں ہے اس میں ایسے ایسے انسان ہیں کہ جنہوں نے تین تین چار چار صدی مسلسل دلوں کو روشن رکھا۔

یہ کمال انسانیت ہے اور یہ کمال اگر نصیب ہو جائے تو اللہ کریم اسے نبوت کی حقانیت کی

دلیل کے طور پر ارشاد فرماتے ہیں کہ دیکھ لو' میرے نبی کا کمال کہ اس گئے گذرے زمانے میں بھی خلوص دل سے محبت کرنے والے اور اللہ کو چاہنے والے کس نے پیدا کردیئے' اس صدی میں اس اخلاقی انحطاط کے دور میں بھی دلوں کو خلوص کس نے بخشا ہے' اگر کوئی خلوص دلوں میں آیا ہے تو اس کا مصدر ذات اقدس ﷺ رسول اللہ ہے اور یہ آپ کی حقانیت کی ایک اور دلیل ہے کہ برائیوں میں غرق انسانیت کا کوئی فرد بدترین زمانے میں بھی حضور ﷺ کا دامن تھام لے تو اسے وہاں بھی نیکی اور نورانیت نصیب ہو جاتی ہے اور رہ گئے وہ بدنصیب جو انکار کرتے ہیں' والکافرون لھم عذاب شدید۔ کفر کی قسمت میں دردناک عذاب ہے' زندہ رہیں گے' تو عذاب سہتے رہیں گے' دکھ سہتے رہیں گے' دوزخ ان کے دل میں ہوگا' زندہ رہیں گے تو بدن پر ریشم واطلس وکم خواب ہو' دل میں دوزخ ہوگا' مر جائیں گے تو وہ دوزخ میں ہوں گے' زندہ رہیں گے تو دوزخ ان کے اندر ہوگا مر جائیں گے تو وہ دوزخ میں جائیں گے اور اس کے لئے سوائے عذاب کے کچھ نہیں اللہ کریم کفر سے پناہ عطا فرمائے اور حضور ﷺ کی برکات صحبت سے مستفید فرمائے۔

فرمایا۔ ہدایت کی ضرورت = یاایھا الناس قد جاء کم من ربکم۔ تمہارے پروردگار کی طرف سے' اس کی طرف سے جو تمہاری تمام ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہے' اس کی طرف سے جو تمہارے رزق کا اہتمام کرنے والا ہے' جو تمہاری زندگی کا انتظام کرنے والا ہے' اس کی طرف سے تمہاری زندگی کے اسباب آچکے ہیں۔ فمن اھتدہ فانما یھتدی لنفسہ۔ اب اگر کوئی حق قبول کرے گا' ہدایت کو قبول کرے گا تو اللہ پر احسان نہیں کر رہا' بلکہ وہ اپنی بقاء اپنی زندگی اور اپنی جان کے لئے کر رہا ہے' وہ محنت اپنے لئے کر رہا ہے' یہ اس کی اپنی ضرورت ہے۔ یاد رکھیں' احساس ضرورت ہی شعور کی دلیل ہے عام زندگی میں جو شخص اپنے آپ کو لباس سے بے نیاز کر لے ہم اسے پاگل قرار دیتے ہیں۔ کیوں؟ لباس انسان کی ضرورت ہے اور وہ اس احساس سے بیگانہ ہو چکا ہے جسے بات کرنے کا سلیقہ نہ ہو' محفل کے آداب سے ناآشنا ہو' نفع ونقصان کی تمیز سے عاری ہو' ہم اسے پاگل کہتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ ساری چیزیں ضرورت انسانیت میں سے ہیں اور اسے ان کا احساس ہی نہیں۔ سو احساس ضرورت کا فقدان ہی انسان کو جاہل' اجڈ' بے وقوف یا پاگل کہلواتا ہے اور انسان کی

حقیقی ضرورت یہ ہے کہ اس کی روح اور باطن منور ہو' اسے حیات حقیقی نصیب ہو اور جسے روح کی حیات کا شعور ہی نہیں' حقیقتاً" کیا وہ پاگل نہیں؟ اگرچہ ایسے بے شعور لوگوں کو آج کل کے معاشرہ میں اصطلاحاً" دانشور کا نام دیا جاتا ہے فی الحقیقت سب سے بڑا پاگل وہ ہے جسے اپنی روحانی زندگی اور اس کی بقا کا احساس نہیں۔ سو یہ ہدایت تمہاری ضروت ہے جو ہدایت قبول کرتا ہے' فانما یھتدی لنفسہ۔ وہ اپنی ضرورت کو پورا کرتا ہے' اللہ تعالیٰ پر احسان نہیں کرتا اور جو ہدایت کو قبول نہیں کرتا وہ ایسا پاگل ہے' جسے اپنی ضرورت کا بھی احساس نہیں۔ ومن ل فانما یضل علیھا۔ اور اگر کوئی ہدایت قبول نہیں کرتا اور گمراہی اختیار کرتا ہے' تو خدا کا کچھ نہیں بگاڑ رہا بلکہ وہ اپنے ساتھ ہی زیادتی کر رہا ہے' گمراہی اختیار کر کے وہ اپنی راہ چھوڑ دیتا ہے' اپنے آپ کو تباہی کی طرف لے جاتا ہے اور اپنا ہی زیاں کر رہا ہے اور میرے حبیب ﷺ فرمادیجئے وما انا علیکم بوکیل۔ میں تم پر داروغہ مقرر نہیں ہوں کہ میں لاٹھی لوں اور تم سب کو ہنکا کر مسجد میں لے جاؤں یہ میرے فرائض میں سے نہیں ہیں میں داعی الی اللہ ہوں' اللہ کی طرف دعوت دینا میرا فرض منصبی ہے' جو بھی دعوت قبول کر کے میرے دروازے پر آجائے' اس کا تزکیہ کرنا' اسے پاک کرنا' اسے منور کرنا' اور اسے زندگی کا شعور عطا کرنا میرا فرض ہے' یہ فرائض نبوت میں سے ہے۔ یتلو علیھم آیاتنا ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمتہ۔ اللہ تعالیٰ کا رسول ﷺ تمہیں اللہ سے شرف ہم کلامی بخشتا ہے نبی ﷺ کا یہ کمال ہے کہ کیسا بھی گیا گزرا انسان لے آؤ' تمہیں پاک وصاف کر دیتا ہے اور تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم فرماتا ہے لیکن اگر تم اعراض کرو تو نبی ﷺ کے فرائض میں سے یہ نہیں کہ وہ زبردستی پکڑ کر قبول حق کرنے پر مجبور کرے' کوئی قبول نہ بھی کرے تو اے میرے حبیب ﷺ واتبع ما یوحی الیک من ربک۔ آپ کا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جو ارشاد آپ تک پہنچے اس پر عمل کریں' اللہ تعالیٰ کا حکم و قانون اور قاعدہ اپنائیے اور بتائیے خواہ ساری کائنات میں ایک فرد بھی آپ کے ساتھ نہ چلے تو کوئی بات نہیں اور ساری دنیا بھی چلنا چاہے' تو سب کو لے کر چلیں لیکن رفاقت رسول ﷺ کے لئے اتباع دین شرط ہے' ہر شخص کو اپنے رواج و رسوم اور اپنے بنائے ہوئے راستے اور خود متعین کی ہوئی راہ و منازل چھوڑ کر

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ' آپ ﷺ کا راستہ اپنانا ہوگا' دین یہی ہے کہ ہم اپنے متعین کردہ راستے چھوڑ دیں۔

فرمایا۔ ہماری اطاعت = جس ہستی کی دعوت پر صرف لبیک کہنے کا اثر اتنا ہے کہ امتی کی ایک دنیا بدل جاتی ہے تو نبی علیہ السلام کی بات پر عمل کرنے کا نتیجہ کتنا بڑا ہوگا جس کے سامنے صرف یہ کہنا کہ میں آپ ﷺ کی دعوت قبول کرتا ہوں' تو اتنا اثر رکھتا ہے کہ اس کہنے والے کو خواہ وہ تاریکی کی کتنی گہرائی میں ہو' آن واحد میں اسے سورج کے روبرو کھڑا کر دیتا ہے' روشنی میں کھڑا کر دیتا ہے' تو پھر اس کی بات سننا اسے سمجھنا اس پر عمل کرنا کتنی بڑی بات ہوگی۔ لیکن ایک بات کا ہمیں ضرور جائزہ لینا چاہئے ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ ہم نہ صرف امتی بھی کہلاتے ہیں بلکہ رات دن کلمہ طیبہ کی تسبیحات پڑھتے ہیں جہاں تک عمل کا تعلق ہے' نمازیں پڑھتے ہیں روزے رکھتے ہیں' حج کرتے ہیں' زکوۃ دیتے ہیں اور وہ بھی جو توفیق عمل ہے' زندگی میں کرتے ہیں' لیکن عملی زندگی میں اگر دیکھا جائے تو ہم دن بدن تاریکیوں میں غرق ہوتے جا رہے ہیں قتل وغارت کی تاریکیاں کہہ لیں' ہوس اور لوٹ مار لالچ کی تاریکیاں کہہ لیں' کون سی وہ برائی ہے' جو ہم میں ہر آنے والے دن میں بڑھتی نہیں جا رہی بات عجیب ہے کہ ایک ہاں کہنے سے ساری عمر کی ظلمتیں چھٹ جاتی ہیں اور ہم نہ صرف ہاں کہتے ہیں نسلوں سے صدیوں سے ماننے والے پیچھے چلنے والے حکم کی اطاعت کرنے والے دن بدن تاریکیوں میں غرق ہوتے جا رہے ہیں۔ اس لئے ارشاد فرمایا ہے یہ تو اللہ کا فیصلہ ہے کہ باطل جب بھی آتا ہے تو اپنی تباہی ساتھ لے کر آتا ہے کوئی بھی دل کی گہرائیوں سے اسے خوش آمدید نہیں کہتا اور جو لوگ برائی پر عمل کرتے ہیں وہ بھی برائی کو اچھا نہیں کہتے' برائی کو برا سمجھتے ہیں لیکن حق جب آتا ہے تو برکات الہیہ اسے استوار کر دیتی ہیں دلوں میں پیوست کر دیتی ہیں' لوگ کٹ جاتے ہیں لیکن یہ کہتے رہتے ہیں کہ حق حق ہے اور ہم حق کا ساتھ دیں گے ہجرت کی حقیقت کیا ہے؟ جس ٹھکانے کو آپ اللہ کے لئے چھوڑ دیں' ایسے ٹھکانے پہ چلے جائیں' جہاں اللہ کا حکم ہو' آپ نے شہر یا ملک چھوڑ دیا لیکن اس سے بھی کڑی ہجرت یہ ہے کہ آپ بری عادتیں چھوڑ دیں' مکان بدلنا مشکل نہیں' شہر بدلنا مشکل نہیں' مزاج بدلنا مشکل ترین ہے اگر مزاج نہ بدلے شہر بدلنا بھی ہجرت نہ ہوگا۔ قرآن کریم میں موجود ہے کہ اگر کوئی

کسی عورت کو حاصل کرنے کے لئے شہر چھوڑتا ہے' تو اس کی ہجرت اس عورت کے لئے ہے اگر کوئی مال و دولت کے لالچ کے لئے شہر چھوڑتا ہے تو اس کی ہجرت اس مال و دولت کے لئے ہے۔ اللہ کے لئے تب ہجرت ہوگی جب اللہ کی رضا کے لئے گھر بار چھوڑے۔ اگر مزاج نہ بدلا' تو ملک بدلنے سے ہجرت نہیں ہوتی اگر سوچ نہ بدلی' اس نے اپنے کردار میں ہجرت نہیں کی' تو گھر بدلنے سے ہجرت نہیں ہوتی' شہر بدلنے سے مہاجر نہیں بنتا بلکہ ہجرت کی بنیاد بھی یہ ہے کہ ہماری سوچ اور ہمارا کردار جو ہے جہاں جہاں ہم اللہ کے نافرمان ہیں وہاں سے نکل آئیں اور وہ طریقہ اپنائیں جو رب جلیل کو پسند ہے۔

فرمایا۔ کامیابی کا گر = اب کفر کا مقابلہ یا باطل نظاموں کا مقابلہ کرنے کی بنیادی ضرورت ہے ذکرالٰہی کی۔ قرآن حکیم کی تلاوت کی' اللہ کے حضور فرائض کے ساتھ فرائض کی ادائیگی کی ایک اور روشن دل کی۔ اس کے بعد دنیوی اسباب و رسائل نظر آتے ہیں اگر دنیوی اسباب و وسائل آپ کے پاس کم بھی ہوں فوجی طاقت کم ہوگی' سرمایہ کم ہوگا' اسلحہ کم ہوگا تو اس کی کمی کو رب جلیل پورا کر دیں گے اور اگر اس کی نیت میں کمی ہوگی تو دنیا کے اسباب اس کمی کو پورا نہیں کر سکیں گے ایک لشکر کے پاس آپ بے شمار اسلحہ ایمونیشن جمع کر دیتے ہیں' بے شمار افرادی قوت جمع کر دیتے ہیں لیکن اللہ کی رحمت اس کے ساتھ نہیں ہے تو وہ اسلحہ اور ایمونیشن وہ رحمت نہیں خرید سکے گا لیکن اگر ایک فوج کے ساتھ رحمت باری ہے تو وہ قادر ہے کہ دشمن کو اسلحہ استعمال کرنے کی توفیق نہ دے' ان کے اسلحہ کو خود ان پر ہی الٹ دے یا تمہارے تھوڑے وسائل سے زیادہ نتائج پیدا کر دے' اور ان میں برکت پیدا کر دے' تھوڑے لوگوں کو زیادہ پر فتح حاصل کرا دے۔ کم من فئہ قلیلتہ غلبتہ فئہ کثیرۃ باذن اللہ۔ تاریخ عالم میں دیکھو محدود اور چند نفوس پر مشتمل اور چھوٹے لشکروں نے کتنی بڑی بڑی فوجوں کو نیست و نابود کر دیا۔ دو طرح کے محاذ جنگ ہیں ایک ہیں فرد کی اپنی ذات اور دوسرا معاشرہ۔ جو فرد بھی اس پہلے اور چھوٹے محاذ جنگ سے سرخرو ہونے کی جرات نہیں کرتا' وہ اس بڑی لڑائی میں کام نہیں آسکتا' کبھی دین بے دینوں کے ہاتھوں نافذ نہیں ہو سکتا اور نیکی بدکاروں کے ہاتھوں سے عمل میں نہیں آسکتی۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس محاذ پر فتح حاصل کی جائے' جو اپنی ذات ہے' اسے آخرت کا یقین ہو' اسے موت کا

یقین ہو‘ ہم سب مانتے ہیں‘ ماننا اور بات ہے‘ یقین کرنا اور بات ہے۔ ماننا ہماری مجبوری ہے‘ صرف مسلمان ہی نہیں مانتا‘ کافر بھی مانتا ہے اس لئے کہ اس کے بھی سامنے اس کے اباؤاجداد اس کے بیٹے بھائی اس کے دوست احباب مرتے ہیں وہ بھی موت سے انکار نہیں کر سکتا ہم بھی نہیں کر سکتے لیکن موت کا یقین ہونا ایک اور بات ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ موت قاطع لذات ہوتی ہے‘ موت بندوں کو بے سواد کرتی ہے‘ جب موت کا یقین حاصل ہو جائے تو جن دنیوی امور میں لذت ملتی ہے‘ ان کی لذت میں خلل آنے لگتا ہے‘ ایک ایک لقمہ کھاتے وقت یاد آتا ہے کہ مجھے مرنا بھی ہے‘ آرام دہ بستر پر قبر یاد آتی ہے اور دولت کے انبار پر بیٹھے ہوئے بھی کفن آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتا اگر یقین حاصل ہو جائے تو پھر آدمی اس دولت میں‘ اپنے اس لقمے میں‘ اپنے اس بستر میں کوشش کرتا ہے کہ اس میں حرام نہ ہو‘ اگر بستر کم آرام دہ ہے تو حرام کے ساتھ اسے زیادہ آرام دہ بنانے کی کوشش نہیں کرتا اگر کھانے کو کم لذیذ چیزیں نصیب ہیں تو حصول رزق کے لئے ناجائز ذرائع نہیں اپناتا۔ موت کا یقین اسے اپنانے نہیں دیتا یہی حضور ﷺ نے فرمایا کہ موت بے لطف کر دیتی ہے تو یہ یقین نصیب ہو جائے اور یہ یقین تب نصیب ہوتا ہے جب آپ ﷺ سے تعلق قائم ہو جائے۔

فرمایا۔ الذین امنوا و عملو الصلحت۔ عمل صالح میں عبادات سے لے کر معاملات تک‘ اخلاقیات تک سب کچھ آجاتا ہے اور قرآن اسے تقاضائے ایمان قرار دیتا ہے۔ ایمان ایک دعوی ہے جو آدمی یہ دعوی رکھتا ہے کہ میں اللہ کو واحد لاشریک مانتا ہوں‘ اللہ کے نبیوں پر ایمان رکھتا ہوں ،حضور نبی کریم ﷺ کو اللہ کا آخری نبی اور رسول مانتا ہوں‘ قرآن کو اللہ کی کتاب مانتا ہوں‘ آخرت پر‘ فرشتوں پر حساب کتاب پر‘ حشر نشر پر یقین رکھتا ہوں اب اس دعوے کے گواہ کون ہیں کیونکہ کوئی دعوی اپنے گواہوں کے بغیر کامیاب نہیں ہوتا تو فرمایا اس کے گواہ ہیں عملو الصلحت۔ ایک دوسری بڑی عجیب بات یہ ہے کہ ہر آدمی جو کچھ کرتا ہے‘ اپنی طرف سے وہ درست کرتا ہے اور اس کے پاس دلائل ہوتے ہیں اس کے پاس اس کا جواز ہوتا ہے‘ اس کے پاس اس کی دلیلیں ہوتی ہیں ،حتی کہ کوئی کسی کو قتل کر دیتا ہے تو اپنے طور پر اس کے پاس دلائل ہوتے ہیں کہ اگر اسے میں نہ قتل کرتا تو یہ

یہ نقصان ہوتا کوئی چوری کرتا ہے تو اس کے پاس اپنے دلائل ہوتے ہیں کہ ان لوگوں کا علاج ہی یہی تھا جب ہر آدمی اپنے فیصلے یا اپنی بات کو معیار حق بنالے گا تو عمل صالح کا کیا پتہ چلے گا کہ کون سا کام صالح ہے اللہ رب العالمین نے عمل صالح کو پرکھنے کے لئے ایک معیار' ایک پیمانہ عطا کیا ہے وہ یہ کہ جو کام بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے مطابق اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ اطاعت کے مطابق ہوگا وہ کام عمل صالح ہوگا اور جو کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے ہٹ کر ہوگا وہ صالح نہیں ہوگا۔ کسی کی کوئی دلیل یا کوئی جواز کوئی حیلہ وہاں کام نہیں دیتا اور عمل صالح سے مراد صرف عبادات نہیں' عبادات اس کا ہلکا سا حصہ ہیں عبادات' اللہ اور بندے کے درمیان معاملہ ہے اور اللہ غفور الرحیم ہے' جسے وہ چاہتا ہے' بخش سکتا ہے لیکن عبادات بہت ضروری ہیں اللہ کے ساتھ رشتہ رکھنے کے لئے ایمان کو قائم رکھنے کے لئے' ایمان کو شفاف رکھنے کے لئے ایمان کو مضبوط رکھنے کے لئے' عبادات بے حد ضروری ہیں لیکن اتنی ضروری عبادات نہیں ہیں جتنا ضروری حقوق العباد ہیں' ایک دوسرے کے حقوق ہیں۔ فرمایا اگر ان میں کوتاہی کروگے تو قیامت کے روز وہ بندہ تمہیں معاف کرے تو میں معاف کروں گا ورنہ سزا پاؤ گے یا تمہاری نیکیاں اسے دے دی جائیں گی یا اس کے گناہ تم پر لاد دیئے جائیں گے یا اس بندے سے معافی مانگو۔ فرمایا عبادات میرا حق ہے میں چاہوں تو معاف کردوں لیکن بندے کا حق بندے سے معاف کروانا پڑے گا پھر عجیب بات یہ ہے کہ جو بندہ دعوی کرتا ہے محمد رسول اللہؐ کے امتی ہونے کا اس پر حق ہے کہ وہ نوع انسانی کو ظلم سے بچائے' برائی سے بچائے اور نیکی کا راستہ دکھائے تو اس نظام میں وقت کے ساتھ ساتھ کمی آتی ہے فاصلے بڑھتے گئے' صدیاں درمیان میں حائل ہوتی گئیں اور محبتیں جن کے چشمے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر سے پھوٹتے تھے ان محبتوں سے اہل دل محروم ہونے لگے۔ یاد رکھئے اللہ کی اطاعت کے لئے وہ محبت ضروری ہے جو برکات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیب ہوتی ہے' اب تو خال خال لوگ نظر آتے ہیں ورنہ ایک زمانہ تھا کہ ہر مسلمان بادشاہ نہ صرف ولی اللہ مانا جاتا تھا بلکہ بزرگ کہتے تھے کہ ایک بادشاہ میں ستر اولیاء کی قوت ہوتی ہے عجیب حال تھے بادشاہوں کے۔

فرمایا۔ زمانے کی رفتار میں عجیب تاثیر ہے کہ جس طرح کسی جگہ سے پانی لرزتا ہے

تو اپنے راستے میں آنے والے خطوں، حتیٰ کہ بندوں تک کی شکل و صورت بدلتا رہتا ہے۔ بالکل غیر محسوس طریقے پر پلٹتا چلا جاتا ہے اس طرح سے زمانہ حالات اور کیفیات کو تبدیل کرتا رہتا ہے۔

فرمایا۔ ہم اور قوت سلسلہ = آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عالی کو چودہ سو سال بیت گئے ان چودہ صدیوں کی روشنی سے روئے زمین پر بہت سی تبدیلیاں آئیں، جن میں ایک بہت بڑی تبدیلی یہ ہے کہ آج ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور اللہ کا احسان ہے کہ ہم مسلمان ہیں آج ہم دین پر عمل کر کے احسان کرتے ہیں، اللہ پر، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر، آج اگر ایک آدمی پانچ وقت کی نماز پڑھ لیتا ہے اگر ایک آدمی رمضان کے روزے رکھ لیتا ہے اگر ایک آدمی زکوۃ دیتا ہے اگر ایک آدمی حج کرتا ہے اگر آپ اس آدمی کے مطالبات پڑھیں جو اس نے اپنے دل میں نماز روزے اور حج کے بدلے چھپا رکھے ہیں، تو وہ چاہتا ہے میں نماز پڑھتا ہوں، مجھے زکام بھی نہیں لگنا چاہئے، میں نے روزے رکھے ہیں، مجھے کھانسی بھی نہیں آنی چاہئے۔ یہ کیا ہوا دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دین اس لئے نہیں دیا۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے پاس نور ہے، روشنی ہے، سورج ہے مگر یہ اندھیروں میں چھپتا جا رہا ہے امریکہ یورپ کا نام نہ لو، سارا کفر کیا ہے، ظلمت ہے تاریکی ہے، اندھیرا ہے اب یہ قندیل ہمارے پاس ہے لیکن ہمیں دکھائی نہیں دیتا، اندھیروں میں گم ہو رہے ہیں۔ اس قندیل میں کوئی کمی ہے یا ہم میں۔ ارے سادے لوگو۔ کسی کے پاس چراغ ہو اور اس نے جلایا نہ ہو، صرف چراغ سے راستہ دیکھ لے گا، چشم بینا چاہئے، چراغ جلتا ہوا چاہئے اس میں تیل بھی ہونا چاہئے اس میں بتی بھی ہونی چاہئے اسے آگ بھی لگی ہونی چاہئے اس میں روشنی بھی چاہئے اور یہ چراغ ہے ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم چراغ ہیں لیکن ان کا تیل میرا اور تیرا خون ہے، ان کی بتی تیرا اور میرا دل ہے، یہ جلے گا، یہ روشن ہو گا، اس میں آگ بھڑکے گی تو ظلمت ہٹنا شروع ہو جائے گی، آپ کو ظلمت اور اندھیرے کو دھکیلنا نہیں پڑے گا کہ ہٹ جاؤ وہ خود بخود بھاگنا شروع کر دے گی روشنی پھیلنا شروع ہو جائے گی اگر اس میں آپ تیل بھی نہیں ڈالتے، اپنے جگر کا خون بھی اسے نہیں دیتے، اپنی جان بھی بچاتے ہیں، اسے جلانا بھی نہیں چاہتے، تو خالی چراغ کو سر پہ اٹھائے رکھو، راستہ نظر نہیں آئے گا، جواب طلبی یہ ہو گی کہ تو نے چراغ

کیوں نہ جلایا کہ دنیا اس سے مستفید ہوتی۔

فرمایا۔ فنافی الرسول = کس طرح مبارک ارواح کو حضوری حاصل ہوتی ہے' انہیں کس طرح شرف باریابی حاصل ہوتا ہے' ساری کیفیات کو نقل کرنا محال ہے اگر احباب میں سے کسی کو شوق ہو تو صاحب کشف احباب کو انشاء اللہ ایک نگاہ میں ساری کیفیات دکھائی جاسکتی ہیں اور دوسروں کو اگر شوق ہو تو محنت کریں کہ باطن روشن ہوجائے تو خود بخود آنکھیں کھل جائیں گی انشاء اللہ۔

باب۔8

برکات نبوت (3)

فرمایا۔ صحبت نبوی ﷺ = صحبت نبوی ﷺ میں آنے کے بعد ایمان کا فیصلہ انہوں نے خود کیا حضور ﷺ کے ساتھ ایمان لائیں' جو ایمان لانے کا فیصلہ نہ کرسکے' وہ وہیں اس شہر میں رہتے ہوئے ظلم توڑتے رہے' جوروجفا کرتے رہے' کفر پر مرگئے' تباہ ہوگئے' محروم رہے' یہ کتنی عجیب بات ہے کہ کسی پر اللہ نے اسلام مسلط نہیں فرمایا۔ آج جب ہم کہتے ہیں تو بڑی عجیب بات ہوتی ہے دعا تو کی جاسکتی ہے کہ خدایا نیک کردے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ہوتا تب ہی ہے' جب خود آدمی فیصلہ کرلے ہم یہ دعا کرسکتے ہیں کسی کو اللہ جب تک وہ زندہ ہے اسے نیکی پر قائم رہنے کا فیصلہ کرنے کی توفیق دے اور کرنی چاہئے لیکن یہ امید رکھنا کہ کوئی میرے لئے دعا کرے گا تو میں نیک ہوجاؤں گا تو یہ ناممکن بات ہے۔

فرمایا۔ دنیا عمل کی جگہ ہے اور آخرت اجرت پانے کی جگہ ہے اور دیکھو اس بات کو کہ اپنی تخلیق کی ان دو جہتوں میں سے کون سا انسان کس سمت کو سفر کررہا ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ جو نیچے گرنا شروع کردے گا اخروی زندگی میں تو اس کے لئے تکلیف ہوگی ہی' دنیا کی زندگی میں بھی اطمینان اس کے حصے میں نہیں رہے گا اور جس کا جتنا عروج' روحانی ترقی روحانی قوت اور عالم امر سے رابطہ جتنا مضبوط ہوتا جائے گا اس دنیا میں رہ کر بھی وہ پرلطف زندگی گزار سکے گا جو نہ صرف آخرت کے لئے بلکہ اس عالم کے لئے بھی ضروری ہے کہ جس صانع نے اتنی بڑی صنعت تخلیق کی ہے' اس نے اس کے استعمال کا جو طریقہ بتایا ہے اس کے مطابق

اسے برتا جائے اگر ہم اس قاعدے کو چھوڑیں گے تو نہ صرف آخرت تباہ ہوگی بلکہ دنیا میں بھی عافیت کا کوئی گوشہ نصیب نہیں ہوگا۔

فرمایا۔ اسلام اپنی ابتداء سے لے کر آج تک جتنی منازل سے گزرا ہے اور جتنا سفر چودہ سو سال کا اس نے طے کیا ہے' اس میں بے شمار ایسے مقام بھی آئے ہیں جب یہ پوری قوت پوری شان سے جلوہ گر ہوتا ہے اور بے شمار ایسے نازک موڑ بھی آئے ہیں کہ دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ شاید اسلام کا نام ہی صفحہ ہستی سے مٹ جائے لیکن ان ہر دو حالتوں میں اسلام کا یہ قانون اپنی جگہ قائم رہتا ہے کہ نہ یہ اس وقت کسی سے اپیل کرتا ہے کہ خدا کے لئے تم اسلام قبول کرلو ورنہ یہ مٹ جائے گا' اس بات کا انحصار تمہارے قبول کرنے پہ ہے تم یہ احسان کرو اور نہ جب اس کے پاس حکومت اقتدار شان وشوکت ہوتی ہے' تو کسی پر حکم چلاتا ہے کہ تم مجھے قبول کرلو ورنہ تمہاری گردن کاٹ دی جائے گی' دونوں حالتوں میں ایسا کبھی نہیں ہوتا۔

فرمایا۔ نفاذ اسلام = نفاذ اسلام کے لئے جو کچھ کرسکتے ہو کرو زبانی کرسکتے ہو' عملاً" کرسکتے ہو مالی یا تحریر سے کرسکتے ہو' کرو' مجبور کرو ان دانشوروں کو کہ یہ انگریزی لبادہ چھوڑ کر اسلام کو اپنائیں اور عملاً" اسلامی زندگی اپنائیں۔ مجبور کردو حکمرانوں کو کہ اسلام ان کی محبوبہ بن جائے اسلام کے بغیر زندگی کا تصور نہ رہے' اس ملک میں' مجبور کردو ٹھیکیداروں کو کہ زندگی سے کھیلنا چھوڑ دیں اور اللہ کے بندے بن کر رہنا سیکھیں' اگر آپ سب اس میں شریک نہیں ہوسکتے تو اللہ کو تمہارے ان خالی خولی سجدوں کی ضرورت نہیں۔

فرمایا۔ نفاذ اسلام = اسلام تین صلاحیتوں کا مجموعہ ہے' ان میں سے ایک بھی چھوٹے گی وہ باقی دو کو بھی چھوڑ دینے کے برابر ہے۔ قرآن کا دامن چھوٹ جائے' تو اللہ اور اللہ کے نبی علیہ السلام کو ماننے کا تصور باقی نہیں رہتا' دامان نبوت چھوٹ جائے تو قرآن اور اللہ کو ماننے کا کوئی تصور باقی نہیں رہتا۔ یہ تینوں ارکان بنیاد ہیں توحید باری کی۔

فرمایا۔ جہاں ہم خلوص کی للھیت کی اور قرب الٰہی کی تمنا رکھتے ہیں' وہاں کیسے کیسے فریب ہیں اور خدا اور خدا کے رسول کے نام پر اور خدا کا قرآن پڑھ کر لوگوں کو رسومات سے مطلع کیا جاتا ہے آپ اندازہ کرلیں کہ کوئی زہر کھا کر مرے تو زہر تو ہوتا ہی مرنے کے لئے ہے لیکن اگر کوئی دودھ پی کر مرجائے تو بد نصیب ہوگا۔

فرمایا۔ عبادات جن پر ثواب مرتب ہوتا ہے یہ ہم پر (Fatigue) نہیں ہیں یہ ہماری ضرورت ہیں کہ ہم خود کو پالش کریں' ان سے اپنے رشتے کو اللہ سے مضبوط کریں' اپنے رشتے کو نبی رحمت ﷺ سے مضبوط کریں' اپنی ہر نماز میں صلوۃ والسلام پڑھیں محمد رسول اللہ ﷺ سے اپنی وفاؤں کا یقین دلائیں' اپنے کو ایثار و قربانی کے لئے پیش کریں' کیا فائدہ اس صلوۃ کا جو التحیات میں صلوۃ والسلام بھیج رہا ہو اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس کے دین کے نفاذ کے کام سے اپنے کو فارغ سمجھے اس نے خود کیا سلام بھیجا اس نے کیا حاصل کیا۔

فرمایا ایمان = یاد رکھیں ایمانیات میں تقلید نہیں ہوتی تقلیدی ایمان جو ہوتا ہے' وہ ایمان نہیں ہوتا کہ فلاں مانتا ہے اس لئے میں بھی مانتا ہوں بلکہ ایمان اس رشتے کا نام ہے کہ یہ بات حق ہے اس لئے میں مانتا ہوں۔ ذات باری 'صفات باری 'ضروریات دین 'حضور ﷺ کی نبوت و رسالت اور قرآن کا کتاب اللہ ہونا اس لئے مانتے ہیں کہ لوگ مانتے ہیں' تقلید ہے حالانکہ عقائد میں تو تقلید سرے سے ہوتی ہی نہیں ہے' اس لئے ہر شخص اپنی اپنی ذات میں مکلف ہے اور یہی سبب ہے کہ رب کریم نے ہر شخص کے لئے انفرادی طور پر دلائل ارشاد فرمائے ہیں اگر یہ تقلیدی ہوتا' تو دنیا میں چند مخصوص افراد یا انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے لئے دلائل ارشاد فرمادیئے جاتے' باقی لوگوں کو حکم ہوتا کہ جب ان بڑی بڑی ہستیوں نے اس بات کو قبول کرلیا ہے تو تمہیں بھی قبول کرنا چاہئے تو اسی بات کی طرف پوری توجہ کی ضرورت ہے کہ انسان اپنا صحیح محاسبہ کرے 'اپنے ذہن سے سوچے 'جذبات سے الگ ہو کر چھان پھٹک کر حقائق کو قبول کرے ۔صرف انہی لوگوں کو استقامت نصیب ہوتی ہے اور صرف انہی کی عملی زندگی متاثر ہوتی ہے جن کا ایمان اختیاری ہوتا ہے اور جو سوچ سمجھ کر اپنی پسند سے اس راستہ کو اختیار کرتے ہیں۔

فرمایا۔ ایمان = ہر کام کے دو نتائج ہوتے ہیں' ایک وہ نتیجہ جو فوری ہوتا ہے اور جس کا اثر دنیا میں ہوتا ہے مثلاً" کوئی شخص دھوپ میں کھڑا ہے اسے گرمی لگے گی' وہ مومن ہے' کافر ہے' نیک ہے یا بدکار' وہ چوری کے ارادے سے کھڑا ہے یا کسی جگہ پر پہرہ دے رہا ہے' جب دھوپ میں کھڑا ہے تو تمازت آفتاب اسے محسوس ہوگی۔ یہ دنیوی نتیجہ ہے لیکن اس دھوپ میں کھڑا ہونے کا نتیجہ اس کے اعمال اس کی آخرت اور اللہ کے ساتھ جو اس کے

تعلقات ہیں اس پر کیا اثر پڑ رہا ہے اس اثر کا فیصلہ آخرت میں ہو گا۔

فرمایا۔ اسلام = اسلام بنیادی طور پر تمام امور کو آخرت کے حوالے سے زیر بحث لاتا ہے دور حاضرہ کی سوچ ہو یا قدیم انسانی معاشرے کی۔ غیر اسلامی معاشرے ہر دور میں محض دنیوی زندگی' اس کی ضرورتیں اور انسان کے ماحول اور اس کے دنیوی حالات سے بحث کرتا ہے۔ اسلام نے بنیادی طور پر انسان کی رہنمائی زندگی کے ان حقائق کی طرف کی ہے' جن حقائق کے لئے اللہ کریم نے نسل انسانی کو روئے زمین پر آنے کا موقع بخشا روئے زمین پر آنے کے اس محدود وقت کو جس عظیم منزل کے لئے امتحان گاہ قرار دیا ہے اور وہ عجیب امتحان کیا ہے کہ زندگی خود دی' اس کی ضرورتیں خود دیں' احساس ضرورت خود عطا فرمایا تکمیل ضرورت کے اسباب انسان کے گرد پھیلا دیئے اب اس میں عقل بھی ہے فکر بھی ہے چیزوں کو دیکھتا بھی ہے' پسند و ناپسند اس میں ایک طرح کا شعور بھی ہے تو امتحان ہے کیا کہ ان چیزوں سے اپنی ضرورتیں پوری نہ کرے اور دنیا سے الگ ہو کر بھوکا پیاسا ننگا گوشہ نشیں ہو کر بیٹھ جائے فرمایا نہیں امتحان یہ ہے کہ وہ ساری ضرورتیں پوری کرے اور زمین پر اپنا معاشرہ تشکیل دے اس میں انسانی زندگی گذارے اور ساری ضرورتیں پوری کرے' لیکن امتحان یہ ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے کام سے لے کر بڑی سے بڑی بات تک اس انداز سے کرے' جس انداز سے کرنے کا حکم رب کریم نے دیا۔

فرمایا۔ یہ ایک اصولی بات ہے کہ آپ کسی بات کی وضاحت میں لگیں گے تو آپ کا وقت خرچ ہو گا آپ کی طاقت خرچ ہو گی آپ کی محنت لگے گی وہ محنت طاقت وہ وقت آپ اپنے مقصد کی تعمیر پر لگایئے' جتنی دیر آپ نے کسی کے ساتھ جھگڑا کرنا ہے اس کے لئے جواب اور دلائل تلاش کرنے ہیں اتنی دیر اللہ کے احکام بیان کیجئے۔

فرمایا۔ ایک بہت بڑا اثر نو آبادیاتی نظام کا یہ ہوتا ہے کہ جب بھی یہ نو آبادیاتی نظام یا کولونیل سسٹم کہیں سے ختم ہوتا ہے یا ان لوگوں کو آزاد کیا جاتا ہے' آزادی دی جاتی ہے' تو ملک کی باگ دوڑ ان عناصر کے سپرد کی جاتی ہے' جو اس حاکم قوم کے پروردہ ہوتے ہیں' اس کی خاطر کام کرتے ہیں' اس کے ساتھ رہتے ہیں' ان کا جینا مرنا اٹھنا بیٹھنا سارا اس قوم کے حاکم کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے وہی اس کے جانشین بنتے ہیں -نو آبادیاتی ممالک کی دوسری مصیبت یہ

ہوتی ہے کہ وہ ملک غیر اقوام کے نو آبادیاتی نظام کے تحت آجاتے ہیں کہ ان ممالک میں دین فروش‘ملک فروش بہت زیادہ ہوتے ہیں وہ باہر کی اقوام سے فائدہ لے کر اپنی قوم کو اپنے ملک کو اپنے دین کو بیچ دیتے ہیں۔

فرمایا۔ استقامت کا مفہوم سیدھا کھڑا ہونے کا ہے کہ کسی طرح بھی معمولی سا جھکاؤ بھی نہ ہو نہ صرف عمل کے اعتبار سے بلکہ حقیقی استقامت میلان قلبی کے اعتبار سے ہے اور اس سے مراد ہے کہ اللہ اور اس کے معین کردہ راستے پر خلوص اور محبت دل کی گہرائی اور پیار کی شدت سے چلے اس کے خلاف چلنا گوارا ہی نہ رہے‘اس کے خلاف طلب مٹ جائے اسی کو فنافی الرسول اور فنافی اللہ بھی حسب مراتب کہا جاتا ہے اور ان مراقبات کا حاصل بھی عملی زندگی کی یہ کیفیت ہے۔ عالم میں تمام خرابی کی جڑ بھی استقامت سے ہٹنے سے شروع ہوتی ہے‘ خواہ افراط سے ہو یعنی اللہ کے فرمائے ہوئے امور میں کچھ بڑھایا جائے‘ یا تفریط ہو کہ ان میں کچھ کمی کی جائے یہ کمی بیشی اللہ کی توحید اس کی مقرر کردہ حدود اور احکام میں کرنے والے گستاخانہ اعتبار سے کریں یا بڑے پیار اور نیک نیتی سے کریں‘ دونوں طرح گمراہ قرار پائیں گے۔ اسی طرح انبیاء علیھم السلام کے مدارج ان کی عظمت و محبت کی حدود اللہ کی طرف سے ارشاد فرمادی گئیں اب کوئی ان میں کمی کرے یا اضافہ کرے‘ اللہ کی صفات میں انہیں شریک ٹھہرانے لگے‘ گمراہ ہو جائے گا۔

فرمایا۔ اب یہ جو جسم و روح کا رشتہ ہے اس کا کہ زمین پر رہتے بستے ہوئے یہ اپنے اس رشتے کو قائم رکھے جو اس کا عالم امر سے ہے اس کے لئے آپ جو سپورٹ کہہ لیں سبب کہہ لیں‘ ذریعہ کہہ لیں‘ واسطہ کہہ لیں‘ وہ ذریعہ واسطہ ہے نبوت و رسالت کا نور اگر تو اسے ایمان بالرسالت نصیب ہوا تو اس کا وہ رشتہ استوار ہو گیا پھر تو اس کا وہ رشتہ برقرار ہو گیا‘ اب اسے عمل کرنا ہے‘ زمین پر رہتے ہوئے لیکن اس عمل نے متاثر کرنا ہے عالم امر کو۔ تو اس کی ذاتی نگاہ تو اتنی وسیع نہیں کہ وہاں دیکھ سکے‘ نور نبوت سے یہ وہاں دیکھ سکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اتباع رسالت کی سختی سے تاکید ہے۔ اللہ کی طرف سے کہ نبی ہی وہ ہستی ہے جو افعال کا تعین کر سکتی ہے کہ کس کام کو کس ڈھنگ سے کیا جائے تاکہ وہاں بہتر نتائج مرتب ہوں اگر کام صرف دنیا کا ہو تو آدمی سمجھ سکتا ہے لیکن یہ کام صرف دنیا کا نہیں‘ کام کا اثر صرف دنیا پر نہیں

ہے ہمارے عمل کا اثر۔ مثلاً" ہم کھانا کھاتے ہیں صرف کھانا کھانے کے پیچھے ایک پورا فنکشن ہے کہ مزدوری پر جاؤ پیسہ کماؤ' اس سے غلہ خریدو' اس سے آٹا خریدو' اس سے روٹی بناؤ اس کا جو اثر عالم بالا میں مرتب ہو رہا ہے' وہ بھی بہتر ہو اور وہاں رشتہ اور مضبوط ہو' تعلق ٹوٹ نہ جائے۔ اس کے لئے بصیرت اور نور بصیرت اور نور نبوت کی ضرورت ہے۔ اب خدانخواستہ کسی کو نبی پر ایمان لانے کی توفیق نصیب نہیں ہوئی' تو اس کا یہ رشتہ برقرار نہیں رہے گا' یہ فوراً" الٹ جاتا ہے پھر دنیا کے کام بھی وہ ڈھنگ سے نہیں کرپاتا اور اگر کوئی کام اتفاقاً" اس طریقے سے کرے' جس طریقے سے اللہ کے رسول نے حکم دیا ہے تو اس کا فائدہ بھی اسے صرف دنیا میں ہوتا ہے' آخرت میں کچھ نہیں ہوگا کیونکہ اس طرف سے اس کا رشتہ کٹا ہوا ہے تو اب دو باتوں کی ضرورت ہوئی سب سے پہلی اور سب سے اہم بات یہ ہوئی کہ ہمارا وہ تعلق یا رشتہ جو عالم امر سے ہے' وہ قائم رہے دوسری ضرورت یہ ہے کہ ہم زندگی اس طرح سے بسر کریں کہ اس رشتے پر کوئی زد نہ پڑے بلکہ اس میں ترقی ہو۔ ہر کام سے ہمارا سونا جاگنا 'ہمارا سفر کرنا یا گھر پہ رہنا' ہمارا مزدوری کرنا' کھانا پینا' ہمارے تعلقات دوست احباب 'بیوی بچے والدین کے ساتھ یا کسی سے صلح جنگ 'پورا لائحہ عمل جو زندگی ہم جس سے گزرتے ہیں وہ اس ترتیب سے ہو کہ ہر حرکت اس تعلق کو مضبوط سے مضبوط تر کرتی چلی جائے اور منازل میں ہم اوپر ہی اوپر اٹھتے چلے جائیں لیکن اس کا درجہ دوسرا ہے۔

پہلا درجہ اس کا ہے کہ ہم اس تعلق کو قائم رکھیں خدانخواستہ سرے سے تعلق کٹ گیا تو اس میں ترقی کیا ہوگی ایک آدمی مرجاتا ہے تو آپ اس کو صحت افزا مقام پر لے جا کر کیا کریں گے' آپ اس کو اچھی غذا دے کر یا اچھا لباس پہنا کر کیا کریں گے جب سرے سے وہ مرہی چکا ہے پھر خدانخواستہ وہ رشتہ ہی ٹوٹ جائے تو سوچ مردہ ہو جاتی ہے ضمیر مرجاتا ہے اور نرا حیوان رہ جاتا ہے انسان کی صورت میں۔ اس کی سوچ صرف اور صرف دنیوی لذات تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔

باب۔9

برکات نبوت (4)

فرمایا۔ انابت = یھدی الیہ من ینیب ہدایت اسے نصیب ہوتی ہے جس میں انابت پیدا ہو جائے۔ انابت کیا ہے' انابت وہ فیصلہ ہے جو آدمی اللہ کی اطاعت کے لئے اپنے دل میں' اپنے ضمیر میں' اپنے باطن میں' اپنی پسند سے کرتا ہے' اللہ کریم فرماتے ہیں نہ میں نے زبردستی کسی کو راستے پر لگایا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فریضہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو پکڑ پکڑ کر مسلمان کرتے جائیں بلکہ ہدایت اسے نصیب ہوگی جو خود یہ فیصلہ کرے گا کہ مجھے اللہ کی اطاعت کرنا ہے اور ہدایت حاصل کرنا ہے اگر یہ فیصلہ کہیں دور دراز جنگل میں' کسی تاریک کوٹھری میں' کسی اندھیری رات میں' کسی ویرانے میں بھی کرے' تو اللہ تعالیٰ ہر آدمی کے حال سے واقف ہے وہ محروم نہیں رکھتا۔ ایک بات تو پہلے سے واضح ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام معبوث ہی اس لئے ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے بندوں کا اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرے اب انسان چونکہ دنیا میں رہتا ہے' اس کی دنیوی ضرورتیں بھی ہوتی ہیں' دنیوی مسائل بھی ہوتے ہیں' اس کے لئے ہر نبی علیہ السلام خود حکمران ہوا یا کسی ایسے شخص کے سپرد حکومت کی' جس نے نبی علیہ السلام کی اطاعت کی اور لوگوں کو انصاف دیا' یہ دونوں صورتیں اگر نہیں ہو سکتیں' تو نبی علیہ السلام بھی لوگوں کی ضروریات اور ان کی دنیوی ضروریات اور ان کے انصاف اور ان کے آرام کے لئے ساری زندگی جہاد ہی کرتا رہا ان تین صورتوں میں سے ایک نہ ایک صورت بہرحال ہر نبی علیہ السلام کے ساتھ پیش آئی۔

لیکن نبی علیہ السلام کا مقصد بعثت سے مراد حاجات دنیا نہیں ہے بلکہ بعثت سے مراد اللہ کے بندوں کا اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرنا ہے یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے کسی نبی کے ساتھ کوئی شخص بھی ایمان نہ لایا جیسے بعض انبیاء علیہم السلام دنیا سے تشریف لے گئے لیکن کسی شخص نے ایمان قبول نہ کیا تو جب کوئی شخص ایمان ہی نہیں لایا تو وہ نبی علیہ السلام ساری زندگی ایمان ہی کی دعوت دیتے رہے' لوگوں کے معاملات میں یا سیاسیات میں انہوں نے مداخلت نہیں فرمائی چونکہ ان کا بنیادی کام بندوں کو اللہ کی طرف دعوت دینا تھا پھر جس نے وہ دعوت قبول کی تو اس سے ایک معاشرہ بنا تو پھر وہ معاشرہ چونکہ اس بنیاد پر بنا جو نبیوں نے استوار کی تھی تو ان کی ضروریات دنیا اور ان کے امور دنیا کو ترتیب دینا بھی فرائض نبوت میں شامل ہو گیا۔

فرمایا۔ آخری اسلام = اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جس طرح بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دی اور اللہ نے انہیں بری کر دیا اس لئے نہیں کہ وہ اللہ کے نزدیک بڑے معزز تھے بلکہ تم وہ نہ کرنا جو انہوں نے کیا تھا۔ چونکہ وہ بنی اسرائیل تھے اور ان کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اور بھی نبی آنے تھے اور دین بھی آنے تھے اور کتابیں بھی آنی تھیں اور نبوت کا ایک تسلسل تھا اس لئے اس میں ٹوٹ پھوٹ کے بعد اصلاح کی گنجائش بھی تھی لیکن تم آخری امت ہو اور تمہارا نبی ﷺ آخری نبی اور آخری رسول ﷺ ہے' یہاں سے جو ٹوٹے گا' اس کے لئے بعد میں مرمت کی گنجائش نہیں کوئی نیا نبی نہیں آئے گا کوئی نئی شریعت نہیں آئے گی اور واپسی کا کوئی نیا راستہ نہیں رہے گا اس لئے تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم اپنے تعلق کو محمد رسول اللہ ﷺ سے راسخ رکھو اور نہ کوئی ایسا جملہ منہ سے کہو' نہ کوئی ایسی بات منہ سے نکالو' نہ کوئی ایسا خیال دل میں لاؤ۔

فرمایا۔ ایمان = ایمان ایک کیفیت کا نام ہے جو دل میں ہوتی ہے اور اس کیفیت کا حاصل یہ ہے کہ اس آدمی کا تعلق قائم ہو جاتا ہے محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ۔ اپنی پسند' اپنا ارادہ جب اس کے ذہن میں اترتا ہے کہ مجھے یہ کام کرنا چاہئے تو دل کہتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس کام سے منع کر دیا ہے' تو پھر ذہن مجبور ہوتا ہے' رک جاتا ہے' اعضاء و جوارح رک جاتے ہیں' چونکہ دل کی پسند انسان پہ بہت زیادہ حاوی ہے آپ دیکھیں

کتنے چور ایسے ہیں جو چوری کو عقلاً" پسند نہیں کرتے۔ لیکن کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہیں اور دل پہ ایسی قوت حکمران ہے جو اس کو برائی کی طرف لے جاتی ہے اگر اس کے دل میں اللہ اللہ ہوتا تو وہ نیکی طرف چلتا۔

فرمایا۔ نبوت کا کام = آپ ﷺ کا ارشاد موجود ہے فرمایا انتم اعلمون بامور دنیاکم او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جو تمہارے اپنے دنیاوی کام ہیں' ان کو تم مجھ سے بہتر سمجھتے ہو' جس طرح زیادہ فائدہ ہوتا ہے اس طرح کیا کرو' میں اس کے لئے معبوث نہیں ہوا ہوں میری بعثت کا مطلب آخرت ہے' اخروی زندگی ہے' اللہ سے تعلق ہے' اپنے دنیاوی کاموں میں میں تمہیں حلال حرام بتا سکتا ہوں' جائز و ناجائز بتا سکتا ہوں' اللہ کس بات پر راضی ہے کس بات پہ خفا' یہ بتا سکتا ہوں لیکن کون سے کارخانے سے تمہیں کتنا نفع آئے گا یہ میرا موضوع نہیں ہے' نہ میں اس کے لئے معبوث ہوا ہوں۔

فرمایا۔ اتباع = برکات و انوارات نبوت کا یہ ابر رحمت جب پوری دنیا پہ برستا ہے اور اُبد الاباد رہتی دنیا تک کے لئے برستا رہے گا تو اتنی بڑی بارش میں بھیگنے سے کوئی کیوں بچ رہا بھائی یا کسی آڑ میں ہو کسی کے پیچھے ہو یا کہیں کسی مینار کے پیچھے ہو یا کہیں کسی اوٹ میں چھپ گیا ہو' میں کیوں اس بارش کے سامنے نہیں آتا۔ ہر مسلمان کو یہ چاہئے کہ وہ اپنا محاسبہ کرتا رہے ایمان کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کا اتباع یا اطاعت کا دامن جہاں سے چھوٹے' وہیں دل پہ چوٹ لگے' دکھ تڑپ پیدا ہو اور انسان واپس لوٹے' توبہ کرلے اور حضور ﷺ کی غلامی اختیار کرلے.....

فرمایا۔ تعلق باللہ = تعلق باللہ کا قیام تعلق بالرسول میں مضمر ہے کیونکہ بغیر حضور ﷺ کی نسبت کے طلب باری یا تعلق باری پیدا ہی نہیں ہوتا خدا کے وصال کی خواہش ہی پیدا نہیں ہوتی' خدا کا تصور ہی پیدا نہیں ہوتا' خدا پر ایمان لایا ہی نہیں جا سکتا۔ یہ تمام ثمرات ہیں نسبت محمد رسول ﷺ کے۔ ایک جو مشت خاک میں وصال الٰہی کی طلب پیدا کرلیتی ہے ایک عاجز انسان جو چند ٹکوں پہ خریدا جا سکتا ہے ایک بے بس و بے نوا روٹی کے چند ٹکڑوں پر ملازم رکھا جا سکتا ہے' اس میں وہ قوت آجاتی ہے' وہ استغنا آجاتا ہے وہ شان پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ اللہ کے سوا مخلوق کی طلب سے بالا ہوجاتا ہے۔

فرمایا۔ قلبی اصلاح = قرآن حکیم کو ہم جہاں سے بھی کھولیں، جب بھی ہدایت بیان فرماتا ہے تو ہدایت کا بنیادی مقصد قلب کی روشنی، دل کا نور اور دل کی اصلاح ہی کو قرار دیتا ہے اور گمراہی کا سبب دل کی تاریکی قرار دیتا ہے۔ تلاش نہیں کرنا پڑتا بلکہ قرآن کہیں سے کھولیں، ہر جگہ جہاں بھی یہ بحث آپ کو ملے کہ کون سی قوم گمراہ ہوئی اور اس کی گمراہی کے اسباب کیا تھے تو بنیادی سبب ان کے قلب کی تاریکی ہو گا، پھر آگے کچھ مزید اسباب پہ بحث ہوگی کہ قلب کیوں کر تاریک ہو جاتے ہیں اسی طرح اگر کسی کی ہدایت کی تعریف کی گئی ہوگی تو اس کا ہدایت پر قائم رہنے کا بنیادی سبب اس کے قلب کی نورانیت یا اصلاح ہوگی اور پھر وہ ذرائع بیان کئے جائیں گے جن سے قلب روشن ہوتا ہے اور یہ کسی ایک دو مقام پر نہیں بلکہ بنیادی نکتہ ہے جس پر قرآن حکیم کی ساری تعلیمات کا مدار ہے۔

فرمایا۔ قلب = اس بات پر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ قرآن حکیم جب قلب کی اصلاح پر اس قدر زور دیتا ہے یا قلب کی تاریکی پر اخروی تباہی کا مدار رکھتا ہے اور اس کی بڑی تاکید کرتا ہے لیکن بالخصوص مسلمان قوم اور مسلمانوں میں سے علماء کا طبقہ اس طرف توجہ کم دیتا ہے۔ اس طرف سے یوں گزر جاتے ہیں گویا اس کے ساتھ کسی کا تعلق ہی نہیں ہے یا اسے یوں دیکھتے ہیں جیسے یہ کام خود بخود ہو جائے گا باقی کام جب خود بخود نہیں ہوتے، پڑھنے کے لئے بچے کی عمر کے پندرہ سولہ سال لگا دیتے ہیں آپ کبھی نہیں سوچتے کہ معاشرہ میں جب رہتا ہے تو خود بخود پڑھ جائے گا اس کے ارد گرد لوگ پڑھتے لکھتے ہیں یہ پڑھ ہی جائے گا لیکن باقاعدہ اس کو تیار کر کے آپ سکول بھیجتے ہیں محنت کرتے ہیں اس پر پیسہ خرچ کرتے ہیں پھر اس کے باوجود یہ فکر ہوتی ہے کہ یہ صحیح بھی پڑھتا ہے بالکل اسی طرح قلبی تربیت و تعلیمات کے لئے مدرس کا ہونا، مدرس کا اہل و قابل ہونا ضروری ہے، اس طرح نصاب باقاعدہ سرکار سے منظور ہو اور پھر اس کے بعد محنت کرنا ضروری ہے۔ دنیاوی تعلیمات میں ناکامی کا اندیشہ ہوتا ہے لیکن دینوی معاملات میں شرائط کی پابندی کے بعد ناکامی نہیں ہوتی۔ ہاں مقصود میں، وصول میں سالک کی استعداد کے مطابق دیر سویر ہوتی ہے مگر ناکامی ہرگز نہیں۔

فرمایا۔ نبوت = ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر نبی علیہ السلام کی ضرورت باقی تھی تو پھر ختم نبوت کی کیا ضرورت تھی اللہ کریم اور نبی علیہ السلام پیدا کر سکتا تھا یا حضور

اکرم ﷺ کو ہی اگر بعد میں پیدا کرنا مقصود تھا تو آپ ﷺ سے پہلے دو چار نبی علیہم السلام بھیج سکتا تھا اور اگر نبی علیہ السلام کی ضرورت نہیں تھی ختم نبوت اللہ نے کر دیا تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ نبی علیہ السلام کی اگر ضرورت تھی تو پھر نیا نبی علیہ السلام پیدا کرنے میں اللہ کو کیا رکاوٹ تھی وہ تو قادر ہے لیکن میں نے ڈرتے ہوئے کسی سے، نہیں پوچھا' میں جس سے سوال کروں گا وہ مجھے سوائے بے ایمان کہنے کے کوئی جواب نہیں دے گا' یہی کہے گا کہ تیرا اس پر ایمان نہیں ہے تو شبہ کرتا ہے یا تو اعتراض کرتا ہے مگر حالات اور وقت نے اس کا جواب خود بخود دیا زندگی بھر کے تجربوں نے یہ بتایا کہ اب وہ وقت ہے کہ تبلیغ ووعظ لٹریچر بے اثر ہو چکے ہیں اس سے انسانی مزاجوں میں تبدیلی نہیں آتی آج وہ دور ہے کہ کسی ولی کی صحبت سے کوئی فرق نہیں پڑتا' کتنے وعظ روزانہ ہوتے ہیں' کتنے جلسے روز ہوتے ہیں' کتنی نشرواشاعت ہوتی' اخباروں رسالوں میں دینی رسالوں میں ہوتی ہے تو اس کا کیا اثر ہے' کوئی اثر نہیں ہے' کوئی ایک انسان اس سے تبدیل نہیں ہوتا لیکن جسے ذکر الٰہی نصیب ہو جائے اسے دوسرا پارسانہ مانے' وہ خود کو یہ پرکھ لیں۔ تو اس سے میں نے سمجھا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ جب انسانی مزاج اتنے مسخ ہو جائیں گے کہ یہ کیفیت بھی کام چھوڑ دے گی' پھر توجہ دینے کے لئے نبی علیہ السلام کی قوت کی ضرورت ہوگی عام ولی اللہ کی توجہ سے بھی لوگ نہیں سدھریں گے' تو چونکہ اب تو نبوت اپنے کمال کو پہنچی' اللہ کی آخری کتاب نازل ہو گئی تو محض لوگوں پر شفقت کرتے ہوئے اللہ نے پہلے نبیوں میں سے ایک نبی علیہ السلام کو باقی رکھ لیا کہ میں اپنے بندوں کو وہاں بھی نہ چھوڑ دوں یعنی بندے چھوڑ دیں یہ ان کی پسند لیکن اس نے لوگوں کو محروم نہیں رکھا کتنا کریم ہے کہ اس حال میں بھی اس نے سابقہ انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی علیہ السلام کو باقی رکھ لیا کہ اسی دین اسی کیفیت کو جو نبی کریم ﷺ سے تقسیم ہوئی ہے حضور اکرم ﷺ کے سینہ اطہر سے لے کر آگے پہنچانے کا لنک وہ ولی کی بجائے نبی علیہ السلام بن جائے تاکہ بہت طاقت سے روشنی پہنچے اور کوئی تو بچ سکے تو اب وہ دور ہے جس سے ہم گزر رہے ہیں اور یہ میرے کہنے کی بات نہیں آپ کے مشاہدے کی اور انسان کے تجربے کی بات ہے آپ اپنے ارد گرد کو لیجئے' اپنے ارد گرد وعظ سے باتوں سے نصیحت سے کچھ نہیں بدل رہا لیکن کسی کو اللہ اللہ نصیب

ہو جائے تو وہ بدلنا شروع ہو جاتا ہے تو آج کے اس سارے بیان کا حاصل یہ ہے کہ پہلی بات یہ ہے کہ خود کو جانچتے رہئے کہ ذکر کرنے سے میرے یقین میں کتنی قوت آتی ہے اور میرے کردار میں کتنی تبدیلی آئی ہے اور کتنی کمی ہے اور کتنی مزید دوا چاہئے' کتنا مزید ذکر چاہئے کتنی مزید محنت کرنی چاہئے۔

فرمایا۔ قلب = دراصل انسانی جسم میں دل ہی ایک ایسا عضو ہے جو پورے جسم انسانی پر حکومت کرتا ہے دل ہی وہ واحد حصہ ہے جسے اللہ تعالی سے شرف ہم کلامی نصیب ہوا اور دل ہی جسم کا وہ حصہ ہے جس پر تجلیات باری وارد ہوتی ہیں اور دل ہی وہ واحد حصہ ہے جس کے بارے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اذا صلحت صلح الجسد کله' واذا فسدت فسد الجسد کله۔ اگر اس کی اصلاح ہو جائے تو تمام جسم کی اصلاح ہو جاتی ہے ذہن ہو' نگاہ ہو' زبان ہو' ہاتھ یا پاؤں ہوں سب اصلاح پذیر ہو جاتے ہیں اگر دل بگڑ جائے تو تمام جسم کو بگاڑ کر تباہ کر کے رکھ دیتا ہے۔ دراصل حضور اکرم ﷺ کی برکات دل ہی سے متعلق ہیں اور دل کی کیفیات میں دو رخی نہیں ہوتی ذہن سوچتا کچھ ہے' زبان سے کچھ نکلوا دیتا ہے لیکن دل میں دو کیفیتیں بیک وقت نہیں رہ سکتیں جو تصویر بھی دل میں موجود ہو اس کے خلاف کوئی رنگ دل میں نہیں ابھرتا اگر ایمان ہو تو اس میں کفر کی بنیاد نہیں رہتی اور اگر دل میں کفر ہو' اعضاء و جوارح اذانیں بھی کہتے رہیں تو ایمان کی کوئی رمق اس دل میں پیدا نہیں ہوتی۔

فرمایا۔ قوت اختیار = جس دکاندار کو خبر ہے کہ میرا سینما میں کھوکھا ہے اور سینما رات کو چلتا ہے' اسے رات کو نیند نہیں آتی اس کھوکھے والے کا جتنا رشتہ اس کھوکھے سے ہے' اتنا رشتہ بھی رب کریم سے ہو جائے تو پھر تہجد کو نیند نہیں آتی اٹھ جاتا ہے۔ اس کو فکر ہوتی ہے کہ میرا نقصان ہو جائے گا۔ آج والے لمحے کا بدلہ تو کل کا لمحہ نہیں بن سکے گا۔ ایک تو لوگوں نے اس سارے دین کو ثواب ثواب کی جمع تفریق میں الجھا دیا وہ کر لیا تو ثواب ہے نہیں کیا تو ثواب نہیں ہو گا۔ یہ ثواب کیا بلا ہوتی ہے' یہ کون سی جنس ہے' یہ کیا ہے' یہ کوئی کھانے پینے کی چیز ہے کوئی لسی ہے یہ کیا ہے ثواب ۔ثواب ایک تعلق کا نام ہے ثواب ایک کیفیت کا نام ہے ثواب ایک رشتہ ہے جو بندے کا اللہ سے جڑ جاتا ہے اگر وہ رشتہ استوار نہیں ہوتا اگر اطاعت

کرتے ہوئے لذت نہیں آتی اور گناہ کرتے ہوئے خوف خدا نہیں آتا تو وہ کون سا ثواب ہے جو آگے جاکر ملے گا ثواب نقد ملتا ہے' ہر سجدے کا ہر تسبیح کا ہر عمل کا ہر سجدہ ایک گونا قوت بڑھا دیتا ہے قرب الٰہی کی ہر تسبیح لطف کی ایک کیفیت بڑھا دیتی ہے ہر رکعت ایک کیفیت عطا کرتی ہے۔ فرق یہ ہے کہ وہ ٹرانسیٹر' وہ ٹرانسفارمر' وہ مشین جو ان کیفیات کو حاصل کرتی ہے وہ زندہ ہو اور وہ دل ہے۔ ایک سوئی اگر ریکارڈ چلانے والی مشین کی خراب ہو جائے تو آپ ہزار ریکارڈ چلالیں اس کی آواز نہیں نکلتی' وہ ایک سوئی اگر ٹھیک ہو جائے تو وہ آپ کو لذت دینے لگتا ہے۔ اس طرح آپ کہتے ہیں ہاتھ درست ہیں' پاؤں درست ہیں' نگاہ درست ہے' دماغ بھی صحیح ہے' صحت درست ہے' ہاتھ منہ دھویا' اٹھا بیٹھا سجدے بھی کئے لیکن فرق نہیں پڑا' پتہ نہیں چلا۔ کیوں بھئی پہلی سوئی تو ڈالو اس میں خالی ریکارڈ چلاتے رہو گے' کہو گے' جی گانا کوئی نہیں سنا اس میں سے کوئی سر نہیں نکلی' سر کیسے نکلے گی' اس میں سر کو محسوس کر کے آپ کے کانوں تک پہنچانا اس سوئی کا کام ہے' ساری مشینری صرف انہیں چلا سکتی ہے' سر نہیں نکال سکتی۔ یہ ہاتھ پاؤں یہ اعضاء و جوارح آپ کو اٹھا بٹھا سکتے ہیں پیشانی زمین پر رکھ کے آپ کو اٹھا تو سکتے ہیں لیکن اس میں سے سر نکالنا یہ دل کا کام ہے اور دل غافل ہے۔

فرمایا۔ معرفت الٰہی = ایمان بالرسالت کے لئے معرفت رسالت شرط ہے اور معرفت الٰہی اور معرفت رسالت کا آلہ دل ہے ۔دماغ مادی ہے اور جسم کی مادی ضروریات کے لئے ہے اور جتنے بھی مادی کمالات ہیں ان کو کافر بھی سیکھ لیتا ہے مومن بھی سیکھ لیتا ہے سائنس کافر بھی پڑھ سکتا ہے مومن بھی پڑھ سکتا ہے وہ فزیکل سائنس ہو یا کوئی دوسری چیز ہو لیکن جب بات ایمان کی آتی ہے' معرفت الٰہی کی آتی ہے' معرفت پیامبر ﷺ کی آتی ہے تو پھر دل کو بینا ہونا پڑتا ہے' دل کو پہچاننا پڑتا ہے' دل کو ماننا پڑتا ہے' اس لئے قرآن حکیم نے ذکر قلبی پر سب سے زیادہ زور دیا ہے اس کے اوقات معین نہیں فرمائے' صورت معین نہیں فرمائی' تعداد معین نہیں فرمائی بلکہ فرمایا۔ الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا علی جنوبھم کھڑے ہوں ذکر کرتے ہیں' بیٹھے ہوں ذکر کرتے ہیں' لیٹے ہوں ذکر کرتے ہیں اور جہاں بھی ہو کثرت ذکر کا حکم دیا۔ یہ وہ علاج ہے جو دل کو وہ شفا بخشتا ہے وہ جلا بخشتا ہے' جس سے عظمت پیامبر ﷺ کو جاننے کی سعادت نصیب ہوتی ہے اور عظمت رسالت

ﷺ کو جاننے کے بعد ایمان ویقین میں وہ قوت آتی ہے کہ ارشادات پیامبر ﷺ کو من وعن قبول کر لیتا ہے۔

فرمایا۔ حب اللہ کا مطلب = جب تک اللہ جل شانہ سے محبت نہ ہو جائے' وہ اطاعت جس کا مطالبہ اللہ کا قرآن کرتا ہے' اللہ کا رسول ﷺ فرماتا ہے' وہ اطاعت نہیں ہو سکتی' اس لئے کہ کسی حکم کی تعمیل میں جان توڑ کر لگنا اپنے پورے خلوص کے ساتھ لگنا پورے انہماک کے ساتھ لگنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ حکم دینے والا ہماری نگاہ میں محبوب ہو ہمیں اس سے محبت ہو' اگر محبت نہ ہو گی تو کوئی غرض ہو گی کوئی لالچ ہو گا یا کوئی محض نفع اٹھانے کی بات ہو گی۔ وہ جسے خلوص کہتے ہیں' جسے ہم دلی جذبہ کہتے ہیں وہ نہیں ہو گا کیونکہ پھر ہم سمجھیں گے کہ کوئی دیکھ رہا ہے تو کام محنت سے شروع کر دیں گے اگر سمجھیں گے کہ کوئی نہیں دیکھ رہا تو ڈھیلے ہو جائیں گے کیونکہ غرض تو یہ ہے کہ کسی کی سمجھ میں ہماری یہ اداکاری بھی نہ آئے اور ہمارا مقصد بھی پورا ہو جائے۔ اس طرح پھر ہم چاہیں گے کہ محنت کم سے کم کریں کیونکہ غرض اجرت لینے پر پیسے لینے پر یا اپنی بات منوانے پر یا اپنے کسی لالچ پر یا اپنی کسی اور بات پر ہے لیکن جہاں بات محبت کی ہو گی' وہاں کوئی دیکھے نہ دیکھے' کسی تک بات پہنچے یا نہ پہنچے' اب تو محبوب کی بات ہے جو کچھ اس کے بس میں ہے وہ کرے گا اور محبت کا ایسا نسخہ تلاش کرتے کرتے ہم اس بات پر پہنچیں گے کہ جو شخص حضور اکرم ﷺ کی اطاعت اختیار کرے' اللہ خود اس سے محبت فرماتے ہیں وہ اللہ کا محبوب بن جاتا ہے اور اللہ سے محبت کرنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ اللہ خود کسی سے محبت کرنا شروع کر دے تو جواب میں اس کے دل میں اللہ کی محبت پیدا ہو گی۔

فرمایا۔ نبی کا کام = انبیاء رسل جو تعمیر کرتے ہیں اس کام کا اتنا گہرا اتنا مضبوط اثر ہوتا ہے کہ وہ انسانی دنیوی تاریخ کے ساتھ برزخ اور آخرت تک کو متاثر کرتا چلا جاتا ہے پھر جو بات نبی اور رسول ارشاد فرماتے ہیں وہ دنیا میں بجز انبیاء کے کوئی بتا سکا ہی نہیں برزخ کی بات' الہیات کی بات' اوصاف باری کی بات' ذات باری کی بات' اس زندگی سے بعد کی بات' اس زندگی سے پہلے کی بات' یہ ساری چیزیں ایسی ہیں جو صرف نبیوں اور رسولوں نے ارشاد فرمائی ہیں' کوئی بڑے سے بڑا کیمیا دان' محقق' شعبدہ باز اس میں رسائی حاصل نہیں کر سکا' کوئی بڑے

سے بڑا ستارہ شناس کوئی بڑے سے بڑا نباض ان حقیقتوں کو نہیں پاسکا جو وحی الٰہی کے ذریعے انبیاء علیہ السلام کو ودیعت کی گئی۔

فرمایا۔ اسلام = اسلام یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس ذات کے سامنے سر بسجود ہیں اس ذات کے سامنے تم سر بسجود ہو جاؤ۔ آپ ﷺ جس کے کہنے پر سوتے ہیں تم بھی اس کے کہنے پر سوؤ۔ آپ ﷺ جس کے کہنے پر جاگتے ہیں تم بھی اس کے کہنے پر جاگو' آپ ﷺ جس کے کہنے پر روزہ رکھتے ہیں تم بھی اس کے کہنے پر اسی طرح روزہ رکھو' آپ ﷺ جس کے کہنے پر شمشیر بکف ہو کر میدان کارزار میں اترتے ہیں تم بھی اپنی تلوار کھینچ لو اور ان کے ہم رکاب میدان کارزار میں اترو' آپ ﷺ جہاں صلح کا حکم دیتے ہیں وہاں صلح کرو۔ یعنی مجاہدہ جو جدوجہد سے مشتق ہے' جہد کے معنی ہوتا ہے کسی بھی کام کے لئے انتہائی محنت کرنا' پوری کوشش کرنا' جتنی بس میں ہو تو اسلام نام ہی مجاہدے کا ہے اور اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مجاہدہ اختیار کرو۔

فرمایا۔ نبوت کی قوت = یہی حال انسان کا ہے کہ اس میں ہزاروں کھوٹ کفر گناہ کذب عیوب مل جائیں جب بھی بارگاہ نبوت میں آئے گا' پھر کندن بن جائے گا تو گویا تصوف کا ایک نبیادی مسئلہ حل ہو گیا کہ ہر شخص میں مقامات کو حاصل کرنے کی استعداد موجود ہے فطری طور پر اور طبعی طور پر۔ اب کوئی کہاں تک پہنچتا ہے' اللہ کی عطا مقدم ہے سب پر اور استعداد بھی اللہ کی ہی عطا ہے لیکن اس کے ساتھ بڑی حد تک تعلق اس شخص کے یقین اور اس شخص کی طلب صادق کو ہے کہ وہ کتنے خلوص سے مانگتا ہے کتنے یقین سے طلب کرتا ہے اور جتنا بھی خلوص اور جتنا یقین ہو گا اتنی ہی وہ محنت کرے گا۔

فرمایا۔ فیضان نبوت = جس قدر رحمت باری دنیا میں تقسیم ہوئی ہے اس کا ذریعہ اور سبب اللہ کریم نے حضور اکرم ﷺ کو قرار دیا ہے تو آپ ﷺ سے ہمیں دو طرح کا فیضان بفضل اللہ نصیب ہے۔ ایک علوم ظاہرہ اور ایک کیفیات باطنی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے پاس احکام شرعی کوئی نہیں تھے لیکن ہم نے ساری کی ساری شریعت اسی طرح سے پائی ہے کہ صحابہ کرام نے حضور اکرم ﷺ سے حاصل کی' ان سے تابعین

نے' ان سے تبع تابعین نے اور اسی طرح 'نسلاً" بعد نسلاً" یہ امانت منتقل ہوتی چلی آئی اور بفضل خدا آج ہمارے پاس ہے اور ہم سے جہاں تک خدا چاہے گا آگے پہنچائے گا۔ کلام باری میں ایک نور ہوتا ہے' ایک لطافت ہوتی ہے' ایک کیفیت ہوتی ہے قلب نبوت جب اسے قبول کر کے اسے دوسری دفعہ آگے پہنچاتا ہے تو وہ نورانیت نبی علیہ السلام کی وساطت سے نبی علیہ السلام کے نور سے آگے ٹرانسفر ہوتی ہے منتقل ہوتی ہے' ان قلوب کو جو نبی علیہ السلام کا پیغام قبول کرتے ہیں تو یہ دو طاقتیں ملتی ہیں ایک آواز' الفاظ آیات اور دوسرا ان کے ساتھ برکت' کیفیت اور حالت ہوتی ہے۔ وہ اتنی لذیذ اتنی شیریں ہوتی ہے' اتنی مزے دار ہوتی ہے کہ جسے نصیب ہوتی ہے وہ اسے صرف سننے کے لئے جان دینے کو تیار رہتا ہے' قلوب منتظر رہتے ہیں ہمیں یہ شرف بخشا گیا ہے' ہمیں حضور نبی کریم ﷺ سے نسبت بخشی گئی ہے اس لئے کہ ہم حضور ﷺ کے ارشادات میں کلی طور پر فنا ہو کر نسل انسانی کے لئے اپنے طور اور اپنے عمل سے اپنی زندگی سے اپنے کردار سے ایک نمونہ بن جائیں کہ لوگ ہمیں دیکھ دیکھ کر اللہ کی طرف متوجہ ہوں اور اللہ کے رسول ﷺ سے حصول فیض کریں۔

فرمایا۔ قلبی حیات = قلبی حیات کے لئے کوشش و محنت مجاہدہ بھی کرے کہ ان کیفیات کو آپ کے دل میں پہنچا سکے اور آپ کا دل اس قابل ہو سکے کہ وہ اپنے بھلے برے کی تمیز کر سکے اور اپنے لئے فیصلے خود کر سکے' فیصلہ بھی آپ خود ہی کریں گے اگر لوگ اپنا فیصلہ خود نہ کرتے تو پھر میدان حشر کا جواب لوگوں کو خود نہ دینا پڑتا وہ پکڑا جاتا جس کے فیصلے پر لوگوں نے عمل کیا تھا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اٹھیں گے تو کیا ہو گا' نہیں اٹھیں گے تو کیا ہو گا۔ اس لئے تہجد کے لئے آنکھ نہیں کھلتی اور اس کا کوئی تعویز علاج نہیں ہے اس کا علاج دل کا حال ہے' دل کی کیفیت ہے اور دل کا فیصلہ ہے اگر فیصلہ ہمارے اپنے دل نے کرنا ہے' تو پھر شیخ کیا کرے گا شیخ کا ہمیں کیا فائدہ ہوا؟ شیخ صرف یہ کر سکتا ہے کہ وہ جن برکات کا امین ہے' آپ شیخ کی صحبت میں بیٹھیں' شیخ سے برکات حاصل کریں' شیخ کے ساتھ مل کر مجاہدہ کریں۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ ہر شخص کا ذاتی فیصلہ ہے اور ایمان نام ہی اس فیصلے کا ہے۔ یاد رکھئے کہ جب ہم سمجھتے ہیں کہ عبادات کو جی نہیں چاہتا اور سستی ہو جاتی ہے تو اس جملے کا معنی یہ ہوتا ہے کہ ہمارا ایمان کمزور

ہے' ان میں جسے Between The Line کہتے ہیں کے اندر حقیقت یہ ہوتی ہے کہ ہمارا اللہ پر اعتماد نہیں ہے' آخرت پر یقین نہیں ہے اور دین کے ساتھ ہمارا قلبی تعلق کمزور ہے اگر وہ یقین پختہ ہو تو آپ کہتے ہیں جاگ نہیں آتی میں کہتا ہوں نیند نہیں آتی یعنی اتنا فرق ہے کہ اگر وہ یقین پختہ تر ہو تو پھر نیندیں اڑ جاتی ہیں کہ کہیں کوتاہی ہو جائے اور میں مارا نہ جاؤں ایک نماز کا چھوٹنا صرف ایک نماز کا چھوٹنا نہیں ہوتا اس قوت کار کا مس کرنا ہوتا ہے جو ہمیں میدان عمل میں چاہیئے۔

فرمایا۔ قلبی اطمینان = الابذکر اللہ تطمئن القلوب۔ اطمینان اردو میں تو استعمال ہوتا ہے ٹھہراؤ اور سکون کے لئے لیکن اطمینان کی حقیقت یہ ہے کہ جو پرزہ جس جگہ کے لئے بنا ہو' وہاں جاکر جیسے وہ جم جاتا ہے' ایڈ جسٹ ہو جاتا ہے' اس کیفیت کو اطمینان کہتے ہیں۔ آپ کسی پرزے کو کسی پتھر کو جس جگہ کے لئے وہ نہیں بنا' وہاں رکھیں وہاں وہ یا اس طرح پھڑکتا رہے گا یا فٹ بیٹھے گا نہیں' کوئی نہ کوئی اس میں وہ نقص رہے گا جس جگہ کے لئے وہ پرزہ بنا ہے اس جگہ آپ آرام سے رکھ دیں' تو وہ ٹک جائے گا' جم جائے گا' اپنی جگہ اختیار کرلے گا' وہ قرار جو اسے وہاں ملتا ہے' اس قرار کو اطمینان کہتے ہیں تو فرمایا۔ الابذکر اللہ تطمئن القلوب۔ دل اپنی جگہ تب بیٹھتا ہے جب وہ اللہ کو بھی مانے' آخرت کو بھی مانے اور نبی علیہ الصلوۃ پر بھی اسے یقین ہو' اللہ اور اس کے رسول کی محبت نصیب ہو۔ عبادت کا داعیہ پیدا ہو' اطاعت کا جذبہ پیدا ہو' نافرمانی سے نفرت آجائے اور اللہ کی عدم اطاعت سے خوف آنے لگے یہ اس کا اصلی مقام ہے' دل بنا اس کے لئے ہے۔ اسی لئے آپ دیکھیں کہ جو لوگ اللہ سے دور ہوئے' ان کے پاس اگر دنیا کی دولت یا دنیا کی حکومت آگئی' تو بھی ان کے دل کو سکون نصیب نہیں ہوا۔ ایمان کی بنیاد آساس اس بات پر ہے کہ یقین ہو جائے کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں' یہ آخری ریکارڈ نہیں ہے' اس کا ریکارڈ رکھا جارہا ہے اور یہ کسی عام ہستی کے سامنے نہیں' یہ اللہ رب العزت کے سامنے کھڑے ہو کر ہمیں اپنا یہ اعمال نامہ پیش کرنا ہے اس لئے جب یہ یقین ہو جائے تو عبادات سہل ہو جاتی ہیں اور اس یقین کو پختہ تر کرنا پھر اللہ کا ہی کام ہے۔

باب-10

برکات نبوت (5)

فرمایا۔ (نصرت رسول)=انا لننصر رسلنا۔ اللہ کی مدد ہمیشہ اپنے رسولوں کے ساتھ رہے گی' جو اللہ سے مدد چاہتا ہے' جو اللہ سے کرم چاہتا ہے' جو اللہ سے رحمت کا طلب گار ہے' وہ اللہ کے رسول کی اطاعت کرے۔ اللہ نے طے کردیا کہ اپنے نبیوں کے خلاف یا ان کی اطاعت سے باہر لوگوں کی' میں کسی کی مدد نہیں کروں گا۔ بات ختم ہوگئی' طے ہوگئی' یہ ایک اصول بن گیا۔انا لننصر رسلنا۔ ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی۔والذین امنوافی الحیوۃ الدنیا ویوم یقوم الاشھاداور جو میرے رسولوں کی بات مانتے ہیں' ان کی مدد کرتا ہوں' میں دنیا میں بھی اور اس دن بھی کروں گا' جب ہر ذرہ سوائے اللہ کی مدد کے کسی شے کا طالب نہیں ہوگا' ہر چھوٹا بڑا' ہر شاہ و گدا' ہر سلطان اور امیر۔ یوم یقوم الاشھادۃ جو لوگ دنیا میں کفر کے ساتھ سمجھوتے کرکے جیتے ہیں' وہ آخرت کی بالکل امید نہ رکھیں اگر دنیوی زندگی میں گناہ کے ساتھ سمجھوتہ ہے' برائی کے ساتھ سمجھوتہ ہے' نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی اطاعت سے بیزاری اور دین سے دوری ہے اور دنیا میں نہ وہ اللہ کی مدد کا طالب ہے' نہ اسے اللہ کی مدد مل رہی ہے' اپنے حالات پہ قناعت کئے ہوئے بیٹھا ہے تو پھر اس امید پہ نہ بیٹھا رہے کہ آخرت کی سرخروئی جیتے گا' جسے دنیا میں مدد الٰہی نصرت الٰہی کا احساس ہوگا' جسے دنیا میں یقین نصیب ہوگا کہ یہی سچ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور یہی درست ہے جو حضور ﷺ نے فرمایا اور اس کے خلاف جو ہے وہ یقیناً" غلط

ہے تو پھر میں اس کی مدد کروں گا۔

فرمایا۔ کمالات محمد = یہ دو کمال محمد عربی ﷺ کے ہیں آپ ﷺ سے فیض کو حاصل کرنے کے دو ہی دروازے ہیں' ایک یہ کہ علوم کو حاصل کیا جائے جو حضور ﷺ کے ارشادات واقوال ہیں اور دوسرا اس کیفیت کو حاصل کیا جائے' جو صحرا نشینوں کو عرش نشین بنادے' جو چوروں کو عادل' چرواہوں کو جرنیل اور بدکاروں کو ہادی بنادے۔ کیا نظر تھی' جس نے مردوں کو مسیحا کردیا یہ کیفیت جو ہے اس کے حصول کا نام سلوک ہے۔

فرمایا۔ اتباع نبوی = اگر ہم خلوص کے ساتھ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی غلامی اختیار کرلیں تو ہمیں بصیرت مل جائے گی۔ جو کچھ یہ سازشیں کرتے ہیں' وہ بھی نظر آجائیں گی اور جرات رندانہ بھی مل جائے گی کہ ہم سرمیدان کہہ سکیں کہ بھئی ہم آپ کے بندے نہیں' اللہ کے بندے ہیں اور اس کا بڑا آسان نسخہ قران حکیم نے دیا ہے کہ نیکی کی راہ میں جو لوگ رکاوٹ بنتے ہیں یا اعتراض کرتے ہیں' انہیں کہئے کہ اس سے بہتر انداز تم بتادو' وہ اپنا لیتے ہیں' حضور ﷺ سے ثابت کرو' کتاب اللہ سے ثابت کرو' نبی علیہ السلام کی سنت سے سلف صالحین سے ثابت کرو' تو ہم فرشتے تو نہیں ہیں' ہم بھی انسان ہیں' ممکن ہے ہم غلطی پر ہوں اور دوسرا ثابت کرتا ہے کہ حضور ﷺ کا حکم یہ ہے' اللہ کا حکم یہ ہے' تو وہ غلطی چھوڑ دینی چاہئے تسلیم کرنی چاہئے کہ مجھے دھوکا لگا' مجھ سے غلطی ہوئی' اس کا شکریہ ادا کرنا چاہئے اور اچھائی اپنا لینی چاہئے لیکن یہ کوئی دین نہیں ہے کہ میں خود بھی کچھ نہیں کرتا اور تم بھی کچھ نہ کرو چھوڑ دو' یہ تو دین نہیں ہے اور جتنے بھی معترضین ہوتے ہیں دیکھا گیا ہے کہ ان کا اعتراض یہی ہوتا ہے کہ تم کیوں کرتے ہو' اچھا نہ کروں' تو کیا کروں' کچھ بھی نہ کرو یہ تو کوئی جواب نہیں یہ تو کوئی دلیل نہیں ہے۔

فرمایا۔ رحمت خداوندی = اتنے سبب رحمت کے خدا نے بنادیئے ہیں کہ کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی جگہ اس کی نجات ہوجائے گی لیکن بات کھرے اور کھوٹے کی ہے دل جب کھوٹا ہوجاتا ہے تو پھر اسے کوئی قبول نہیں کرتا۔ کم ازکم عمل اگر ہم کھرے نہیں کرسکتے' تو دل کو تو کھرا رکھیں اور غلطی کو غلطی سمجھیں' گناہ کو گناہ سمجھیں اور خدا اور خدا کے رسول کی عظمت کا اہتمام کریں اور یہ تو ہم کہتے رہیں کہ حق وہی ہے' جو خدا نے حکم دیا' حق وہی ہے'

جس کے کرنے کا اللہ کے پیامبر ﷺ نے حکم دیا۔ کم از کم ہمارا رویہ یہ ہونا چاہئے کہ دل میں طلب تو موجود رہے' حضور ﷺ کے حکم کو ماننے کی' حضور ﷺ کی غلامی کرنے کی جہاں سے چھوٹ جائے' وہاں دکھ تو لگے کہ مجھ سے حضور ﷺ کی غلامی کیوں چھوٹی اگر یہ احساس مرگیا تو سمجھو کہ آدمی کے دونوں جہان تباہ ہو گئے۔

فرمایا۔ برکات نبوت = اس لذات کو پانے کے لئے' اس کیفیت کو پانے کے لئے یا ان برکات کو پانے کے لئے ایمان شرط ہے اور ایمان نام ہے تصدیق لسانی و قلبی کا۔ ایمان کی بنیاد یہ ہے کہ پہلے تلاش کرے حکم محمد رسول ﷺ کو آپ ﷺ کو پہچانے اور آپ ﷺ کی عظمت کو پہچانے' آپ کی برکات کو پہچانے' آپ ﷺ کے منصب جلیلہ کو پہچانے اور پھر آپ ﷺ سے معرفت الٰہی حاصل کرے' پھر یہ معرفت باری کا کام ہے کہ اسے سمجھ آئے کہ اللہ کیسا ہے۔

فرمایا۔ برکات نبوت = نبی کریم ﷺ نے چشم عالم سے پردہ فرمایا لیکن آپ ﷺ کی نبوت باقی' آپ ﷺ کی کتاب باقی' آپ ﷺ کی برکات باقی۔ میں حیات النبی کے مسئلہ پر بات نہیں کررہا' وہ ایک الگ موضوع ہے۔ میں برکات نبوی ﷺ پر بات کررہا ہوں تو اب وہ برکات جو ہیں وہ کیسے پہنچیں گی لوگوں تک؟ لوگوں کو کیسے تبدیل کریں گی؟ کیا ہر شخص کتاب کے مطالعے سے بدل جائے گا؟ کیا ہر شخص کہنے والے کی تقریر سے بدل جائے گا؟ یا اس کے لئے کوئی اور ذریعہ بھی ہے؟ تو دونوں طرح کے لوگ وجود میں آئے۔ ایک وہ لوگ جن تک حضور ﷺ کے ارشادات پہنچے تو انہوں نے ایمان قبول کیا لیکن جو آپ ﷺ کی صحبت میں نہ پہنچ سکے وہ بہت اچھے مسلمان بنے۔ دوسرے لوگ جنہیں ایمان کے ساتھ آپ ﷺ کی صحبت بھی نصیب ہوئی' وہ صرف اچھے مسلمان نہیں' وہ صحابی بن گئے۔ کتاب کو سننے میں' کتاب کو پڑھنے میں' کتاب کو ماننے میں' کتاب پر عمل کرنے میں' دونوں فریق برابر ہیں' نمازیں دونوں پر ایک جیسی فرض' حج دونوں پر ایک جیسا فرض' جہاد عبادات رمضان' زکوٰۃ فرائض واجبات سب ایک جیسے فرض ہیں' لیکن حضور اکرم ﷺ سے روبرو ملنے اور نہ ملنے سے صحابی اور غیر صحابی کا فرق پیدا کردیا۔ صحابی سے مراد ہے کہ قلبی کیفیات کے لحاظ سے ایمانیات و اعتقادات سے لے کر اعمال

وکردار تک' ورع تقوی تک' خشوع وخضوع تک ساری اس مخلوق سے افضل ہیں جو صحابی نہیں ہے۔ نبی علیہ السلام کے بعد افضل ترین انسان صحابی ہے یہ فضیلت انہیں حضور ﷺ کے روبرو ہونے سے مل گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں نبی ﷺ کے ارشادات میں تجلیات باری ہیں' نور نبوت ہے' وہاں نبی کی ذات میں وہ بدرجہ اتم ہوتا ہے' جو روبرو آتا ہے وہ ایک دم سے روشنی کے الاؤ میں آجاتا ہے اور جو روبرو نہیں آتا اسے جو یقین یا جو ایمان نصیب ہوتا ہے اس درجے کا نہیں ہوتا' جو اسے ہوتا ہے جو سامنے آجاتا ہے۔ اعمال دونوں ایک سے کرتے ہیں' عقیدہ دونوں کا ایک سا ہوتا ہے لیکن اس عقیدے کی یہ گہرائی اور محبت نبی علیہ السلام بہت بڑا فاصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔

فرمایا۔ نبی سے تعلق کے اثرات = اثرات نبوت سے عمل بھی آجاتا ہے' سوچ بھی آجاتی ہے' زاویہ نگاہ بھی بدل جاتا ہے' اور پیامبر سے دوری وہ انسان کو صرف اور صرف مادی مال و دولت کی طلب میں لگائے رکھتی ہے۔ انسان ساری زندگی دوڑتا رہتا ہے اور وہ کبھی پوری نہیں ہوتی۔ یہ توقع کوئی نہ کرے کہ اگر میں خدا کو پسند نہ ہوتا' خدا کا پسندیدہ نہ ہوتا تو مجھے دولت نہ دیتا' مجھے جائیداد نہ دیتا' مجھے کوٹھی نہ دیتا' مجھے جب اللہ نے سب چیزیں دے رکھی ہیں تو شاید میں ہی اس کا پسندیدہ آدمی ہوں۔

فرمایا۔ ادب النبی = نبی کی عظمت جب دل میں آئی' جادوگروں نے نبی سمجھ کر نہیں بلکہ کوئی عظیم انسان سمجھ کر ادب کیا تھا لیکن اس ادب کے ایک لمحے نے فیوضات برکات نبوت سے جادوگروں کو سرفراز کر دیا اور بغیر کسی کے پڑھائے ہوئے وہ پڑھ گئے' بغیر کسی کے سکھائے ہوئے' وہ سیکھ گئے' اور یہ وہی لوگ تھے جو آخرت سے نا آشنا تھے انہوں نے اس تفصیل سے آخرت کے حالات بیان کئے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ چلو باقی بات کو تو چھوڑو' ان کے دل میں خوف خدا پیدا ہو گیا' ٹھیک ہے انہوں نے خدا کو مان لیا ہے لیکن یہ ساری آخرت کی تفصیلی باتیں انہیں کس نے تعلیم دیں۔ برکات نبوت کے سوا اس کا کوئی اور جواب نہیں ہو سکتا۔

باب ۔ 11

عظمت نبوت

فرمایا۔ آپ ﷺ کی عالمگیریت = حضور اکرم ﷺ کے فیوضات و برکات صرف اور صرف ان لوگوں کو نصیب ہوئے' جن کے قلوب نے آپ ﷺ کی ذات اقدس کو قبول کیا ورنہ بعثت نبوی تو رہتی دنیا تک کی ساری انسانیت کے لئے تھی۔ آج بھی انسانوں کے لئے حضور ﷺ ہی نبی ہیں اور اس دور میں رہنے والے روئے زمین کے تمام انسانوں کے لئے بھی آپ ہی کی نبوت تھی۔ آپ ﷺ جو کچھ ارشاد فرماتے تھے اس میں تو ساری انسانیت کو خطاب ہوتا تھا قرآن کریم نے ساری انسانیت کو خطاب فرمایا ہے۔ اصلاح کے لئے کوشش' محنت اور مجاہدہ جو حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے وہ تو ساری انسانیت کے لئے ہوتا تھا مگر اس قوم کے سارے انسان ایمان تو نہ لاسکے' سب کو تو یہ عظمت نصیب نہ ہوئی جب حضور ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا' تو تین طبقے تین جماعتیں انسانوں کی ہوگئیں' ایک وہ جنھوں نے حضور اکرم ﷺ کی نبوت کا انکار کردیا اور کافر کہلائے' ایک وہ لوگ جنہیں خلوص دل سے ایمان نصیب ہوا اور مومن کہلائے' ایک طبقہ عجیب اس دور کا تھا کہ جب ظاہری طور پر دنیوی اعتبار سے اسلام کو غلبہ ہوا یعنی مدنی عہد رسالت جس میں مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد پڑی' اسلامی فوج کی بنیاد پڑی' اسلام کی ایک سٹیٹ بنتی ہوئی نظر آئی تو کچھ لوگوں نے دنیوی مصالح اور دنیوی فوائد حاصل کرنے کے لئے اپنے مومن ہونے کا اعلان کردیا لیکن ان کے دل حضور ﷺ کی محبت میں گرفتار نہ ہوئے ان

کے دلوں کو آپ ﷺ کی عظمت کا احترام نہ ہوا اور ان کو منافق کہا جاتا ہے۔

فرمایا۔ اتباع نبوی = اگر انسان راہ راست سے ہٹ جائے' یا اللہ جل شانہ' کی اطاعت چھوڑ دے تو دنیا میں اسے جو سزا دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ حتیٰ انساکم ذکری۔ اللہ جل شانہ اپنی یاد اس کے دل سے بھلا دیتے ہیں' اور اپنا نام اس کی زبان سے چھین لیتے ہیں۔

فرمایا۔ برکات نبوت = کیفیت کی جو بات ہوتی ہے انبیاء علیہم الصلوۃ میں یہ قوت ہوتی ہے کہ جیسے کوئی ایمان لایا وہ کیفیات اس کے دل میں ٹھاٹھیں مارنے لگیں' وہ صحابی رضی اللہ عنہ ہو گیا چونکہ کامل دین اپنی تعلیمات کے ساتھ اپنی کیفیت کے ساتھ ہوتا ہے تو یہ کامل دین جب بھی جس کو منتقل ہوتا ہے تو وہ خود مینارہ نور بن جاتا ہے۔ اسی لئے صحابی رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھنے والا تابعی۔ کہلاتا ہے' تابعین رحمہ اللہ میں بھی یہ قوت ہوتی ہے کہ ان کی چند لمحوں کی مجلس تبع تابعین بنا دیتی ہے لیکن تبع تابعین کے بعد یہ قوت کمزور پڑتے پڑتے اس حد تک نہیں رہتی' کہ اک نگاہ میں کوئی کامل ہو جائے پھر لوگوں کو اس کیفیات کے حصول کے لئے وقت لگانے پڑے محنت کرنا پڑی' باقاعدہ صبح شام توجہ لینی پڑی' اور پھر اس میں بھی جتنے لوگوں نے توجہ کی' عمریں لگائیں' وقت لگایا' وہ سارے ایسے نہ بن سکے کہ آگے لوگوں تک بھی روشنی پہنچاتے پھر ان میں سے صرف مخصوص لوگ یہی روشنی آگے لے جاتے رہے جن سے سلاسل تصوف کی بنیاد پڑ گئی۔

فرمایا۔ منافق کون = ومن الناس من یقول امنا باللہ و بالیوم الاخر وما ھم بمومنین کہ ایسے لوگ بھی ہیں' من یقول امنا باللہ و بالیوم الاخر۔ ایسے لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں' آخرت کو مانتے ہیں' ضروریات دین کا اقرار کرتے ہیں' رسالت کو مانتے ہیں' کتاب کو مانتے ہیں' وما ھم بمومنین۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ایمان دار نہیں ہیں۔ جب یہ سب کچھ مانتے ہیں تو ایمان دار کیوں نہیں ہیں۔ اس لئے ایمان دار نہیں ہیں' یخدعون اللہ والذین امنو۔ کہ یہ مسلمانوں کو بھی اور اللہ کریم کو بھی دھوکہ دیتے ہیں یعنی ان کے دلوں نے ایمان قبول نہیں کیا' دنیوی فوائد دینوی مصالح دیکھ کر وہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنے نام کو مسلمانوں کی طرز پر رکھ کر' جو فائدہ مسلمان کہلانے سے حاصل ہو سکتا ہے وہ فائدہ حاصل کر لیں عملاً" انہیں اسلام سے کوئی دلچسپی نہیں

ہے۔

فرمایا۔ برکات نبوت = اللہ کی اتنی بخشش اتنی رحمت کے باوجود یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے مطالبہ یہ نہیں ہے کہ تو حکومت چھوڑ دے' ہرگز نہیں' یہ مطالبہ نہیں ہے' کہ ملک چھوڑ دے' ہرگز نہیں' ملک بھی تیرا ہے' حکومت بھی تیری رہے میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تجھے تیری حکومت سمیت خدا سے آشنا کر دوں اور تیرے دل میں اللہ کی عظمت آجائے' لیکن وہ محروم رہا۔ وہ اس سعادت کو نہ پا سکا۔ اللہ کی شان وہ حکومت کو بچانا چاہتا تھا' وہ حکومت بھی گئی' جس شان و شوکت کو بچانا چاہتا تھا' وہ بھی چھن گئی۔

فرمایا۔ تعلیمات نبوی کا تسلسل = یہ قرآن ایسی کتاب ہے کہ اس سے پہلے جتنے انبیاء و رسل گذرے ہیں' جتنی کتابیں نازل ہوئی ہیں یہ سب کی تائید و تصدیق کرتی ہے کوئی عجیب بات نہیں کرتی آپ اندازہ فرمائیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے زمین پر جو کلمہ یاد کیا تھا وہ تھا لا الہ الا اللہ۔ تمام انبیاء کے کلمے کا بنیادی جزو یہ تھا لا الہ الا اللہ۔ قرآن حکیم نے نازل ہو کر اسی کلمہ کی تصدیق فرمائی انبیاء علیہم السلام کے درمیان میں صدیوں کے فاصلے ہیں ایک نبی علیہ السلام دوسرے نبی علیہ السلام کی تعلیمات دیکھتا نہیں ہے' تاریخی حالات اس تک نہیں پہنچے اس زمانے کے لوگ نہیں پہنچے اگرچہ عبادات میں فرق آتا ہے' ان کے اوقات میں فرق آتا ہے' انکی رکعات میں فرق آتا ہے لیکن معبود کی ذات میں فرق نہیں آتا' عقائد میں فرق نہیں آتا۔ حضرت آدم علیہ السلام اگر آخرت کی یا قیامت کی یا حشر و نشر کی کوئی بات بتاتے ہیں تو قرآن کریم اسی کی تصدیق فرماتا ہے یہ نہیں فرماتا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جو کہا تھا' وہ نہیں ہو گا اس کے علاوہ کچھ اور ہو گا انبیاء و رسل کی صداقت کا یہ بھی ایک انداز ہے جس سے جانچا جا سکتا ہے کہ درمیان میں صدیوں کے فاصلے ہیں نیا آنے والا نبی علیہ السلام عقائد میں کبھی پہلے نبی علیہ السلام' سے اختلاف نہیں کرتا۔ دو باتوں میں کبھی اختلاف نہیں کرتا ایک عقائد میں اور دوسرے اخبار میں جو پہلے اللہ کی طرف سے خبر نازل ہوئی ہے کسی دوسری کتاب میں وہ بدل کر نہیں آتی۔

فرمایا۔ برکات نبوت = کیا یہ عجیب بات نہیں ہے صدیوں بعد کوئی اللہ کی توحید پر اس کی ذات اور اس کی صفات پر یقین رکھتے ہوئے ان وادیوں ان گھاٹیوں سے گزر جائے' تو اس کا

دل روشن ہو جائے اس کا سینہ منور ہو جائے یہ بہت بڑا کمال ہے بڑی عجیب بات ہے۔ وہ جہاں سے گزر جائے، جہاں وہ رکیں، جہاں وہ ٹھہریں، جہاں سے چلیں، جہاں سے گذریں وہ انوار رت سے بھر جاتے ہیں۔

اگر ان کے عمومی مشاغل کا یہ حال ہے تو وہ امور جنہیں کرنے کا انہیں اللہ کی طرف سے حکم دیا جاتا ہے جنہیں وہ عبادت سمجھ کر فریضہ سمجھ کر ادا کرتے ہیں، اس میں کتنی قوت ہوتی ہوگی پھر جو لوگ ان فرائض کو بجالاتے ہیں، اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے، ان کے دل ان کے سینے روشن ہو جائیں اور اس قافلے میں وہ قافلہ جو سارے کا سارا انبیاء و رسل کا ہے ان میں تمام انبیاء اور تمام رسولوں کے امام ہیں محمد رسول اللہ ﷺ۔

آپ ﷺ وہ مینارہ نور ہیں، جس سے تمام انبیاء و رسل نے بھی اکتساب فیض حاصل کیا، خالق و مخلوق کے درمیان اخذ برکات کا واحد واسطہ آپ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ جن انبیاء علیہ السلام نے حضور اکرم ﷺ کے واسطے اور وسیلے سے اخذ برکات حاصل کیں ان کی عظمتیں یہ ہیں کہ جو ان کے نقش قدم پر چلا سرفراز ہوا جنہوں نے ان سے ٹکر لی تباہ ہو گیا۔

فرمایا۔ وحی کی قوت = اس کے باوجود کلام الٰہی کو سننے کے لئے جو قوت ہوتی ہے جسے آپ فریکونسی کہہ لیں اس کے لئے تقدس کی وہ فریکونسی چاہئے، جو اس فریکونسی کے ساتھ کوارڈینیٹ کرے، جس فریکونسی پر نشر ہو رہی ہے تو کلام الٰہی کا جو تقدس ہے، اسے صرف اور صرف وہ دل سنتا ہے، جو معصوم ہو اور وہ صرف نبی علیہ السلام ہوتا ہے۔ اسی لئے بعض فرقوں نے انبیاء علیھما السلام کے علاوہ آئمہ کے معصوم ہونے کا اعلان کیا ہے یہ مسلمانوں کے خلاف ایک سازش ہے دھوکہ ہے کہ نبی کے نام پر نام رکھنے سے مسلمان پاک ہو جائیں گے نام امام رکھ دو، اوصاف وہ رکھ دو جو نبی کے ہوتے ہیں تو یہ گمراہی ہوگی۔

جو بات میں عرض کرنا چاہتا تھا اس کی باری اب آئی ہے کہ اللہ کا تقدس، اس کی ذات بے مثل، بے مثال ہے مخلوق میں مخلوق ہونے کے باوجود انبیاء علیھم السلام بے مثال ہے کتنی عجیب بات ہے کہ مخلوق ہو اور اس کی نظیر نہ ہو یہ صرف اور صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی شان ہے کہ اللہ نے آپ ﷺ کی نظیر، آپ کی مثال پیدا نہیں کی اس کے بعد باری

آتی ہے انسانیت کی' انسانوں کی جن کے لئے یہ پیغام نازل ہوا اب وہ فریکونسی تو نہ رہی' وہ بلندی نہ رہی' جسے سننے کے لئے نبوت کا تقدس ہونا چاہئے تھا لیکن نبی علیہ السلام کی زبان سے نکلے گا' نبی علیہ السلام ارشاد فرمائے گا تو ایک درجے کا تقدس پھر بھی اس میں ہو گا لیکن اس کے باوجود ہر کوئی اس سے متاثر نہیں ہو گا لیکن وہی کلام جو اللہ سے اللہ کے رسول ﷺ نے وصول فرمایا ہے جب اللہ کا رسول آگے بندوں کو پہنچائے گا تو ان بندوں میں اس کلام کو سننے' سمجھنے اور حاصل کرنے کے لئے پھر ایک تقدس کی ضرورت ضرور ہے جو کم از کم نبی علیہ السلام کا ارشاد سننے کی اہلیت پیدا کر دے' مخلوق میں اس تقدس کی قوت پیدا کرنے کے لئے اللہ نے رمضان پیدا کر دیا۔ مخلوق میں یہ تقدس پیدا ہوتا ہے اللہ کی اطاعت سے' صرف نماز' روزہ اطاعت نہیں ہے' صرف سجدے کرنا اطاعت نہیں ہے صرف حج کرنا اطاعت نہیں ہے میں سال میں چار مرتبہ حرم پاک سے ہو آتا ہوں مجھ میں فرق پڑتا ہے؟ جیسا جاتا ہوں ویسا ہی آجاتا ہوں' کسی نے میرا قد بڑھا ہوا دیکھا اگر کسی پر اللہ کا کرم ہو' تو اس کے اندر کچھ تبدیلیاں آجاتی ہیں' جو باہر سے نظر آتی ہیں' اس کا کردار بدل جاتا ہے' اس کا طریقہ بدل جاتا ہے' اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے' اس سے دین پھیلتا ہے' اس سے نیکی پھیلتی ہے' اس سے برائی مٹتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ کسی کا فیض ہے' کسی کا کرم ہے' کہیں سے کچھ لایا ہے جو بانٹ رہا ہے۔

انسان کا تقدس یہ ہے کہ وہ حلال کو اختیار کرے اور حرام سے رک جائے جہاں سے اللہ نے منع کیا ہے' اسے چھوڑ دے' جہاں اجازت دی ہے' اسے اختیار کرے۔

فرمایا۔ نبوت کی قوت = اھدیک الی ربک فتخشی۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کو بتاتا ہے کہ کیا تم چاہتے ہو میں اللہ کی طرف اس طرح رہنمائی کر دوں کہ تیرے دل میں اللہ کی خشیت پیدا ہو جائے' یعنی اگر فرعون بھی ایمان لے آتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توجہ اور برکت سے اس کا دل بھی اتنا صاف اتنا روشن ہو جاتا کہ اس میں نہ صرف اللہ کی محبت اور طلب پیدا ہوتی' بلکہ اللہ کی خشیت پیدا ہو جاتی' اور خشیت اس محبت سے پیدا ہوتی ہے جس میں محبوب کے ساتھ تعلق پیدا ہوتا ہے' خشیت اس اندیشے کو کہتے ہیں' جو تعلق کے ٹوٹنے سے پیدا ہو وہ ڈر جس میں یہ خطرہ ہو کہ میرا یہ رشتہ ٹوٹ نہ جائے اسے خشیت کہتے ہیں تو گویا اس درجے کی محبت دل کو دے دینا کہ اس دل میں یہ اندیشہ پیدا ہو جائے کہ مجھ

سے کوئی ایسا کام نہ ہو جائے‘ کوئی ایسی غلطی نہ کر بیٹھوں‘ جس سے یہ محبت ٹوٹ جائے‘ میرا یہ رشتہ ٹوٹ جائے‘ اللہ کریم خفانہ ہو جائیں اور یہ فرائض نبوت میں سے ہوتا ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ نبی علیہ السلام خود انسان ہوتے ہیں اس لئے نبی علیہ السلام نہ کسی انسان کو خود فرشتہ بناتے ہیں اور نہ فرشتہ بنانے کے لئے آتے ہیں اور نہ انسان فرشتہ بنا کرتا ہے‘ انسان انسان ہی رہتا ہے۔ نبیؑ علیہ السلام کا تعلق رب جلیل سے اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ اگر اسے غلطی لگنے لگے تو غلطی پر عمل کرنے سے پہلے اسے بتا دیا جاتا ہے کہ آپ ایسا نہیں کریں گے‘ اس لئے کہ نبی علیہ السلام معصوم عن الخطا ہوتا ہے‘ غلطی نہیں کرتا لیکن غیر نبی کا رشتہ اتنا مضبوط نہیں ہوتا اس سے غلطی ہو جاتی ہے اور اس غلطی کے لئے رب کریم نے ندامت اور توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ غلطی کا ہو جانا ہر انسان سے اس کا امکان موجود ہے سوائے انبیاء علیہم الصلوۃ السلام کے حتی کہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے بھی‘ تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہ سے بھی‘ اہل اللہ‘ اہل علم اور اولیاء اللہ سے بھی غلطی کا صدور ممکن ہے اور غلطی ہو سکتی ہے۔

فرمایا۔ برکات = نبوت و رسالت کے منصب و مقام مرتبہ یا فرائض کے بارے میں ایک بات غلط فہمی پائی جاتی ہے اور یہ کہ شاید انبیاء و رسل محض عجائبات دکھانے کے لئے یا کوئی مافوق الفطرت عادت دکھانے کے لئے تشریف لاتے ہیں اور پھر ہم اس مافوق الفطرتی کا تعین بھی ان پیمانوں سے کرتے ہیں‘ جو ہماری مادی نگاہ میں یا ہماری وقتی اور لمحاتی سوچ سے ذرا بالاتر ہوں کوئی بھی ایسا کام ہے‘ جسے ہماری عقل نہ پا سکے‘ مثلاً" مختلف فنون ہیں‘ اس دنیا میں جادو ہے‘ شعبدہ ہے‘ علم نجوم ہے‘ کئی قسم کے خارق عادات ہیں لوگ جنوں اور شیاطین کے تسخیر عمل کرتے ہیں بعض لوگ پیش گوئیاں کرتے ہیں ان ساری چیزوں میں ایک عجیب بات دیکھنے میں آتی ہے‘ کہ کوئی شعبدہ باز‘ کوئی نجومی‘ کوئی جادو گر کوئی یوگی اخلاقیات عالیہ کی تعمیر نہیں کرتا۔ یہ طے شدہ بات ہے بلکہ اکثر یہ لوگ اخلاق سے عاری ہوتے ہیں جب کہ انبیاء و رسل کی بعثت کا فریضہ ہی اخلاقیات کی تعمیر ہوتا ہے یہ ایک بنیادی فرق ہے نبی میں اور غیر نبی میں۔ اخلاقیات کی جو تعمیر ہے یہ اتنا اہم اتنا مشکل اور اتنا اوق کام ہے کہ بجز انبیاء و رسل انسانی اخلاق کو تعمیری انداز میں ڈھالنا کسی کے بس کا روگ نہیں ہے انسان محض فلسفے سے‘ محض

باتیں کرنے سے ' محض تقریریں کرنے سے محض کتابیں لکھنے سے ' کسی سانچے میں نہیں ڈھلتا اس کے ذریعے اس کو بگاڑا جا سکتا ہے ' مگر سنوارا نہیں جا سکتا۔

فرمایا۔ فیض نبوت = اہل کتاب سب تو ایک جیسے نہیں ہوتے بلکہ انہی میں سے بھی ایک جماعت ایسی ہے جس نے دین حق کو قبول کیا ہے اور اس کا اثر انکے کردار پہ ظاہر ہے کہ ان کی راتیں کلام الٰہی سے مزین اور نوافل و سجود سے منور ہیں انہیں اللہ پر کامل ایمان نصیب ہوا وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں ' اور برائی سے منع کرتے ہیں ' اور خود نیکی کی طرف لپکتے ہیں اور وہ صالحین میں سے ہیں۔ گویا یہ وضاحت فرمادی ' کہ مانع برکات صرف کفر ہے اگر کفر کی دیوار ڈھے جائے ' اور ایمان کی حلاوت نصیب ہو ' تو ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق خیر و فلاح حاصل کر سکتا ہے۔

فرمایا۔ نبی کی شان = انبیاء و رسل جب معبوث ہوتے ہیں ' تو جس شخص کو بھی ایمان نصیب ہوتا ہے وہ معیاری اور مثالی انسان ہوتا ہے اور یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اس کے بنانے اور ڈھالنے میں کوئی وقت نہیں لگتا ' ایمان لاتے ہی انسان بدل جاتا ہے۔ تمام انبیاء و رسل کے حالات جو قرآن کریم میں ارشاد ہوئے ہیں انہیں دیکھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات کو خصوصی طور پر دیکھیں آپ دیکھیں گے کہ عرب کے معاشرے میں انتہائے مقصود ذاتی شہرت تھی ' یا ہوس اقتدار یا دولت یا لذائذ میں گرفتار معاشرت تھی ' اپنی ذات کے علاوہ انہیں کچھ نظر نہیں آتا تھا سونا جاگنا اٹھنا بیٹھنا ان کا اس لئے تھا کہ مجھے پیسہ ملے اقتدار میرا ہو ' شہرت میری ہو ' ناموری میری ہو ' اور جس قدر رذائل انسانی عادات کے پہلو میں شمار کئے جا سکتے ہیں شاید ہی کبھی کسی پورے معاشرے میں بیک وقت موجود ہوں ' جتنے اس وقت روئے زمین پر تھے ظلم کو ' جور و جفا کو بہادری سمجھا جاتا تھا لوٹ مار کو لوگ حق سمجھتے تھے بدکاری کو گناہ نہیں سمجھا جاتا تھا۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ انہیں حالات و واقعات میں جس شخص کو ایمان نصیب ہوتا ہے اسی آن اسی لمحے ' اسی وقت ' وہ شخص اس کی سوچ ' اس کا ارادہ ' اس کی آرزو ' اس کی خواہش تک بدل جاتی ہے ' اس کا قلب بدل جاتا ہے ' اس کا قالب بدل جاتا ہے اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین میں سے

کوئی ایک صحابیؓ اگر دوسرے کسی ملک میں چلا بھی جاتا تو وہ پہچانا جاتا تھا' اپنی نشست و برخاست سے اپنے لباس سے' اپنی شکل سے' اپنے بات کرنے کے انداز سے۔ ہر چیز میں یعنی ایسی تبدیلی آگئی تھی ہر دیکھنے والا یہ کہہ دیتا تھا کہ یہ شخص حضور اکرم ﷺ سے متعلق ہے اور پھر کمال یہ ہے کہ نئے افراد نہیں آئے' نئے افراد نہیں بنائے گئے' اسی معاشرے سے وہی افراد پکڑ کر اخلاقی اعتبار سے بھی اس بلندی پر پہنچائے گئے' جہاں تک انبیاء علیہما السلام کے بعد کوئی انسان پہنچ سکتا ہے۔

فرمایا۔ عشق نبوی = دنیا کے معاملات کو تو ہم نے اپنی ضرورت کے مطابق کرنا ہے' لیکن کرنے کا طریقہ وہ ہو جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے تعلیم فرمایا تو وہ دین ہو جائے گا پھر اس میں صرف حصول رزق نہیں ہوگا' بلکہ حصول رزق حلال فرض عین ہے بشرطیکہ وہ ناجائز طریقے سے نہ ہو' تو گویا مزدوری کرنے والا' نوکری کرنے والا' کھیتی باڑی کرنے والا' دکان پر بیٹھنے والا بھی عبادت کر رہا ہے اور یا پھر عبادت بھی دنیا بن جاتی ہے اگر اس سے مقصود حصول رضائے الٰہی نہ ہو' تو پھر سجدے اور عبادتیں بھی دنیا بن جاتی ہیں' اب اس بات پر ضرور توجہ کیجئے' کہ جو کوئی مجاہدے ریاضت کو' عظمت الٰہی کے اور اللہ کی رضا کے حصول کے علاوہ ذاتی شہرت دنیوی مفادات چندے جمع کرنے اور پیر صاحب کہلانے کے لئے استعمال کرتا ہے وہ کس نتیجے پر پہنچے گا۔ اللہ کریم اپنی معرفت عطا فرمائے کہ ہم اس کی عظمت کو قلب صمیم سے دل کی گہرائیوں سے قبول کریں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت اور عشق عطا فرمائے۔

اور یاد رکھیں یہ محبت و عشق کیا ہوتا ہے' یہ ایک جنون اور پاگل پن ہوتا ہے' بے وقوفی ہوتی ہے یہ عقل مندی کی بات نہیں ہوتی یہ اتنی بڑی بے وقوفی ہوتی ہے کہ آدمی اپنی باگ ڈور کسی دوسرے کے ہاتھ میں دے دے عزت ہوتی ہے یا بے عزتی' کوئی طعنے دیتا ہے' یا کوئی نام بگاڑتا ہے کوئی باتیں کرتا ہے' تو جو کوئی جس کا جی چاہے' کرتا رہے' میری باگ ڈور میرے نبی علیہ السلام کے ہاتھ میں ہے' یہ نبی علیہ السلام کا عشق ہے' یہ ہے محبت' اور زبانی نعتیں پڑھتے رہنا اور دعوے محبت کے کرتے رہنا اور عملاً" اپنی باگ ڈور اپنے نفس کے ہاتھ میں ہو یا لوگوں کے ہاتھ میں ہو' کیا کہتے ہیں' وہ کیا کرتا ہے' تو یہ پھر فریب ہے' اس کی سزا بہت

کڑی ہے شاید اللہ کی عبادت میں ہم جو رولا ڈال دیتے ہیں وہ کریم ہے' معاف کردے' لیکن نبی علیہ السلام کے ساتھ یہ مذاق جس نے بھی کیا اس کی معافی کی گنجائش نہیں ہے۔

فرمایا۔ برکات نبوت = تعلیمات کے لئے جس طرح ہمیں اداروں اور اساتذہ اور جس طرح معروف حضرات کی خدمت میں حاضر ہونا پڑتا ہے' محنت اور مجاہدہ کرنا پڑتا ہے اس طرح حصول برکات کے حاملین برکات کے پاس ان کی خدمت میں حاضر ہونا پڑتا ہے' مجاہدہ کرنا پڑتا ہے' محنت کرنی پڑتی ہے اور یہ جو خانقاہیں یا ہمارے ہاں تصوف کے ادارے جو چلے آرہے ہیں' ان سب کا مقصد اور ان سب کا دائرہ عمل یہی ہوتا ہے کہ برکات نبوی ﷺ حاصل ہو جائیں۔

فرمایا۔ طلب و برکات نبوت = حضور اکرم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے سورۃ القصص میں ارشاد ہوتا ہے کہ رب جلیل نے ہدایت اور دین کو قبول کرنے کا فیصلہ ہر شخص کو ذاتی طور پر کرنے کا حق دیا ہے۔ آپ ﷺ بھی اگر چاہیں' تو دوسرے کے حق میں فیصلہ نہیں فرما سکتے ہاں آپ ﷺ اس کو میری بات بتا سکتے ہیں' میری صفات بتا سکتے ہیں' میری ذات کے بارے مطلع کر سکتے ہیں' میرا راستہ دکھا سکتے ہیں' بھلائی اور برائی بتا سکتے ہیں' دعوت دینا یہ آپ ﷺ کا کام ہے لیکن قبول وہ فیصلے اپنے سے ہی کرے گا' آپ ﷺ کے فیصلے سے نہیں۔ انک لا تھدی من احببت۔ ایسا ممکن نہیں ہے۔ آپ ﷺ جسے چاہیں ہدایت دے دیں یہ آپ ﷺ کا فریضہ نہیں ہے' ولکن اللہ یھدی من یشاء۔ اللہ جسے چاہتا ہے' اسے ہدایت فرماتا ہے۔

فرمایا۔ آداب نبوی ﷺ = کسی مجنون کی یہ جرات نہیں ہے کہ اس بارگاہ میں کھڑا ہو کر اپنا گریباں پھاڑ دے یا اپنی حدود سے گزر جائے' اگر کوئی ایسا کرے گا تو وہ یہ دیکھ لے گا' کہ حساب کرنے والا کتنا سخت ہے یہ تاریخ کا ایک حصہ ہے کہ جس نے کسی نبی علیہ السلام کی توہین کی اسے توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوئی نہ تب ہوتی تھی اور نہ اب ہوتی ہے۔ اب بھی ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو باتوں باتوں میں گستاخی کر جاتے ہیں بحث مباحثے میں گستاخی کر جاتے ہیں انہیں پھر زندگی بھر توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی' یہ جرم ہی ایسا ہے۔

فرمایا۔ تعلیمات نبوت = اور تیسری بات یہ ہے واعلم ان اللہ ما لا تعلمون۔

کہ بحیثیت نبی کے میں وہ حقائق جانتا ہوں اللہ کی طرف سے' جن حقائق کی تم خبر نہیں رکھتے۔ نبی علیہ السلام کے پاس وہ علوم اور حقائق اور وہ باتیں ہوتی ہیں جن کو جاننے کے لئے امت محتاج ہوتی ہے' انبیاء علیہ السلام کے' اللہ کی ذات کے بارے' اخروی زندگی کے بارے' روح کے بارے' ثواب و عذاب کے بارے' فرشتوں کے بارے' یہ ساری باتیں صرف اور صرف اللہ کا نبی علیہ السلام یا اللہ کا رسول ﷺ ہی بتا سکتا ہے' انہی کے بتانے سے امتی یا ہم جان سکتے ہیں' اس کے علاوہ تو ہمارے پاس کوئی راستہ نہیں ہے لیکن فرمایا یاد رکھو نبی علیہ السلام اپنی طرف سے تو کچھ نہیں کہتا' اس لئے نبی علیہ السلام کی بات کو اس انداز سے نہ لو کہ عام انسان کا مشورہ ہے' پھر مزید مشورہ حاصل کرلیں گے' بہتر ہے یا نہیں بلکہ جو کچھ نبی علیہ السلام فرماتا ہے' وہ اللہ کا حکم ہوتا ہے' اس پر مشورے کی گنجائش نہیں ہوتی' اس میں تو سننے اور ماننے کی بات ہوتی ہے دوسری یہ یقینی بات ہوتی ہے کہ نبی علیہ السلام جو حکم دیتا ہے اس میں امت کے فائدے کی بات ہوتی ہے' کبھی اس میں نقصان کی بات نہیں ہوتی۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ اگر ساری امت بھی مل کر مشورہ کرے' تو اس بات کی حقیقت کو نہیں پاسکتی چونکہ امت کے علوم ان باتوں تک نہیں پہنچ سکتے' جو باتیں نبی علیہ السلام جانتے ہیں جو علوم انبیاء کو عطا کئے ہیں' جو کچھ نور نبوت سے دیکھتے ہیں' ساری امت بھی بیٹھ کر مشورے کرنے لگے' تو جب تک ان حقائق تک رسائی ہی نہیں' ان کی نگاہ نہیں پہنچتی' ان کی سمجھ ہی نہیں پہنچتی' تو اس کے بارے میں وہ کیا مشورہ دیں گے تو امتی کے لئے بہترین راستہ ہے کہ وہ اپنی ساری توانائی اس بات پر صرف کردے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اسے کیا حکم دیا ہے۔ ہاں اس بات کی تحقیق کرنا ضروری ہے کہ جو بات ہمیں پہنچائی جارہی ہے' کیا یہ واقعی نبی کریم ﷺ کا حکم ہے یا محض آپ ﷺ کے نام پر کوئی دوسرا اپنی طرف سے کوئی بات کہہ رہا ہے' اس کی تحقیق کرنا ضروری ہے' لیکن جب یہ تحقیق ہوجائے جو کچھ کہا جارہا ہے' یہ حکم ہے اللہ کے رسول ﷺ کا' تو اس میں مزید مشورے کی گنجائش نہیں رہتی۔ تمام انسانیت کے لئے اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ' بہتری کا' فلاح کا' یا نجات کا' یا فائدے کا باقی نہ رہا اب وہ اپنی ساری توانائیاں' اپنی ساری انرجی' اپنی ساری قوت' اس بات پہ صرف کردے کہ جو حکم اللہ کے رسول ﷺ نے ہم تک پہنچا دیا ہے' ہم اپنی پوری طاقت سے اس پر

عمل کرنے کی کوشش کریں۔

فرمایا۔ اتباع نبوی = ہر طالب پیغمبر کے ایک ایک انداز کو تلاش کرتا ہے اٹھنے بیٹھنے سونے جاگنے کے انداز تلاش کرتا ہے کھانے پینے کے اطوار کو تلاش کرتا ہے یاد رکھیں اتباع واجب کا واجب سنت کا سنت اور فرض کا فرض ہے لیکن طالب کے لئے عادات کا اتباع ضروری ہو جاتا ہے عبادات سے بڑھ کر عادات کو اپنایا جا رہا ہے' مزاج انسانی ہے آپ دیکھ لیں جو شخص محض یورپ کو مہذب سمجھتے ہیں کیا وہ اپنا حلیہ یورپین کی طرح نہیں رکھتے کیا وہ جانتے ہیں کہ یورپ والے ہر ہر شخص کے گھر میں دیکھ رہے ہیں وہ دیکھیں یا نہ دیکھیں یہ اپنی طرح سے ان پر فدا ہیں ان جیسے حلیے بنائے ہوئے ہیں اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا حلیہ بنایا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اس کی اطلاع منجانب اللہ کی جاتی ہے جو بے خبر ہیں ان جیسا رہنا چاہ رہے ہو اور جو باخبر ہے ان کے حلیے کو ترک کرنا چاہ رہے ہو۔

فرمایا۔ برکات نبوت = ہمیشہ ہر نبی علیہ السلام دو چیزیں لاتا ہے ایک تو نبی علیہ السلام تعلیمات لاتا ہے اللہ جل شانہ کی طرف سے اور دوسری ہوتی ہیں کیفیات و برکات۔ ہر نبی علیہ السلام میں یہ طاقت ہوتی ہے اور ہر نبی علیہ السلام میں یہ کمال ہوتا ہے کہ جو بھی اس کے ساتھ ایمان لائے' اس کا دل بدل جائے' اس کے دل کا تزکیہ ہو جائے اور اس کے دل میں اللہ جل شانہ کی خشیت جو محبت کا حاصل ہوتی ہے پیدا ہو جائے۔

فرمایا۔ وحی کا مطلب = انبیاء علیہما السلام کے خواب میری اور آپ کی طرح نہیں ہوتے' نبی جو خواب دیکھتا ہے' وہ وحی الٰہی ہوتا ہے تو گویا اللہ کریم حکم دے رہے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس بیٹے کو میرے نام پر ذبح کر دو اب اس بات کا مشورہ کس سے کریں تو اسرار الٰہیہ کو اور جو باتیں اللہ کی طرف سے نازل ہوتی ہیں ان کو سمجھنے کی استعداد بھی انہی کو ہوتی ہے جن پر وہ نازل ہوتی ہیں۔

فرمایا۔ اتباع نبوی = انبیاء علیہما السلام جب معبوث ہوتے ہیں تو ان کے پاس دو نعمتیں اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں ایک وہ علم جو اللہ انہیں عطا فرماتا ہے' اپنی ذات کے متعلق' اپنی صفات کے متعلق' دنیا سے بعد آنے والے عالم کے متعلق انسان اور رب کے تعلقات کے متعلق یہ ساری باتیں انبیاء علیہما السلام کے علوم سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کی رسالت سے

اللہ کی مخلوق تک پہنچتی ہیں' دوسرا کمال انبیاء علیہما السلام کے پاس برکات اور کیفیات کا ہوتا ہے' ان کے قلوب مظہر ہوتے ہیں' تجلیات باری کے' مہبط ہوتے ہیں کلام باری کے لہذا جو کوئی ایمان لا کر ان کی مجلس میں پہنچتا ہے تو ان کے سینے کے انوارات کو اپنے سینے میں انڈیلنے والا ماننے کی حد سے بہت آگے نکل جاتا ہے' وہ ایک حد تک مجبور و بے بس ہو جاتا ہے۔

فرمایا۔ مجاہدات و نبوت = حضرت موسیٰ علیہ السلام پر سب سے زیادہ زبان درازیاں بنی اسرائیل نے کیں تو ایک روز انہوں نے دعا کی بارالہا! تو قادر ہے مجھے بنی اسرائیل کی زبانوں سے نجات دلا دے ان کی زبان درازیوں سے تو مجھے بچالے۔ فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام طعن کرنے والوں کی زبان تو میں نے اپنی ذات پر بند نہیں کی میں نے کبھی کسی کی زبان پر تالا نہیں لگایا کہ وہ میری شان میں گستاخی کر رہا ہے کس نے کیا سوچا ہے اور کس نے کیا کہا تیرے ساتھ بھی جو کوئی کرتا ہے اسی وقت بات ہوگی' جب میں اپنے بارے پوچھوں گا تو تیرے بارے میں بھی پوچھوں گا۔

فرمایا۔ اتباع نبوی = قران حکیم نے آقائے نامدار حضرت محمد رسول ﷺ کی ذات و صفات کو کئی انداز میں ارشاد فرمایا آپ ﷺ کی بے شمار خصوصیات اور صفات ہیں۔ ان اوصاف اور ان خصوصیات کو جن کا تعلق فرائض نبوت سے ہے متعدد بار بیان کیا گیا ہے فرائض نبوت کی اساس اور بنیاد خالق اور اس کے بندوں کے درمیان تعلق ہے۔ آج کل کی مصیبت یہ ہے کہ ہم مذہب کو بھی دنیوی نفع و نقصان کے حوالے سے پہچاننا چاہتے ہیں آج کا انسان یہ چاہتا ہے کہ ایسا مذہب اختیار کرے جس میں اسے دنیوی مفاد حاصل ہو یا شکوہ یہ ہوتا ہے کہ نماز بھی پڑھتا ہوں تلاوت بھی کرتا ہوں زکوۃ بھی دیتا ہوں لیکن کاروبار میں نقصان ہو گیا بیٹا بیمار ہے فلاں کام نہیں ہوتا اور یہ تصور یا طرز فکر یا سوچ غیر اسلامی ہے۔

فرمایا۔ حیات النبی = نہ تو نبی کے فرائض میں ہے کہ ہر لمحہ ہر آن ہر جگہ موجود ہو' اس لئے اس پر اصرار کرنے کی ضرورت کیا ہے اور نہ نبی کے اوصاف کا یہ تقاضا ہے۔ ہاں کسی لمحے ایک بات نہیں ساری کائنات منکشف کر دے' تو سب سے زیادہ جو علوم غیب پر جس کو اطلاع دی ہے وہ ہے آقائے نامدار ﷺ۔ کسی لمحے ساری کائنات کے اعمال منکشف ہو جائیں اللہ کی مرضی لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ ﷺ ہر لمحہ ہر جگہ ہر شے کو

دیکھ رہے ہوں' یہ خاصہ خداوندی ہے۔ لہٰذا یہاں سے یوں مراد لینا جو ہے وہ بھی حقیقت کے خلاف کھینچا تانی کرنے والی بات ہے اور انتہا پسندی ہے خواہ مخواہ ایک بات کو انتہا تک لے جانا۔

اب دوسری سمت کہ جی جو فوت ہو گئے' وہ ختم ہو گئے' بات یہ بھی درست۔ نہیں ہے نبی اور رسول ہیں محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نام ہے اللہ کے ایک کامل انسان کا جو وجود اور روح دونوں سے مل کر بنا ہے اگر آپ روح اطہر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا الگ سے ذکر کریں تو آپ روح اطہر کو روح محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو کہیں گے مگر صرف روح کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں کہیں گے اور آپ اگر بدن اطہر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جسم کا ذکر کرتے ہیں تو اسے بدن یا جسم محمدی تو کہیں گے لیکن اس اکیلے بدن اطہر کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں کہیں گے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جسم اور روح سے مل کر بننے والے کامل انسان کو ہی کہیں گے اور وہ کامل انسان ہی نبی علیہ السلام ہے اگر جسم الگ ہو گیا' روح الگ ہو گئی تو نبوت کس کے حصے میں آئی' روح کے یا بدن کے۔ تو پھر آپ کا کلمہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحیح نہیں رہے گا پھر تو روح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا جسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے جس کے حصے میں نبوت و رسالت آئی تو وہ اس ایک کو پھر کلمہ اطہر میں لائیں گے کلمہ شریف میں لائیں گے' کلمہ اسلام میں لائیں گے کلمہ تو اس طرح تو نہیں بدلا۔ نہ پھر یہ کہا گیا کہ کان محمد کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول تھے یہ بھی بات نہیں۔ اب بھی ہیں تو اگر اب بھی نبی ہیں تو اس کا مطلب ہے کامل و اکمل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی پوری شان کے ساتھ اپنے مقام اپنی جگہ پر اب بھی موجود ہیں' جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیات دنیوی میں مدینہ منورہ میں تشریف رکھتے تھے تو جہاں تک کلمہ اسلام تھا یہی تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دنیا سے پردہ فرما گئے تو پوری کائنات پر جب تک اسلام پھیلا کلمہ اسلام یہی تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں گویا موت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح اور جسم کے ملنے کے لئے تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس شان کو موت نے متاثر نہیں کیا۔

فرمایا۔ استعداد و نبوت = اب ہوتا یہ ہے کہ لوگوں میں فطری استعدادات مختلف ہوتی ہیں' کسی شخص کا مزاج علمی ہوتا ہے کسی شخص کا مزاج مدنی ہوتا ہے' لوگوں میں مل کر رہنے کا سلیقہ اسے آتا ہے' دوست دشمن بنانے کا اسے طریقہ آتا ہے' کس کا مزاج حاکمانہ ہوتا ہے' وہ

جرنیلوں کی طرح زندگی گزارتا ہے' اسے حکومت کرنے کا' لوگوں سے بات منوانے کا ڈھنگ آتا ہے تو جب یہ لوگ صحابی بنتے ہیں تو جو وصف ان کے اندر تھا وہ اپنی انتہائے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ پھر آپ دیکھتے ہیں علوم میں بھی تہذیب میں بھی اور سیاسیات میں بھی آج تک کائنات انکی طرف نگاہ کرتی ہوئی نظر آتی ہے یعنی انہوں نے یہ سب کچھ سیکھا نہیں ہے ریوڑ چھوڑ کر اونٹوں کے گلے چھوڑ کر بھیڑوں اور بکریوں کے ریوڑ چھوڑ کر آئے اور انبیاء علیھما السلام کے بعد بہترین انسان بن گئے۔

فرمایا۔ گناہ و توبہ = تمام عبادات کا حاصل یہی یقین ہے آخرت کا۔ جس طرح بدر کا حاصل یہ تھا کہ ایک مزاج ان کا بن جائے گا کہ یہ وہی کام کرتے تھے' جو اللہ کو پسند ہوتا تھا دوسرا خود انہیں بھی پسند نہیں آتا تھا' وہ کرنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ عبادات کا حاصل بھی یہ ہے جس طرح ایک حج یا ایک عمرہ زندگی بھر کے گناہوں کو معاف کرادیتا ہے' اسکا حاصل یہ ہے کہ آدمی کا گناہ کرنے کو جی نہیں چاہتا' اس کا گناہ جو ہے' جس طرح زخم بھر جاتا ہے تو وہ جگہ زیادہ نازک ہوتی ہے بمقابلہ جسم کے دوسرے حصے کے اگر اسی جگہ کو چھیڑا جائے تو زیادہ حساس ثابت ہوتی ہے زیادہ درد ہوتا ہے اسی طرح جب گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو گناہ کی طرف پلٹنا دشوار ہو جاتا ہے درد جب ہوتا ہے تو واپس نہیں جاتا لیکن اگر وہ ایک پراسس سے گزرا اور اس کی زندگی میں کوئی مثبت تبدیلی نہیں آئی اس کی سوچ میں کوئی مثبت تبدیلی نہیں آئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے توبہ نہیں کی۔

فرمایا۔ ضرورت نبوت = فقد هدی الی صراط المستقیم۔ تو جو بھی چمٹ گیا' وہ اسی طرح ہدایت پا گیا اسے اللہ کی رہنمائی نصیب ہو گئی زمانے کی تبدیلی کے اثرات تو ہوں گے چونکہ حضور ﷺ جسم اور روح اطہر کے سمیت دنیا میں جلوہ افروز تھے تو سامنے آنے والا صحابی رضی اللہ عنہ بن جاتا تھا اب ہم اس عالم میں ہیں حضور ﷺ اس عالم میں ہیں' تو عالم کی تبدیلی کا اثر تو اپنی جگہ ہو گا روضہ اطہر پر حاضر ہونے والا صحابی رضی اللہ عنہ تو نہیں بنے گا اس لئے کہ ایک عالم کا درمیان میں فرق ضرور ہے لیکن فرق عالم کی تبدیلی کا ہے آپ ﷺ کی ذات میں تبدیلی نہیں آئی اور حضور ﷺ وہی نبی اور رسول ﷺ ہیں اگرچہ اب صحابی رضی اللہ عنہ تو نہیں بنے گا لیکن ہدایت کا اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ پا

سکتا ہے۔

فرمایا۔ عظمت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی تعلیمات انتہائی قیمتی ہیں آپ ﷺ کے ارشادات بے مثل اور بے مثال ہیں لیکن یاد رکھیں یہ ساری چیزیں انہی لوگوں کو سرفراز کر سکیں جنہوں نے آپ ﷺ کی صحبت کو اختیار کیا تعلیمات اور ارشادات تو عام ہوتے تھے حضور ﷺ کے ہر کوئی سنتا تھا لیکن جس نے آپ ﷺ کی صحبت کو قبول نہ کیا اسے آپ ﷺ کے ارشادات مستفید نہ کر سکے۔ اور جنہوں نے اسلام قبول کیا ان میں جتنی جتنی طلب بڑھتی گئی' اتنا اتنا انعام بھی بڑھتا گیا حتیٰ کہ پوری امت میں جتنی طلب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں پائی گئی وہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوئی اور پھر ایسا وقت بھی آیا کہ حضور اکرم ﷺ سفر ہجرت میں پوری خدائی سے کٹ کر ایک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر چلتے ہیں' اور اثنائے راہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو کندھے پر سوار کیا گویا پوری کائنات میں حضور ﷺ تک پہنچنے کے لئے ایک وقت میں صرف ایک وسیلہ تھا اور وہ تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پھر تین دن رات غار ثور میں اس ہستی کی توجہ اس اکیلے شخص کو نصیب ہوئی جو پوری کائنات کو منور کرنے کی استعداد لے کر مبعوث ہوا تھا۔

فرمایا۔ اتباع نبوی = یعنی تعمیر میں صرف تعمیر ہی نہیں ہوتی' تعمیر میں ایک ترتیب ایک حسن ایک انداز جو اس تعمیر کو بھی خوب صورتی اور حسن عطا کر دے' وہ ضروری ہوتا ہے اور یہی حسن تعمیر ہے آداب واخلاقیات عبادات کے اوقات اور ان کی تمیز اور کام کے کرنے کا ایک وقت اور سلیقہ ایک انداز' یعنی ہر انداز میں اتباع محمد رسول اللہ ﷺ ہی تعمیر انسانیت کا ایک معیار ہے۔

فرمایا۔ اتباع نبوی کا ثمر = لیکن رسول کا یہ منصب ہوتا ہے ثم یحکموک فیما شجر بینھم۔ کہ کوئی بھی دو مسلمان مرد ہوں یا عورت کوئی بات آجائے تو اس میں فیصلہ تسلیم کریں رسول اللہ ﷺ کا۔ ثم لا تجدوافی انفسھم حرجا بمن قضیت۔ پھر زبان سے اظہار کرنا تو دور کی بات ہے ان کے دل میں بھی تیرے فیصلے کے خلاف کوئی صدائے احتجاج بلند نہ ہو' کسی کے دل میں بھی یہ بات نہ آئے کہ میرے رسول

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کیوں کہا اگر یہ کیوں زبان پر نہ آئی' دل پر آگئی' تو بھی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کا حق جاتا رہا۔

فرمایا۔ حیات النبی = اگر روح اطہر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جسم اطہر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے الگ رکھا جائے اور وہ اپنے مقام سے کمتر جگہ جائے' خواہ اسے عرش پر ہی بٹھا دیا جائے۔ یہ تو قانون ہی نہیں ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو حیات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا جاتا ہے اسکا مقصد یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے اس عالم سے اپنا وہ مقررہ وقت جو اللہ نے معین فرمایا تھا پورا کرکے تشریف لے جاچکے عالم برزخ میں داخلے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وجود اطہر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ روح اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی تعلق نہ ہو۔ وہ تو شہید کا بھی بدن کے ساتھ تعلق ہے' تو روضہ اطہر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر قبر مبارک کے اندر جسم اطہر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح ہے اور اس میں روح اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح سے مکیں ہے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیات دنیوی میں چشم عالم کے سامنے جلوہ افروز تھے اس کو حیات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا جاتا ہے اور یہی حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

باب۔12

قرآن

فرمایا۔ قرآن کا طرز خطاب = اللہ تعالیٰ نے جس قدر احسانات ہم پر کیے ہیں' وہ شمار میں نہیں لائے جاسکتے مگرانسب احسانات میں جو بہت بڑا ہے وہ نبی کریم علیہ التحیتہ والتسلیم کی بعثت ہے کہ جس رحمت مجسم ﷺ کے طفیل انسانیت کو براہ راست مکالمہ باری کا شرف نصیب ہوا' اور اللہ کا کلام سننے اور سمجھنے کی سعادت نصیب ہوئی سو باری تعالیٰ کے کلام میں جس قدر خطابات ہیں' ان کو بنیادی طور پر تین اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے پہلا طرز کلام ہے یایھا الناس۔ اس میں عموم ہے' سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت ہے اور اس کے ساتھ دلائل ہیں اور نتائج کی خبر بھی ہے مگربات ٹھونسی نہیں جارہی۔

اس کے ساتھ دوسرا طرز خطاب اس شخص یا ان اشخاص کو ہے' جو یہ پیغام حیات قبول نہیں کرتے' جنہیں اصطلاح شریعت میں کافر کا نام دیا گیا ہے' جب بات کافر کی آتی ہے تو خطاب ہوتا ہے یایھا الکافرون۔ ان الفاظ میں رعد کی گرج ہے ان کے مابعد کے الفاظ کو دیکھیں تو سخت ناراضگی بلکہ ایک طرح سے بالکل علیحدگی کا احساس ہو رہا ہے۔

تیسرا طرز خطاب ان حضرات کو ہے' جنہوں نے اس پیغام حق کو قبول کرنے کی سعادت حاصل کی' اس طرز خطاب میں ایک لطف ہے' لذت ہے' رحمت و شفقت کا ایک بے پایاں سمندر موجزن ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ ہر اس شخص کو براہ راست خطاب ہے جو ایمان لایا۔

فرمایا۔ یہ کتاب قرآن کتاب ایسی ہے کہ اس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی لیکن اس کا یہ کمال ہے کہ اس کا پیغام عام بندے کی سمجھ میں آتا ہے۔ فصلت۔ اپنی باتیں کھول کر رکھ دیتی ہے کچھ نہیں چھپاتی' اس لئے کہ من لدن حکیم خبیر ا○۔ اس لئے کہ یہ کتاب اس ذات کی طرف سے ہے' جو حکیم بھی ہے۔ اور خبیر بھی ہے۔ ہر ایک کی استعداد' اس کی سمجھ' اس کی ضرورت کو جانتا ہے اس لئے اس نے اپنی اس کتاب میں یہ کمال رکھا ہے کہ بہت پائے کا کوئی محقق پڑھتا ہے تو وہ اپنی سطح پر اس بات کو سمجھ رہا ہوتا ہے اور اگر ایک ان پڑھ سنتا ہے وہ اپنی سطح پر اس کو سمجھ رہا ہوتا ہے' لیکن سمجھ دونوں رہے ہوتے ہیں۔

فرمایا۔ تحفظ قرآن = ان نحن نزلنا الذکر۔ ہم نے یہ قرآن خود نازل کیا ہے وانا لہ لحافظون تو اس سے مراد یہ ہے کہ یہ حفاظت نزول قرآن کے بعد اس کو حاصل ہے' نزول سے پہلے لوح محفوظ میں تو اسے کوئی خطرہ نہیں' علم الٰہی میں تو اسے کوئی خطرہ نہیں' تو حفاظت کی بات نزول کے بعد کی جارہی ہے۔ اب نزول کے بعد اگر حفاظت ہوگی تو صرف الفاظ کی نہیں ہوگی بلکہ الفاظ کی ہوگی' معانی کی ہوگی اور ایسے افراد کی ہوگی' جن کے سینوں میں' جن کے دلوں میں' جن کی زبانوں پر قرآن موجود رہے گا یعنی نزول کے بعد اب اگر دنیا میں کوئی شخص قرآن کو صحیح سمجھنے والا نہیں رہتا تو قرآن کی حفاظت کا کیا معنی رہا اگر روئے زمین پر اللہ کا کوئی بندہ قرآن کو صحیح سمجھنے والا نہ رہے تو قرآن کا کیا فائدہ رہا اگر معانی و مفاہیم کھو گئے تو اس کا مطلب ہے قالب رہ گیا' الفاظ رہ گئے عربی کے' ان میں جو منشا باری تھا وہ گم ہو گیا' تو حفاظت کس کی ہوگی۔ اب کوئی دعویٰ کرے کہ منشائے باری وہ سمجھ سکتا ہے' قیمتی چیز تو وہی ہے' تو صرف الفاظ کے لئے نبی علیہ السلام کی ضرورت کیا رہ گئی دراصل یہ الفاظ یہ امین ہیں منشائے باری کے اگر کوئی شخص نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے الگ ہو کر خود منشائے باری سمجھ سکتا ہے تو پھر قرآن اسی پہ نازل ہونا چاہئے آپ جس کو مغز دیتے ہیں' اس سے چھلکا بچانے کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ نے اگر کسی کو مغز دے دیا ہے' تو قیمتی چیز مغز ہی ہوتا ہے' تو الفاظ تو وہ چھلکا ہیں' جن میں وہ مغز بند ہے تو یہ عجیب منطق ہے کہ کوئی یہ کہتا ہے کہ صرف الفاظ تو حضور ﷺ پر نازل ہوئے اور مغز ہمیں خود مل گیا' تو یہ منطق درست نہیں اس لئے حفاظت قرآن سے مطلب' الفاظ و معانی و عالم' و عامل سب کی حفاظت مراد ہیں۔

فرمایا۔ قرآن میں اللہ کریم نے انسانوں کی دو اقسام ارشاد فرما دیں۔مومن اور کافر' منافق بھی کافر ہی کی ایک قسم ہے گویا انسانوں کی تقسیم رنگ و نسل یا وطن پر نہیں بلکہ اصل تقسیم دین و مذہب کی بنیاد پر ہے جسے عام طور پر دو قومی نظریہ کہا جاتا ہے حقیقتاً یہی منشاء قرآن ہے جب بات یہاں تک ہو چکی ہے تو قرآنی دعوت شروع ہوئی کہ اے آدم اس میں مومن اور کافر سب شامل ہیں' کافر کے لئے دعوت ایمان ہے تو مومن کے لئے دعوت عمل کہ اے لوگو عبادت کرو اپنے رب کی یہاں اللہ تعالیٰ کے اسم ذات کی جگہ اس کی صفت رب استعمال ہوا ہے' رب اسے کہتے ہیں جو ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت ہر جگہ پوری کرے اور عبادت کی حقیقت اطاعت ہے۔

فرمایا۔ قرآن کی تلاوت = اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ اگر معانی و مفاہیم ازبر نہ ہوں یا سمجھ نہ آتی ہو تو آدمی تلاوت نہ کرے بلکہ تلاوت کتاب کا ایک مستقل اثر یہ ہے کہ ایمان میں پختگی آتی ہے اور اس کے سبب عبادات پر طبیعت مائل ہو جاتی ہے۔ عبادت کی شرط ایمان ہے جتنا کسی کا پختہ یقین ہوگا آخرت پر' اتنے ہی خلوص اور اتنے ہی لگن کے ساتھ وہ رکوع سجود کرے گا اور اگر آخرت پر یقین میں کمی واقع ہو جائے تو رسم رہ جاتی ہے' عبادت نہیں رہتی۔ آدمی نماز بھی پڑھے روزہ بھی رکھے' رکوع و سجود بھی کرے تو محض ایک رسم کی پیروی کرتا ہے کوئی اثر اس پر نہیں ہوتا' اللہ تعالیٰ نے اس تلاوت کتاب کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے اتل ما اوحی الیک من الکتاب واقم الصلوۃ۔ کتاب کا یہ اثر ظاہر ہے کہ اس آیت کریمہ سے کہ اسی سے قیام صلوۃ یعنی ادائے عبادات میں مدد ملتی ہے اور عبادت کی پہچان یہ ہے کہ وہ بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

فرمایا۔ قرآن = ہدایت تو اسے نصیب ہوگی جو عظمت باری کا کوئی شمہ پالے گا تو اس کی جلالت کے سامنے اپنے کوشئے محض دیکھ کر ہیبت الٰہی سے اس کا دل لرز اٹھے گا' یہ حالت یقیناً ایک طلب پیدا کر دے گی کہ اب میں کیا کروں کہ یہ عظیم ذات مجھ پہ خفا نہ ہو اور اپنے دامان رحمت میں جگہ بخشے۔ تلاوت کتاب بجائے خود ایک ایسا کام ہے جو مامور من اللہ ہے اللہ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے۔ دور حاضرہ کا ایک فتنہ یہ بھی ہے کہ کہا جاتا ہے کہ اگر قرآن حکیم سمجھ نہ آئے آدمی مفہوم کو نہ سمجھ سکے' تو پھر محض اسے پڑھنے کا فائدہ نہیں' کچھ حاصل

نہیں ہوتا لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ قرآن کریم میں متعدد دفعہ یہ حکم قرآن حکیم کی تلاوت بغیر کسی شرط کے موجود ہے اس کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے لے کر آج تک پوری امت مرحومہ کا اس پر عمل ہے اور تعامل جو ہوتی ہے یہ بہت بڑی دلیل ہوتی ہے آج تک صالحین نے تلاوت کے لئے یہ شرط عائد نہیں کی۔

فرمایا۔ تہجد = سنلقی علیک قولا ثقیلا۔ آپ ﷺ پر بہت بڑی ذمہ داری کا بوجھ پڑنے والا ہے' تو آپ ﷺ راتوں کو اٹھا کیجئے' تہجد ادا کریں' بے شک رات کا اٹھنا بہت دشوار تو ہے لیکن رات کی بات مزا دے جاتی ہے واقوم قیلا جب سکون ہو' خاموشی چھائی ہو' اور لوگ خواب غفلت میں ڈوب گئے ہوں' صرف وہ لوگ بیدار ہوں' جو اللہ سے اپنا حال کہہ رہے ہوں' تو انہیں حال دل کہنے کا ایک سازگار موقعہ اور موسم مل جاتا ہے۔ پھر دین میں صرف ایسی بات نہیں کہ آدمی یکسو ہو کر صرف نمازیں ادا کرتا رہے' بلکہ دن نام ہے عملی زندگی میں جہد مسلسل کا۔ یہ یاد رہے کہ عبادت دین کا بہت اعلیٰ شعبہ ہے اس لئے کہ یہاں بھی عبادت کو اللہ کی معیت' اللہ کی رحمت' مدد اور اللہ کی طاقت کے حصول کے لئے بطور شرط ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ پوری دنیائے کفر سے آپ ﷺ کا مقابلہ ہے' بہت بڑی ذمہ داری ہے تو آپ ﷺ کی طاقت' آپ ﷺ کا اسلحہ' آپ ﷺ کی اصل قوت کیا ہے؟ آپ ﷺ راتوں کو اٹھ کر اللہ سے باتیں کیجئے' اس قرآن کی تلاوت کیجئے' اس کی بارگاہ میں رکوع و سجود کیجئے' تاکہ زیادہ سے زیادہ تجلیات باری آپ ﷺ کے قلب اطہر کو میسر ہوں۔

فرمایا۔ آپ ﷺ نبیوں کے بھی امام ہیں' تو پھر آپ ﷺ کو یہ حکم کیوں دیا جا رہا ہے جو حکم براہ راست آپ ﷺ کو دیا جاتا ہے اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے اور کسی دوسرے کے لئے اس میں کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ اسے چھوڑ دے تو ارشاد ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ راتوں کو قیام کیجئے' اب اگرچہ تہجد فرض نہیں ہے' لیکن تہجد کی اہمیت کم نہیں ہوئی' اس لئے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے اس پر ہمیشہ مدامت اختیار فرمائی ایک صحابی آپ ﷺ کو وضو کروا رہے تھے' پانی ڈال رہے تھے' حضور ﷺ وضو فرما رہے تھے عرض کی! یا رسول اللہ ﷺ مجھے آپ ﷺ جنت میں اپنے ساتھ لے چلئے' یہ

بڑے عجیب لوگ تھے اور انہیں آخرت کا یقین کامل حاصل تھا' اس لئے جب بات ہوتی تھی تو آخرت مانگتے تھے حضور ﷺ نے فرمایا۔ اگر تم میرے ساتھ ساتھ جنت میں جانا چاہتے ہو تو کچھ مدد کرو میری' یا رسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ کی کیا مدد کر سکتا ہوں فرمایا۔ تہجد کو مستقل اختیار کرلو' تہجد مت چھوڑو' تو تہجد کی افادیت اپنی اصلاح کے لئے' اپنے دل کی نورانیت کے لئے اور باطل کے مقابلے کے لئے بدستور موجود ہے پھر اس میں گنجائش نہیں ہے۔

فرمایا۔ قم الیل الا قلیلا۔ راتوں کو قیام کیجئے' تھوڑی رات چھوڑ کر زیادہ وقت رات کا جو ہے وہ قیام میں بسر فرمایئے وانقص قلیلا اوزد علیہ۔ اپنی صورتحال کے مطابق یا سہولت کے مطابق کبھی اس میں کچھ بڑھا لیجئے' ٹائم کبھی کم کر لیجئے' یعنی کوئی خاص وقت معین نہ کر دیا گیا بلکہ آیت کا مقصود یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو' آپ رات کا بیشتر حصہ قیام فرمائیں' اور اس قیام میں ورتل القرآن ترتیلا۔ قرآن حکیم کو ترتیل کے ساتھ پڑھئے۔ ترتیل یہ ہوتی ہے کہ ہر لفظ کو اس کے صحیح انداز سے سکون کے ساتھ ادا کیا جائے تاکہ اس پر غور و فکر ہوتا چلا جائے اور بات کی سمجھ آتی چلی جائے پتہ چلتا جائے کہ میں کیا کر رہا ہوں' اس کا مفہوم کیا ہے' اس سے کیا مراد ہے' اس کے لئے مجھے کیا کرنا ہے اور یہ ترتیل نماز میں اور عبادت میں ہمیشہ ضروری ہے۔ ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ ہم ساری عمر نماز پڑھتے رہتے ہیں لیکن ہمیں مفہوم سورۃ فاتحہ کا بھی نہیں آتا' جو ہر نماز میں ہم دہراتے ہیں اور چاہئے تو یہ کہ آدمی جو کچھ اللہ کے حضور پیش کرتا ہے' کم از کم خود اسے جانتا بھی ہو کہ میں کیا پیش کر رہا ہوں' یہ ترتیل ہے' رات کے قیام سے تہجد مراد ہے' جو اس وقت سب پر فرض کی گئی تھی' یہ کفر سے مقابلے کا اسلحہ کہہ لیں' یا طاقت کہہ لیں' یا اسباب کہہ لیں۔

فرمایا۔ حفاظت قرآن = جل شانہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اس وعدے میں بہت سی باتیں ہیں ایک بات تو سب سے پہلی یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا' میں نے قرآن نازل کیا ہے' میں اس کی حفاظت کروں گا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ جو اللہ نے نازل فرمائے' وہ ہو بہو روئے زمین پر من وعن قائم رہیں گے' ان میں تبدیلی نہیں ہوگی اور یہ حفاظت اللہ کریں گے اب اگر قرآن حکیم زمین پر رہنا ہے تو زمین پر بسنے والی مخلوق قرآن کی حامل رہے گی' کوئی

بندہ ہو گا' جو قرآن پڑھنے والا ہو گا' جو قرآن لکھنے والا ہو گا جو قرآن یاد کرنے والا ہو گا' ایسے لوگ ہوں گے' جو قرآن کو مانیں گے بھی' پڑھیں گے بھی' پڑھائیں گے بھی' تب ہی قرآن کی حفاظت ہو گی پھر قرآن احکام ربانی کا مجموعہ ہے اور اس کے سمجھنے کی ضرورت ہے اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن فہمی کو بھی حفاظت الٰہیہ حاصل ہو گی اور قرآن اپنے مفاہیم و مطالب کے ساتھ موجود رہے گا۔ اس حفاظت الٰہیہ میں کئی باتیں آگئیں قرآن پر عمل کریں گے' قرآن کو سمجھیں گے۔ قرآن کو پڑھیں گے' قرآن کو پڑھائیں گے' سمجھتے ہوں گے اور سمجھا سکتے ہوں گے۔ یہ سارا نظام جو ہے اس حفاظت کے حصار میں آگیا جب اللہ نے کہہ دیا کہ میں قرآن کی حفاظت کروں گا' تو قرآن اگر فرشتوں کے پاس رہے یا لوح محفوظ میں رہے' تو وہاں تو اس کی حفاظت ہو ہی رہی ہے۔ حفاظت الٰہیہ کی تو اس عالم انسانیت اور زمین پر ضرورت تھی جس کا وعدہ کیا گیا۔ یہاں حفاظت جب ہو گی تو قرآن کے پڑھنے والے قرآن کو جاننے والے' قرآن پر عمل کرنے والے اور قرآن کو سمجھنے والے الگ ہوں گے' تب رہے گی حفاظت۔ تو اس کا مطلب ہے کہ آج بھی اللہ کے ایسے بندے ہیں' جنہیں یہ حفاظت الٰہیہ حاصل ہے جو قرآن سمجھتے ہیں جو قرآن کو سمجھاتے ہیں' جو قرآن پڑھتے ہیں' جو قرآن پڑھاتے ہیں' جن کے عقائد کتاب اللہ کے مطابق ہیں' جن کا کردار اللہ نے اس کام کے لئے پسند کر لیا' ہمیں وہ پسند آئیں' وہ نہ آئیں' ہمیں ان کی شکل و صورت اچھی لگے' یا نہ لگے' ہم انہیں اچھا سمجھیں یا نہ سمجھیں' اس میں ہماری پسند کو دخل نہیں یہ اس کی پسند ہے کہ اس نے کس کو اس کام کے لئے پسند کر لیا' اور کس کو اس خدمت پر مامور کر دیا اور کس سے ان برکات کو آگے چلا رہا ہے' یہ اس کا اپنا کام ہے۔

فرمایا۔ قرآن کا موضوع حکایات نہیں ہیں' نہ یہ تاریخ کی کتاب ہے نہ تاریخ اس کا موضوع ہے' قرآن کا موضوع ہے' حیات انسانی اور اس پر مرتب ہونے والے ابدی اثرات و نتائج' قرآن کا موضوع ہے' انسان اور اس کے خالق کا تعلق ان کی نوعیت و کیفیت جو بات بھی یہ بیان کرتا ہے یہ اپنے موضوع کے اعتبار سے بیان کرتا ہے کوئی واقعہ تاریخی بیان کرے یا کوئی حکم دے' کسی چیز سے روک دے یا کوئی مشورہ دے کوئی کام کرنے کا کہے یا کسی کام سے منع فرمائے تو اس سب کا ماحصل جو ہوتا ہے وہ بندے کے رب سے تعلق ہوتے ہیں وہ دیکھنا پڑتا

ہے۔

فرمایا۔ لا تدع مع اللہ الٰھا اخر۔ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو بحیثیت معبود نہ پکارو' یہ بڑی عجیب بات ہے کہ انسانی مجبوری ہے کہ وہ اللہ کو واحد اور لاشریک مانتا ہے مومن ہو یا کافر دنیا کا کوئی باطل مذہب بھی بالآخر اپنی اکیلی طاقت پر جا کر رکتا ہے تو جب سارے ہی لوگ مانتے ہیں تو مومن اور کافر میں فرق پھر کیا ہے جتنے لوگ دیوی دیوتاؤں کو مانتے ہیں بالآخر وہ بھی چھوٹے سے بڑا پھر بڑے سے بڑا آخر میں ایک ایسی ہستی انہیں ماننی پڑتی ہے جو سب سے بڑی ہے جتنے لوگ کسی مذہب کو بھی نہیں مانتے انہیں بھی فطرت یا نیچر کے نام پر ایک طاقت کا اقرار کرنا پڑتا ہے جو یہ سارا کارگاہ حیات کا نظام چلا رہی ہے یعنی کسی نہ کسی پہلو سے کسی نہ کسی نام سے کسی نہ کسی طریقے سے مجبوری ہے انسان کی وہ ایک آخری طاقت کو مانتا ہے۔ تمام کمالات سب تعریفیں اس ذات باری کو سزاوار ہیں جس نے اپنے محبوب بندے پر کتاب نازل فرمائی اور ایسی کتاب نازل فرمائی جس میں راستی ہی راستی ہے جس میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں' بالکل سیدھی اور اللہ کے عذاب سے اللہ کی گرفت سے ڈراتی ہے اور ان ایمان لانے والوں کو جو اچھے کام کرتے ہیں خوش خبری دیتی ہے' بہترین اجر کی اور اس بات کی کہ وہ اللہ کے ان انعامات میں ہمیشہ رہیں گے اور ڈراتی ہے ان لوگوں کو بھی جن کا دعویٰ یہ ہے کہ اللہ کا بیٹا بھی ہے اس بات کی کوئی عملی دلیل نہ ان کے پاس ہے نہ ان کے پیشروؤں کے پاس تھی بلکہ یہ ایک نہایت گستاخی کا کلمہ ہے بہت ہی گستاخانہ بات ہے۔ تخرج من افواھھم۔ جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے اور اللہ کریم فرماتے ہیں ان یقولون الا کذابا۔ یہ یقیناً سخت جھوٹے ہیں جھوٹ کہتے ہیں اور ان کی اس بات سے اتنا دکھ پہنچتا ہے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو کہ اگر یہ اپنی اس حرکت سے باز نہ آتے اور اس بات پر اصرار کرتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے تو اتنا دکھ پہنچتا ہے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو جیسے کوئی بندہ دکھ سے ہلاک ہونے کے موت کے قریب چلا جائے تو ارشاد ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اتنا دکھ محسوس نہ کیجئے اس لئے کہ ہم نے اس دنیا میں جو کچھ بنایا ہے اس لئے کہ اس میں زینت بھی ہو حسن بھی ہو' اور یہ آزمائش سبب بن جائے کہ کون اس کے حسن کا اسیر ہو کر دنیاوی خواہشات کی تکمیل کے لئے باغیانہ روش اختیار کرتا ہے کون حسن عمل کی طرف راغب ہوتا ہے۔

نتیجتا" جو کچھ بھی بنایا گیا ہے یہ تباہ و برباد کر دیا جائے گا ختم کر دیا جائے گا کوئی رہنے والی چیز نہیں ہے۔

فرمایا۔ آپ جانتے ہیں قرآن حکیم تاریخ کی کتاب نہیں' نہ تاریخ اس کا موضوع ہے امم سابقہ یا انبیاء علیہما السلام کا تذکرہ اگر آتا ہے یا کتب سابقہ کا آتا ہے تاریخی حوالہ اگر آتا ہے تو ہماری ہی رہنمائی کے لئے ہوتا ہے اسی لئے آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن میں کوئی بھی ایک قصہ تسلسل سے نہیں ملتا اس کے مختلف اجزا جس سے جہاں مثال دینا موزوں ہوتا ہے قرآن حکیم اسے وہاں بیان فرمادیتا ہے۔

یہاں حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے تذکرے کے بعد وہ بات ارشاد فرمائی جا رہی ہے جو اس ساری جدوجہد کا حاصل تھی اللہ جل شانہ کے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا بغیر کسی ظاہری سبب کے فرعون جیسی ظالم و جابر قوم کے سامنے مفلوک و بے کس و بے حال لوگوں کو کھڑا کرنا سمندروں کا راستے چھوڑنا پتھروں سے پانیوں کا نکلنا بادلوں کا سایہ کرنا آسمان سے پکے پکائے خوان ملنا اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ ساری ضمنی باتیں ہیں ان میں سے کوئی بات اس خصوصیت کی حامل نہیں جس خصوصی تعلق کا مطالبہ تمہارے ساتھ کیا جا رہا ہے یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اس سے حاصل کیا ہوا؟ یہ سارے واقعات بجائے خود ایک مقصد تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں جس کے لئے اللہ کریم تمہیں لے جانا چاہتے ہیں۔

فرمایا۔ وہ مقصد ہے۔ ثم اتینا موسی الکتب۔ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی کتاب عطا فرمائی اپنی طرف سے ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وہ تحریر عطا فرمائی جو تمہارے اور اللہ کے درمیان تعلق کو قائم کرتی ہے اس موضوع کے تمام جتنے پہلو تھے تماما علی الذی احسن و تفصیلا لکل شی۔ اس کام کے لئے جتنے پہلو بنتے ہیں ان سب پر پوری تفصیل سے روشنی ڈالتی ہے اور اس میں ہدایت بھی ہے رحمت بھی ہے' لیکن حاصل کیا ہے اور اس ساری ہدایت کا اس ساری رحمت کا اس ساری کتاب کا اس سارے معاملے کا معجزات کے دیکھنے کا اللہ کے رسول علیہ اسلام کے ساتھ ایمان کا ہجرت کرنے کا کفار کے ساتھ مقابلہ کرنے کا ان سب باتوں کا حاصل کیا لیکن جو بات بھی بتادی تھی کہ اس میں دو حصے ہوتے ہیں کتاب الٰہی میں ایک ہوتا ہے ذکر' نصیحت' اللہ اور بندے کے تعلقات کا شعبہ' اللہ کے ذکر

کاشعبہ' اللہ کی عبادت کاشعبہ' اور دوسرا دنیا میں رہنے کا سلیقہ یہ دو حصے ہوتے ہیں کتاب الٰہی کے' بندے کا تعلق رب العلمین کے ساتھ یہ ذکر ہے' بندے کا تعلق بندوں کے ساتھ' یہ دوسرا دنیا کا شعبہ ہے۔

فرمایا۔ حکایات قرآن = اقوام عالم کا جو حال قرآن مجید نے بیان فرمائی ہے اس سے مراد تاریخ بیان کرنا ہرگز نہیں ہے' تاریخ قرآن حکیم کا موضوع ہی نہیں دراصل اس میں تاریخی واقعات کو اس غرض سے بیان فرمایا گیا ہے کہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ کس قوم نے کیا روش اختیار کی اور اس پر کیا نتائج مرتب ہوئے تاکہ فطری قوانین ہمارے سامنے آئیں اور ہم اپنے لئے راستہ متعین کر سکیں کہ کون سے راستے میں بہتری پائی جاتی ہے' انسان غلطیاں بھی کرتا ہے' کوتاہیاں بھی ہوتی ہیں جرائم بھی سرزد ہوتے ہیں اور ایسے ایسے تباہ حال معاشرے بھی وجود میں آتے ہیں جن میں خدا کا نام تک لینے والا کوئی نہ تھا' اخلاق سے بے بہرہ تھے اور انسانیت کی کوئی اقدار نہیں تھی لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے کہ رب کریم کے علم نے انہیں مہلت دی گنجائش دی اور دنیا میں پھیلتے پھولتے رہے انہوں نے حکومتیں بنائیں اولاد ہوتی رہی مال و دولت ملتا رہا' لیکن وہ بوقت حساب اس کی سزا پا گئے گناہ کی ایک سزا یہ ہوتی ہے جسے انسان محسوس نہیں کرتا لیکن وہ بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے اور وہ ہے اندرونی خلفشار اندر سے انسان ٹوٹنا پھوٹنا شروع ہو جاتا ہے' بظاہر ٹھیک ٹھاک نظر آتا ہے لیکن اس کے اندر بگولے چلتے رہتے ہیں تو یہ ہے حتمی نتیجہ گناہ کا' لیکن سزا کی ایک صورت وہ ہوتی ہے جس میں بظاہر بھی اللہ تعالیٰ کی گرفت آجاتی ہے اور وہ تباہ ہو جاتے ہیں' یہ دوسری صورت اقوام پر اس وقت وارد ہوتی ہے' جب انہوں نے انبیاء کی مخالفت کی' یہ اتنا بڑا جرم تھا کہ اسے درگزر نہیں فرمایا اور یہ اتنا شدید جرم تھا کہ دنیوی اعتبار سے اور نسلی اعتبار سے بھی قریب ترین رشتہ رکھنے کے باوجود جس شخص نے نبی ﷺ کی مخالفت کا رویہ اختیار کیا' تباہ ہو گیا۔

فرمایا۔ قرآنی اعجاز = یہ ایسی عجیب کتاب ہے جو روئے زمین پر بسنے والے ہر انسان کو اس کی ہر ضرورت کا حتمی اور یقینی جواب دے دیتی ہے کوئی دنیا کی دوسری کتاب یہ کام نہیں کر سکتی' اس نے فاصلوں کو سمیٹ دیا' خواہ وہ فاصلے زمین تھے' خواہ وہ زمانی تھے' وہ صدیوں پر محیط تھے' پہلوں کی ضرورتیں مختلف تھیں' بعد والوں کی ضرورتیں مختلف ہیں اگر کوئی اونٹ

پر گھوڑے پر سوار ہو کر حج کو جاتا تو اس کے لئے اس نے جو ضابطے بنائے آج ہوائی جہاز پر سواری کر کے جانے والے کو بھی وہی ضابطے ویسا ہی کام دے رہے ہیں۔ زمانہ کتنا بدلا' کہاں سفر کیا زمانے نے' اور آج کہاں ہے اس نے مکمل رہنمائی اس شخص کی کی تھی جو اونٹ کی نکیل پکڑ کر چل رہا تھا اسی طرح مکمل رہنمائی اس آدمی کی بھی کر دی' جو آج کے جدید دور کے ایک بہت بڑے ہوائی جہاز میں بیٹھ کر جاتا ہے۔

فرمایا۔ قرآن حکیم ایک ایسی کتاب ہے جسے بار بار پڑھا جائے' ہر بار پڑھنے کا ایک نیا لطف آتا ہے' بات وہی ہے' حقائق وہی ہیں' قصہ وہی ہے' حکم وہی ہے' امر وہی ہے' نہی وہی ہے' سارے کا سارا الم سے الناس تک وہی الفاظ' وہی جملے وہی اس کے رکوع اور وہی اس کی سورتیں ہیں۔ اسی آیت کریمہ کو لیجئے' یا کسی اور آیت کو لے لیجئے' تو ایک ہی آیت کو پڑھنا شروع کر دیں' اسے دہراتے دہراتے عمر بیت جائے اس کے دہرانے میں جو لذت ہے' وہ ختم نہیں ہوگی بلکہ ہر بار دہرانے پر پہلے سے مختلف لذت نصیب ہوتی ہے اسی لئے یہ کہنا بجا ہے کہ قرآن حکیم کے نقاط اس کے اسرار اور رموز کبھی اور کسی دور میں ختم نہیں ہوں گے' وہ بیان ہوتے رہیں گے' ہوتے چلے جائیں گے' ہر عہد کے لئے ہر شخص نے بڑے بڑے قیمتی جواہر اس سے نکالے لیکن جسے اللہ غوطہ زنی کی طاقت عطا کرتا ہے جو اس بحر میں اترتا ہے جو اس سمندر میں غوطہ لگانے کی اہلیت رکھتا ہے' کوئی بھی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔

فرمایا۔ صالح عمل = صالح کام سے قرآن حکیم کی مراد بڑی سادہ سی ہے کہ امور دنیا اس طرح سے کریں' جس طرح نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے کیا ہے یا کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہر وہ کام جو اتباع رسالت ﷺ میں ہو' وہ صالح ہے اور ہر وہ کام جو خلاف سنت ہو وہ صالحیت کھو دیتا ہے۔ بعض اوقات ہم اپنی رائے سے ایک فیصلہ کرتے ہیں اور ہمارے خیال میں کسی کی جان بچانا سب سے بڑی نیکی ہوتا ہے لیکن اگر کسی کی جان لینے کا حکم شریعت مطہرہ دے یا کسی کے قتل کا حکم شریعت صادر کر دے تو اس کی جان بچانا نیکی نہ ہوگا' اس کی جان لینا نیکی ہوگا تو ہماری رائے سے کسی کام میں صالحیت پیدا نہیں ہوگی' ہماری رائے ہمارے علم' ہمارے مشاہدے اور ہماری فکر کے مطابق ہے جبکہ جو اللہ کریم کے ہیں وہ اس کی شان کے مطابق' اس کے علم کے مطابق اور اس کی منشاء کے مطابق ہیں' جس کے لئے شریعت مطہرہ سزائے

موت مقرر کرتی ہے اس کا مرجانا ہی دوسروں کے لئے بھی بہتر ہے' والذین امنو و عملو الصلحت۔ جن لوگوں نے اقرار کیا اور پھر یہ کوشش کی کہ اس وعدے کو نبھائیں' اپنے عمل صالح کر لئے' اتباع سنت کو اختیار کیا' نیکی کو اختیار کیا اور پھر بحیثیت بتقضائے بشریت ان سے غلطیاں بھی ہوتی رہیں یعنی آدمی فرشتہ تو نہیں بن جاتا جو نیک ہوتا ہے وہ بھی آدمی ہی ہے تو اس سے بھی غلطی ہو سکتی ہے اس سے بھی گناہ ہو سکتا ہے۔

فرمایا۔ آدمی کے ذمہ یہ ہے کہ اپنا عقیدہ کھرا رکھے آدمی کے ذمے یہ ہے کہ خلوص سے نیکی کی کوشش کرے پھر اگر اس سے گناہ ہو گیا لنکفرن عنھم سیاتھم۔ ایسے گناہوں کی ہم پرواہ نہیں کرتے' ہم معاف کر دیتے ہیں' غصے میں آکر یا کسی لالچ میں آکر کسی طرح اس کا پاؤں پھسلا ہے' بے چارا انسان تھا کمزور تھا مجبور تھا' کر بیٹھا میں معاف کر دوں گا' لیکن شرط یہ ہے کہ آدمی کا عقیدہ درست ہو ایمان درست ہو اور ارادہ بھی درست ہو لیکن گناہ کو پیشہ نہ بنا لے۔

فرمایا۔ قرآن = رب جلیل کے قرآن کا اعجاز ہی یہ ہے کہ قرآن کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ اسے جہاں سے پڑھنا شروع کر دو' کوئی آیت پڑھ لو یہ پوری زندگی کی رہنمائی کے لئے کافی ہے یعنی قرآن کے معجزات میں سے ہے' یہ سارا ہدایت ہی کے لئے ہے' جہاں سے شروع کر لو' کوئی ایک آیت پڑھ لو' وہ پوری انسانی زندگی پر محیط ہوتی ہے یہ اتنا زیادہ جو تیس پارے اس نے عطا فرمائے یہ محض اس کا کرم ہے کہ اس کے ذاتی کلام کا ایک لفظ اگر اس کی معنوی حیثیت ہم پر آشکار ہو جائے تو اس میں اتنی روشنی ہے کہ اس کے سامنے مادی روشنی سورج اور چاند کی روشنی کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ یہ اس کا ذاتی کلام ہے۔ ایک ایک لفظ اس کا ذاتی کلام ہے' مخلوق میں اور اس کی صفات میں کتنا فاصلہ ہے اور جو نور اس میں ہے ایک لفظ کا معنوی نور جو ہے اگر وہ ظاہر ہو تو دنیا اور آخرت کی ساری روشنیاں ماند پڑ جائیں' سوائے تجلیات باری کے کوئی بھی اس کے مقابل نہیں ٹھہر سکتا یہ سارے اعجاز ہیں قرآن حکیم کے تو پھر یہ اتنا قیمتی اور اتنا بہت کیوں دے دیا' یہ تو اس کا کرم ہے یہی نور اس کا کرم ہے کہتا ہے جب میں دیتا ہوں پھر میں دیتا ہوں اس کا ایک لفظ ساری کائنات کو منور کرنے کے لئے کافی تھا دیکھو میں جب عطا کرنے لگا تو تیس پارے عطا کر دیا یہی تو اس کی عطا ہے نا جب وہ دیتا ہے تو کس قدر

دیتا چلا جاتا ہے۔

کیفیات جو ایمان اور اعمال کے بدلے قلوب پر مرتب ہوتی ہیں کہ کسی کی اگر ایک تسبیح قبول ہو جائے اور اس کا نور دل میں پیدا ہو جائے' تو نجات کے لئے کافی ہے۔ زندگی میں کتنے فرائض کتنے واجبات کتنے نوافل کتنے سجدے کتنی تسبیحات کتنے اذکار کرتے ہیں اور ہر ذکر پر ایک نئی تجلی ہر لمحے ایک نئی روشنی ہر آن ایک نیا نور ایک دل کو کیا کیا دیتا چلا جاتا ہے' اور وہ کیا کیا کما لیتا ہے یہ زمینیں یہ آسمان یہ عرشوں کی وسعتیں سمٹ جاتی ہیں اور مومن کا قلب پھیلتا اور بڑھتا چلا جاتا ہے اتنا پھیلتا ہے کہ کم از کم درجے کا مسلمان جو سب سے کم درجے کا ہوگا' صرف نجات پا کر جنت میں پہنچ جائے گا' اہل جنت میں جو سب سے کم درجے کا ہوگا' اسے بھی آپ جنت میں دیکھیں گے اس کے پاس جتنی جگہ رہنے کے لئے ہوگی وہ بھی دنیا وما فیہا سے بڑھ کر ہوگی۔

باب۔13

انسانی اوصاف کی اہمیت

فرمایا۔ انسان کی کمزوری = انسان کی فطرت میں ایک بہت بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ کسی بھی حسین صورت کا اسیر ہو جاتا ہے' کوئی خوبصورت آواز اسے اپنا قیدی بنا لیتی ہے' نلی ڈلی کو کاٹ کر اس میں پھونک مارتے ہیں تو اس سے آواز نکلتی ہے' صدیوں سے انسان اس کے نغموں کا اسیر ہے۔ آپ یہ جتنے ساز دیکھتے ہیں' کیا ہیں' وہی لکڑی کا ایک ڈبہ سا ہے' اس پر کسی نے چمڑا مڑھ دیا مختلف انداز سے اس پر ہاتھ مارتے ہیں' چھڑی مارتے ہیں یا مختلف اوزار مارتے ہیں۔ اس کی مختلف آوازوں کا ایک آہنگ' ان کا ایک تسلسل' ان مختلف آوازوں کی لے اور ان کی آپس میں ایک نسبت انسان کو مسحور کر دیتی ہے' انسان اسیر ہو جاتا ہے اس کا۔ آپ نے دیکھا یہ جو گانے والے ہیں کسی کے پاس خوبصورت آواز ہوتی ہے تو لوگوں نے گھر لٹا دیئے انہیں ملک کا اور دنیا کا امیر ترین انسان بنا دیا ہے' روئے زمین کی ساری انسانیت کے لوگ ان کے پیچھے دیوانوں کی طرح پھرتے ہیں' وہ کوجھے ہوں بدشکل ہوں' ان کی ظاہری شکل وصورت اچھی نہ ہو کیسے بھی ہوں لیکن آواز اچھی ہو' گانا آتا ہو' بس جہاں تک اس کی آواز جاتی ہے' لوگ فدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔

فرمایا۔ اہمیت و ضرورت = انسانی ضروریات ہی کسی چیز کو اہم یا غیر اہم بناتی ہے کوئی بھی شے اگر وہ انسانیت کے لئے ضروری نہ ہو' تو وہ اہم نہیں رہتی' کسی بھی چیز کا اہم یا غیر اہم ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ اس کی انسان کو یا انسانیت کو کتنی ضرورت ہے' جس چیز کی جتنی

شدت کے ساتھ ضرورت ہوتی ہے' وہ چیز اتنی ہی زیادہ اہمیت اختیار کرلیتی ہے' تو اس طرح سے اہمیت و ضرورت یہ دو چیزیں نہیں ہیں' اگرچہ نام دو ضرور ہیں لیکن دونوں ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح سے ملے ہوئے ہیں' کہ جو چیز جتنی اہم ہے وہ اتنی ضروری بھی ہے اور جو چیز جتنی ضروری ہے وہ اتنی اہم بھی ہے اسی طرح ذکر کی بھی ضرورت ہے۔

فرمایا۔ انسان اگر اتنی قیمتی تخلیق ہے کہ ساری تخلیقات اس کی خدمت پر کمربستہ ہیں تو آخر اس انسان کا مصرف کیا ہے' اس کو اتنی اہمیت جب دی گئی تو اس کا مقصد تخلیق کیا ہے رب جلیل فرماتے ہیں وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون۔ اس کا مقصد تخلیق صرف اتنا ہے کہ یہ اللہ کی عظمت سے آشنا ہو کیونکہ یہاں یعبدون سے یعرفون مراد لیا ہے مفسرین کرام نے اور معرفت ہوتا ہے اللہ کی ذات اس کی صفات اس کی عظمت و جلالت اس کے احسانات کو اپنی حیثیت کے مطابق پہچان لے اور یہ پہچان اسے اس کے دروازے پہ جھکنے پہ مجبور کردے۔

فرمایا۔ کافر جو کچھ بھی کرتا ہے وہ نہ آخرت کے لئے کرتا ہے' نہ اللہ کے لئے کرتا ہے' اگر وہ آخرت کے لئے کرتا ہے' تو آخرت کا علم تو ہے ہی نبی کے پاس' اگر وہ آخرت کو جنت میں جانا چاہے گا تو آخرت کا مسئلہ تو الٹ ہوگیا' اگر اس نے آخرت کے لئے کیا' تو پھر تو وہ کافر نہ رہا' مومن ہوگیا پھر اس نے جو کچھ بھی کیا وہ اتباع نبوی ﷺ کی پھر تو وہ مومن ہے اور اگر وہ نبی کو نہیں مانتا تو آخرت کو جان ہی نہیں سکتا' تو جب آخرت کو جاننے کا ذریعہ اس کے پاس ہی نہیں ہے' آخرت کو تو وہ جانتا نہیں' پھر کرتا ہے بھلائی کا کام۔ ظاہر ہے اس کے سامنے کوئی دنیاوی مقصد ہوگا' یا شہرت ہوگی' عزت ہوگی' یا دولت کو بڑھانا مقصد ہوگا' کوئی نہ کوئی دنیاوی مقصد ہوگا' اور یہی بات اللہ نے کتاب میں ارشاد فرمائی ہے' کہ کافر کی نیکی دنیا میں لوٹا دی جاتی ہے' اس لئے کہ وہ کرتا ہی دنیا کے لئے ہے۔

فرمایا۔ یعنی فکر انسانی میں یہ بات بھی ہے کہ ہر بات کے لئے وہ جواز پیدا کرلیتا ہے اب جتنے انسان ہوں گے اتنے ہی مختلف طرح کے افکار اور مختلف طرح کے جواز پیدا ہوتے چلے جائیں گے' تو پھر تعین کس طرح سے ہوسکے گا کہ واقعی اچھا کام کس نے کیا اس کا معیار صرف اور صرف اتباع نبوی ﷺ ہے۔

فرمایا۔ صرف ایک انسان ہے جسے یہ شعور بخشا ہے کہ وہ اللہ کی ذات کو بھی پہچانتا ہے اور اس کی صفات کو بھی پہچانتا ہے' باقی ساری مخلوق کی رسائی اس کی صفات تک ہے حکم بھی اس کی صفت ہے' احکام کے تابع مخلوق کی رسائی صفات باری تک ہے پوری تخلیق میں صرف انسان ہے' جس کی نگاہ اس کے رخ روشن کو دیکھنا چاہتی ہے جس کا دل اس کے جمال کا طالب ہے وہ اس کے حسن کو اپنی آنکھوں میں سمونا چاہتا ہے اور یہ خواہش' یہ جرات' یہ شعور' یہ تاب' یہ مجال اسے کس نے دی اس نے جس نے اسے انسان بنایا' اب اس کی ذات کو پہچاننے کا جو ذریعہ واسطہ ہے اور اس کی ذات کو دیکھنے کے لئے جس چشم یا بینائی کی جس درجے یا طاقت کی قوت ہے وہ اس نے انسانوں میں سے اپنے منتخب بندوں کو عطا فرمائی اور اس کا نام ہے نبوت۔

نبوت صرف اور صرف انسانوں کو عطا کی گئی' فرشتوں کو بھی نہیں بخشی گئی' جنوں کو بھی نہیں بخشی گئی پوری کائنات کی مخلوق میں کسی دوسری مخلوق کو نہیں بخشی گئی صرف انسان ہے' جس کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا' نبی اللہ جل شانہ سے براہ راست شرف ہم کلامی رکھتا ہے خواہ وہ بذریعہ وحی ہو' خواہ وہ بذریعہ القاء' والہام ہو اور خواہ وہ براہ راست۔

فرمایا۔ انسانی مزاج = انسان مدنی الطبع ہے' جہاں رہتا بستا ہے' وہاں ماحول سے جدا ہونے کا تصور نہیں کر سکتا اور ماحول اچھا یا برا اپنے بسنے والوں سے ہوتا ہے' فضا سے زمین سے' سورج سے یا موسموں سے نہیں' بلکہ انسانی مزاج سے' انسانی سوچوں سے اور انسانی کردار سے ماحول تخلیق پاتا ہے۔ جب ہم اپنے مصائب کو ماحول کے حوالے سے دیکھتے ہیں تو بجا طور پر ہمیں یہ سوچنا بھی چاہیے کہ اس ماحول کو بنانے میں ہمارا کیا حصہ ہے؟ ہمارے کردار کا کتنا حصہ ہے اور ہم اس ماحول کو کیا دے رہے ہیں؟ ہمیں بجا طور پر اپنی محنت اور اپنے آباؤ اجداد کی محنت اور اپنے جذبہ حریت' اپنے جذبہ آزادی' اپنے جذبہ جہاد' اپنے دین' اپنے اسلام کے ساتھ محبت اور آقائے نامدار ﷺ کے ساتھ عشق پر ناز ہے' ہمیں بجا طور پر یہ فخر حاصل ہے کہ ہمارا سر سوائے جل شانہ کے کسی بارگاہ میں نہیں جھکتا لیکن کیا اپنے ان دعوؤں کا خلوص اور صدق کے ساتھ تجزیہ کرنے کے لئے بھی ہم تیار ہیں

فرمایا۔ دنیا کا ہر انسان اپنے فائدے کے لئے' اپنے آرام کے لئے اپنے وقار کے لئے ہر وقت سرگرداں ہے اور بڑے مزے کی بات یہ ہے کہ ہر آدمی نے آرام وسکون کی تعریف (Defination) الگ کر رکھی ہے فائدے کا تعین ہر شخص کے ذہن میں الگ ہے عزت و آبرو کا خاکہ ہر شخص کا اپنا ہے تو اس سب میں کس چیز کو معیار یا سٹینڈرڈ مانا جائے اور پھر اسے آدمی کیسے پا سکے؟ انسانی مزاج جب بگڑتا ہے اور انسان جب خود فیصلے پہ آتا ہے تو بعض لوگ لاکھوں کی جائیداد تباہ کر کے بٹیر بازی میں اپنا نام پیدا کر لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انہوں نے بہت زیادہ شہرت حاصل کر لی ہے اور بڑے معروف انسان بن گئے ہیں ان کا ایک انداز فکر ہے کچھ لوگ دولت' پیسہ محنت ہر چیز گنوا کر اقتدار حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں اور بڑے بڑے لوگ اپنی عمریں جیلوں میں تباہ کر کے اقتدار تک پہنچ بھی نہیں پاتے لیکن اپنے طور پر بڑا فخر کرتے ہیں کہ اس مقصد کے حصول کے لئے ہم نے بڑی محنت کی دوسرے گناہوں کی دلدل میں غرق ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس طرح انہیں سکون ملے گا اور آرام پائیں گے ایک اور طبقہ جو ہمارے ملک میں بہت زیادہ پھیل رہا ہے' وہ لوٹ مار' قتل و غارت کر کے سمجھتا ہے کہ وہ بہت نام کمائے گا' اور بہادر سمجھا جائیگا۔ یہ سب چیزیں شخصی پیمانے پر ہو رہی ہیں قوموں نے قومی سطح پر اور ملکوں نے ملکی سطح پر کیں اگر ہم تاریخ انسانی پر نگاہ کریں' تو بے شمار قوموں نے غنڈہ گردی بھی کی' بے شمار قوموں نے عیاشی بھی کی' بے شمار قوموں نے گناہ میں خود کو غرق کیا لیکن انجام کار سب کا نتیجہ تباہی کی صورت میں ظاہر ہوا اس لئے انسانی مزاج کی پسند بھلائی کا معیار نہیں۔

فرمایا۔ والذین امنو اشد حبا للّٰہ۔ یعنی تقاضائے ایمان یہ ہے کہ جس کے دل میں نور ایمان ہوتا ہے' اس دل میں اللہ کی محبت باقی سب محبتوں کی نسبت شدید تر ہو جاتی ہے ایسا نہیں ہوتا کہ اس کے دل میں اور کوئی محبت ہی نہیں رہی اگر اور کوئی محبت ہی دل میں نہ رہے تو پھر ہم خالی ہاتھ ہو جائیں اللہ کی محبت پہ قربان کرنے کو ہمارے پاس کچھ سرمایہ ہی نہ رہے گا یعنی اگر ہمیں مال سے محبت نہ ہو' جان سے محبت نہ ہو' لذات دنیا سے محبت نہ ہو تو پھر ہم قربان کیا کریں گے تو اب معیار کیا ہے دراصل جب یہ چیزیں ہمیں اللہ کے دروازے سے نہ ہٹا سکتیں' جب ہمیں ان سے کوئی تعلق ہی نہیں' مثلاً" فرشتہ ہے اسے گرمی سردی کی کوئی

احتیاج نہیں اسے بھوک اور نیند کی کوئی احتیاج نہیں ہے' اسے بیٹے اور بھائی کی کوئی احتیاج نہیں ہے' نہ ضرورت ہے' نہ ان سے تعلق ہے' نہ ان سے محبت ہے' تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے پاس قربان کرنے کو کچھ بھی نہیں ہے لیکن جب انسان حکم مانتا ہے تو محبت کے ثبوت میں اس کے پاس نچھاور کرنے کے لئے کتنی ہی احتیاجات ہوتی ہیں۔

فرمایا۔ انسان و اختیار = اس کا بنیادی سبب یہ ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے پیدا ہونے پر اختیار نہیں' مرنے پہ اختیار نہیں' اپنی صورت اپنی پسند سے نہیں اختیار کر سکتا قد کاٹھ' مال و دولت' عزت و ذلت کچھ بھی اس کے بس میں نہیں' لیکن اللہ کی عظمت کا انکار کرتا ہے یا اس سے محروم رہتا ہے صرف یہ آزمائش اس کے سامنے ہے' اسی کا اختیار ہے۔ یہاں انسان کا فیصلہ لاگو ہوتا ہے کہ وہ کس طرف جاتا ہے شیطان کو کوئی ایسا اختیار نہیں کہ کسی کو پکڑ کر اپنے پیچھے لگا لے فرمایا الا لنعلم۔ یہ ہم ہیں کہ جو جانچنا چاہتے ہیں من یومن بالاخرۃ ممن ہو منہا فی شک۔ کہ کسی کا دل یقین سے پر ہے اور کس نے ظاہر کا بھرم رکھا ہے' کس کے دل میں شک ہے کہ پتہ نہیں ایسا ہوگا بھی کہ نہیں۔ اسی شک کی دراڑ سے انسان کی ساری عمارت گر جاتی ہے اور یقین یہ اتنا مضبوط قلعہ ہے کہ شیطان کچھ نہیں بگاڑ سکتا' اس لئے کہ وربک علی کل حفیظ۔ اللہ ہر چیز سے حفاظت کرنے والا ہے تو جب تیرا پروردگار تیرا رب ہر جگہ' ہر آن' ہر لمحے' ہر پریشانی سے حفاظت کے لئے موجود ہے' تو پھر شیطان تیرا کیا بگاڑ سکتا ہے' لیکن فرمایا بات وہی ہے کہ تیری طرف سے جو یقین اللہ کے ساتھ ہونا چاہئے وہ ہونا چاہئے۔

فرمایا۔ انسان کے فطری جذبات = بعض جذبات تخلیقی طور پر مزاج کا حصہ ہوتے ہیں اور جب ان کے محرکات پیدا ہوتے ہیں تو انسان سے فطری طور پر ان جذبات کا اظہار ہو جاتا ہے۔ جیسے غصہ' خوشی' دکھ بعضے پیچیدہ جذبات ہیں کہ جب موقع آتا ہے تو بے اختیار انسان سے اظہار ہو جاتا ہے اس طرح نیک فطرت بھی انسان کے جذبات کے ساتھ سمو دی ہے اور وہ ہے اللہ کے سامنے فریاد کرنا' اللہ سے مدد کا چاہنا' اللہ کو پکارنا' اللہ جل شانہ سے دعا کرنا' اور یہ عموماً" کرتا رہتا ہے لیکن عموماً" دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ اپنی عمومی زندگی میں مذہب کا انکار کر دیتے ہیں' ذات باری کا انکار کر دیتے ہیں' آخرت کا انکار کر دیتے ہیں لیکن جب خاص طور پر

سمندری طوفان میں پھنس جائیں اور ان کے ہاتھ ڈولنے لگیں' تو بغیر سوچے سمجھے' بغیر کسی سے مشورے کے' وہ اللہ کو پکارنا شروع کر دیتے ہیں یعنی فطری طور پر انسان کے مزاج میں ہے اللہ کو پکارنا اور اکثر اہل عرب بھی کسی افتاد پر یا سمندری سفر میں جب کشتی ڈوبنے لگتی' بری راستوں میں کسی کا واسطہ ڈاکوؤں سے پڑ جاتا یا کوئی اور مصیبت آن پڑتی تو پھر اللہ ہی کو پکارتے' تو اس طرح اللہ کو پکارنا ایک فطری جذبہ ہے۔

لوگ بھی دو طرح کے ہیں' ایک وہ جو اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر اور اس کی حدود کے اندر فیصلے کرتے ہیں یا وہ جو شیطان کی پیروی کر رہے ہیں تو وہ جانتے ہوئے بھی جب اللہ کی پیروی چھوڑتا ہے تو یقیناً شیطان کی راہ پر چلتا ہے تیسرا کوئی راستہ ہی نہیں تو بندہ سب کچھ سیکھ کر تو دنیا میں نہیں آتا' یہاں آکر سیکھتا ہے' جن سے سیکھتا ہے' ان میں بھی دو ہی فریق ہیں اگرچہ سب نے شیطان کی بات نہیں مانی کیونکہ الا فریقا من المومنین۔ اگرچہ ساری قوم گمراہ ہو گئی تھی' تب بھی کچھ لوگ ایسے تھے' جن کے پاس نور ایمان تھا' انہوں نے شیطان کی بات نہیں مانی' وہ اس کے پیچھے نہیں تھے اور پھر اللہ کریم شیطان کے سامنے ہتھیار ڈالنے سے انتباہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں بڑی عجیب بات یہ ہے کہ وما کان لہ علیھم من سلطان۔ شیطان کو میں نے ان پر کوئی اختیار نہیں دیا' وہ ان سے پکڑ کر اپنی بات نہیں منوا سکتا تھا' وہ ان پر اپنی بات مسلط نہیں کر سکتا' وہ بے بس نہیں تھے' اس کے مقابلے میں بات صرف اتنی تھی کہ ہم نے یہ امتحان رکھ دیا تھا' انسان کے سامنے کہ یہ اپنی (Choice) سے' اپنی پسند سے' کون سا راستہ اختیار کرتا ہے اس میں ایک طرف میرے نبی ﷺ بھی تھے' میری کتابیں بھی تھیں اور پھر انسان کے اندر ایک ضمیر نام کی ایسی چیز Fit کر دی ہے جو اسے اندر سے بھی کہتی تھی کہ یہ کام غلط ہے دوسری طرف شیطان تھا' شیطانی وساوس تھے' شیطانی معاشرہ تھا' شیطان کے دوسرے ذرائع تھے' اب ان سے بچنے کے لئے اس کے پاس بہت بڑی بات یہ تھی کہ وہ میرے نبی ﷺ کا اتباع کرتے۔

فرمایا۔ انسان کا تعلق دوبارہ عالم امر کے ساتھ جڑ جائے' مضبوط ہو جائے تو جب اس کی نگاہ اٹھتی ہے تو جمال باری پہ جا کر ٹھہرتی ہے اور جب یہ پرواز کے لئے پر کھولتا ہے تو عالم امر اس کے زیر پر ہوتا ہے' تب جا کر اسے راحت ملتی ہے اور اگر یہ شے یعنی عالم امر سے تعلق

اسے نصیب نہ ہو تو یہ راحت پا سکتا ہی نہیں۔

فرمایا۔ محدود عقل انسانی جتنا تجزیہ کرتی چلی جائے تو بالآخر اسے ایک ایسی ہستی کو ماننا پڑتا ہے جو کسی پر DEPEND نہ کرتی ہو جس کا مدار کسی پر نہ ہو جو از خود ہو' وہ کون ہے اس کی ذات کیسی ہے' یہ اتنا مشکل سوال ہے' اتنا مشکل سوال ہے کہ اسے عقل انسانی حل نہیں کر سکتی۔ اسی لئے سب سے پہلا انسان جس نے زمین پر قدم رکھا' وہ اللہ کا نبی علیہ السلام تھا یہ نور نبوت ہی ایک ایسا نور ہے' ایسی روشنی ہے' جو اس کیوں کا جواب دیتی ہے' کہ اللہ کیسا ہے' اس کی ذات کیسی ہے' اس کی صفات کیسی ہیں' عقل انسانی کی رسائی سے یہ بالاتر ہے' عقل اپنے دلائل سے اس کی تائید کر سکتی ہے' اس کو تسلیم کر سکتی ہے جب اسے پتہ چلتا ہے عظمت باری کا تو اس کے لئے وہ خارجی دلائل سے مدد حاصل کر سکتی ہے' لیکن اگر کوئی بتانے والا نہ ہو تو اکیلی عقل اللہ کی ذات کا یا اللہ کی صفات کا احاطہ نہیں کر سکتی اس لئے پوری تاریخ انسانی میں اللہ کی ذات اور اس کی صفات کی بات اگر کی ہے تو صرف انبیاء علیہما السلام اور رسل نے کی ہے کسی دانا' کسی فلسفی' کسی بھی حکیم' طبیب' کسی مورخ کسی سائنس دان کو کسی کیمیادان کو یہ جرات نہیں ہو سکی کہ وہ اس سوال کا جواب دے دے۔

فرمایا۔ انسانی جامعیت = انسان بہت سی خوبیوں کا مالک اور بہت سی خامیوں اور کمزوریوں کا مجموعہ ہے۔ اللہ جل شانہ نے اپنی جتنی مخلوق میں متفرق کمالات رکھے ہیں' ان سب کو ایک انسان میں جمع فرما دیا ہے۔ آپ زیادہ دور نہ جائیں کہ مختلف مخلوق کے مختلف کام دیکھ لیں گھر بنانا بچے پالنا' خوراک حاصل کرنا' صاف ستھرا رہنا' دوستی دشمنی نبھانا یہ سارے کمالات بلکہ ان کمالات کی بہت اچھی صورت بیک وقت ایک انسان میں موجود ہے۔ اسی طرح انسان کی خامیاں اور کمزوریاں ہیں' وہ بھی بہت زیادہ ہیں یہ عجب مجموعہ اضداد ہے' اس کی بنیاد ہی دو ضدوں کے مجموعے پر ہے' منطق میں ضدین کا جمع ہونا محال ہے' لیکن اللہ کے لئے نہیں' میرے اور آپ کے لئے ہے' ہم دو ضدوں کو جمع نہیں کر سکتے' لیکن اللہ اس چیز پہ قادر ہے۔ عالم امر لطیف ترین تجلیات باری کا مرکز ہے اور مادہ کثافت کی انتہائی صورت ہے لطافت و کثافت میں کیسا جوڑ بنا رکھا ہے لیکن وہ ایسا قادر ہے کہ اس نے مادی وجود میں عالم امر سے

روح منتقل فرمائی اور ایسا پیوند لگایا کہ یہ کبھی ٹوٹے گا نہیں' اس لئے کہا جاتا ہے کہ انسان کو اصلی معنوں میں یہ جو موت کا عوامی تصور ہے' بالکل غلط ہے بلکہ موت روح کا رشتہ وجود سے توڑ دیتی ہے' موت صرف یہ ہے کہ روح کا وہ تصرف بدن میں جس سے بدن کو جسمانی حیات حاصل تھی' جس تعلق کے طفیل بدن دنیا کی غذا کا محتاج تھا' یا اس کی گرمی سردی سے متاثر ہوتا تھا یا شب و روز کا محتاج تھا' روح کا وہ تعلق بدن سے توڑ دیا جاتا ہے اور بس' سرے سے تعلق نہیں ٹوٹتا' اب آگے جا کر اس بندھن کی صورتیں بدلتی جائیں گی۔

فرمایا۔ خود مختاری اور انسان = اللہ نے انسان کو اپنے فعل کا اختیار دیا اور تمام فرشتوں سے اس کی اطاعت کا عہد لیا کہ یہ جو کرتا ہے غلط یا صحیح' یہ پوچھنا میرا کام ہے لیکن یہ کرتا ہے یا جس کا یہ ارادہ کرتا ہے یا جس کے لئے ہاتھ پاؤں ہلاتا ہے' اس پر تم اعتراض نہیں کرو گے کہ یہ گناہ ہے یا ثواب ہے یا نیکی ہے یا غلط ہے' ظلم ہے یا انصاف ہے جو یہ کرنا چاہے گا تم رکاوٹ نہیں بنو گے لہٰذا انسان کے سامنے میدان عمل کھلا ہے وہ سجدہ کرتا ہے تو کوئی اس کی گردن پکڑ کر نہیں کرا سکتا اور اگر نہیں کرنا چاہتا تو کوئی اس کو بالوں سے پکڑ کر اسے جھکاتا نہیں' وہ حرام کھاتا ہے تو بھی اس کے پیٹ میں ہضم ہو جاتا ہے' حلال کھاتا ہے تو بھی ہضم ہو جاتا ہے' جو فرشتے نظام ہضم پہ یا حلق سے اتارنے پہ اس کی ڈسٹریبوشن پر لگے ہوئے ہیں' وہ اعتراض نہیں کرتے' حلال ہے یا حرام ہے' یہ اللہ کی مرضی۔ حرام پہ نتائج مرتب کرتا ہے یا حلال پہ وہ خود مرتب کرتا رہتا ہے۔ فرشتے نہیں روکتے کہ بھئی آج تم نے حرام کا لقمہ کھایا' یہ ہضم نہیں ہو گا ہم واپس کر رہے ہیں' ایسا نہیں کرتے تو اس بات کو واضح کرنے کے لئے رب کریم نے یہ مثال عطا فرمائی کہ لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں' ایک وہ جو اللہ کی نافرمانی میں اپنی کمر باندھ لیتے ہیں' ایمان سے محروم ہوتے ہیں' اطاعت الٰہی نہیں کرتے ایک طبقہ ایسا ہوتا ہے جو نہ صرف اطاعت کرتا ہے' بلکہ اطاعت الٰہی کے لئے کوشاں رہتا ہے' دوسروں کو بھی اللہ کی نافرمانی سے روکنے کی سعی کرتا ہے لیکن ایک تیسرا طبقہ بھی ہوتا ہے جو کہتے ہیں ہم تو گناہ کرتے نہیں کوئی کرتا ہے تو وہ اس کا جواب خود دے گا ہماری اس پر کیا ذمہ داری ہے وہ جانے اس کا کام جانے۔

فرمایا۔ آدمی جس چیز جس فن یا جس کمال کو حاصل کرنا چاہتا ہے' اس کے متعلق جاننا اور اس بارے میں علم رکھنا اتنا ہی زیادہ ضروری ہے' جتنا اس فن کے حصول کے لئے کوئی بھی

دوسری کوشش' اور جب تک آدمی کسی چیز کے متعلق صحیح طور پر واقفیت نہ رکھتا ہو' وہ اسے حاصل کرنے میں کامیاب کبھی نہیں ہوتا کیونکہ وہ اس کا تعین ہی نہیں کر سکتا کہ وہ اصل شے کیا ہے اور اس کے نام پر ممکن ہے غلطی سے کوئی اور چیز کوئی اور فن یا طریقہ اپنا لے جسے وہ اپنی مطلوبہ شے سمجھ رہا ہو اور خصوصاً علوم الٰہیات میں ایسا ہوتا ہے۔

لیکن معرفت باری کی استعداد اپنی حیثیت کے مطابق ہر انسان میں ہے' فطرتاً" تخلیقی طور پر اگر کسی کی عمر گناہ میں فسق و فجور میں یا اس سے بڑھ کر کفر میں بھی بسر ہو جائے تو جس آن اسے توبہ نصیب ہو' اس آن وہ سارے گناہ وہ ساری خطائیں ساری برائیاں سارا کفر دھل کر استعداد معرفت پھر ابھر آتی ہے چونکہ یہ ایک فطری جوہر ہے' انسان کا' انسانیت کا' تو استعداد معرفت تو یہ ہے لیکن انسان کی اپنی حیثیت سے ہے اور نبی رسول علیہ السلام صرف یہی استعداد معرفت لے کر نہیں آتے بلکہ انبیاء علیہما السلام خود معرفت ذات لے کر دنیا میں آتے ہیں۔

فرمایا۔ دانائی کا دعویٰ فطری = رب کریم ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر انسان کو یہ وہم ہوتا ہے کہ شائد میں بہت دانا آدمی ہوں' ہر انسان میں فطری وہم ہے' کسی کے بنانے سے نہیں بنتا' کسی کے سکھانے سے نہیں آتا بلکہ طبعی طور پر انسان کے اندر موجود ہوتا ہے وہ سمجھتا ہے میں بہت دانا آدمی ہوں' میں بہت سمجھ دار ہوں' دوسروں کی نسبت میں بہت عقل مند ہوں' اب اگر وہ کسی نیکی سے محروم رہتا ہے' بھلائی سے محروم رہتا ہے' ایمان سے محروم رہتا ہے' تو وہ سرے سے اس نیکی کو نیکی' ایمان کو ایمان قبول ہی نہیں کرتا۔ کوئی آدمی ایمان سے اس لئے محروم نہیں رہتا کہ وہ سمجھتا ہے کہ ایمان لانا تو اچھی بات ہے لیکن میں نہیں لاؤں گا بلکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں' یہ بے وقوف ہیں' میں جو ایمان نہیں لا رہا ہوں' میں درست کر رہا ہوں' ٹھیک کر رہا ہوں' اس کی دلیل اس کے پاس یہی ہوتی ہے۔

فرمایا۔ گناہ کے اثرات = یاد رکھیں گناہ کی دو صورتیں ہوتی ہیں' کوئی بھی کام کیا جائے اس کے دو اثر ہوتے ہیں ایک اثر خود کرنے والے پر مرتب ہوتا ہے ایک اثر ماحول پر مرتب ہوتا ہے ہم آگ جلاتے ہیں' دھواں بھی آئیگا ہمیں گرمی بھی پہنچے گی لیکن صرف ہمیں نہیں' ماحول کو بھی پہنچے گی ماحول میں بھی گرمی پھیلے گی' ہم پانی چھڑکتے ہیں' ہمارا کمرہ ٹھنڈا ہو گا لیکن وہ

ٹھنڈک ماحول میں پھیلے گی۔ اسی طرح ہم خطا کرتے ہیں' اللہ کے حکم کو توڑتے ہیں' گناہ کرتے ہیں' تو وہ جو دھواں اٹھتا ہے' صرف ہماری ذات کو متاثر نہیں کرتا' ماحول کو بھی کرتا ہے اور جزیرہ نمائے عرب کے جنوب مشرقی کونے پر سلطنت عمان میں ایک ایسا علاقہ موجود ہے جو آج بھی بڑا سرسبز ہے' بڑا شاداب ہے اور ندیاں بہتی ہیں' خوبصورت وادیاں ہیں' زرخیز زمینیں ہیں اور خود رو پھل جتنا اس علاقے میں ہوتا ہے' دنیا میں جہاں باغات لگائے جاتے ہیں' وہاں بھی اتنا نہیں ہوتا اس میں پالتو بھیڑیں اور بکریاں جو ہم گھروں میں رکھتے ہیں' ان کے جنگلی ریوڑ ہیں' لیکن کسی زمانے میں وہاں عذاب آیا' اللہ کریم نے ہر چیز تلخ کردی' انسان مر گئے' تباہ ہوگئے اس تلخی کا اثر یہ ہے کہ اس پورے علاقے کے پانی کا ایک قطرہ کوئی شخص زبان پر نہیں رکھ سکتا' سخت کڑوا ہے' کسی پھل کو کوئی انسان نہیں چکھ سکتا ہے' تلخ ہے' ان جانوروں کو ذبح کیا جائے' تو ان کا گوشت بھی تلخ ہے نہیں کھایا جاسکتا اگر غلطی سے وہاں کوئی چلا جائے' کوئی نہ کوئی چیز چکھ لے' پانی کا گھونٹ ہی بھر لے' تو ایک نیا مرض شروع ہو جاتا ہے' اس لئے عمان نے گرداگرد باڑ بنا دی ہے تاکہ لوگ اندر داخل ہی نہ ہو سکیں۔

فرمایا۔ تہذیبی تصورات = مغرب کے مورخین اور محققین کی تحقیق یہ ہے کہ انسان جنگلوں میں بستا تھا' جانوروں کی طرح رہتا تھا' اسے لباس بنانا' پہننا نہیں آتا تھا' برہنہ رہتا تھا لیکن ہمارا فلسفہ یہ ہے کہ پہلا انسان ہی مہذب تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام۔ نسل آدم جب پھیلی تو لوگ جنگلوں میں بھی ویرانوں میں بھی آباد ہوئے تہذیب سے دور ہوگئے' وہ لوگ آج بھی ہیں' آج بھی آسٹریلیا میں افریقہ میں اور ہمالایاز میں بھی ملتے ہیں' جو تہذیب سے دور ہیں' بے لباس رہتے ہیں' جو ملتا ہے کھا لیتے ہیں' لیکن اس بات پر دونوں مشرق و مغرب اور مومن و کافر متفق ہیں کہ انسان جب انسانی تہذیب سے دور ہوا تو علم سے بے بہرہ ہوا اور تہذیب سے محروم ہوگیا تو اسے لباس کی قید بھی نہ رہی' اخلاقیات سے بھی وہ عاری ہوگیا اور اسے کوئی تمیز نہ رہی بڑے چھوٹے کی تو اب مغرب ترقی کرتے کرتے کہاں پہنچ گیا کہ آج شہروں کے شہر بے لباس ہوگئے ہیں' وہ جاہل تھا نہیں سمجھتا تھا تو بے لباس تھا۔ انہوں نے ساری دنیا کے علوم پڑھنے کے بعد لباس اتار دیا' یہ تاریکی آج پہلی دفعہ نہیں بڑھی' نزول نبی علیہ السلام کے بعد اسی طرح یہ نظام چلتا آیا' تاریکی بڑھ جاتی' دل ویران ہو جاتے' اللہ کریم ایک مینارہ نور مبعوث

فرما دیتے' اپنا نبی بھیج دیتے' جن کے نصیب تھے' ان کے قلوب روشن ہو جاتے اور یوں بیلنس ہو جاتا' ایک دفعہ پھر حق' تہذیب' اخلاقیات' انسانیت' غالب آجاتی' اسی کا نام اسلام ہے پھر آخر انسانی مزاج ہے رفتہ رفتہ سستی آتی' پھر کفر تگڑا ہو جاتا اللہ پھر نبی علیہ السلام بھیج دیتے' مختلف اقوام میں' مختلف ممالک میں دنیا کے مختلف گوشوں میں سلسلہ نبوت چلتا رہا اور جو بھی ایمان لاتا ہے خود اللہ اس کا ولی ہے' ولایت کی نسبت اگر بندے سے اللہ کی طرف ہو' تو اس کی حیثیت کچھ اور ہے' اور ولایت کی نسبت اگر اللہ سے بندے کی طرف ہو تو اس کی عظمت کا کیا ٹھکانہ تو فرمایا جسے بھی ایمان نصیب ہوتا ہے میں اس کا ولی ہوں' وہ ولی اللہ ہے۔

پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد پوری دنیا بے چراغ ہو گئی' روئے زمین پر کوئی ایک آدمی ایسا نہیں تھا' جو بتا سکتا کہ اللہ کیسا ہے' اللہ کہاں ہے' اللہ کس بات پر راضی ہے اللہ کی عبادت کیسے کی جائے' جب گھٹا ٹوپ اندھیرا ہو گیا تو اللہ نے اپنا آخری نبی ﷺ پورے جہان کے لئے مبعوث فرما دیا کیونکہ تاریکی کسی مخصوص علاقے تک محصور نہیں تھی بلکہ ساری کائنات پر چھائی ہوئی تھی۔ اس لئے یہ نبوت بھی ساری کائنات کے لئے آگئی یہ نور بھی ساری کائنات کے لئے آگیا' نبی رحمت ﷺ کے ساتھ جنہیں ایمان نصیب ہوا یا ان کے بعد قیامت تک ہو گا' اللہ کریم فرماتے ہیں جسے بھی میرے نبی علیہ السلام پر ایمان نصیب ہو گیا' وہ ولی ہو گیا' ہر مومن ولی ہے اور اگر ولی نہیں ہے' تو اسے سوچنا چاہیے کہ کیا وہ مومن ہے؟ اس لئے کہ قرآن نے ایک پہچان دی اگر میں گمان کرتا ہوں کسی کے متعلق' میرا یقین ہے کہ یہ ولی اللہ ہے' تو صرف میرا یقین ہے اس کا نام لے کر اللہ نے نہیں بتایا کہ یہ میرا ولی ہے' یہ صرف میرا گمان ہے' یہ میرا حسن ظن ہے لیکن ہر کلمہ گو کے لئے اس نے بتایا کہ یہ میرے اولیاء ہیں۔

فرمایا۔ فکر و شعور = دراصل خدا نے فکر و شعور تو بخشا ہے لیکن یہ فکر و شعور یہ اپنی حدود' احکام الٰہی کے اندر رکھنے کے لئے ہیں فکر و شعور انسان کو اس لئے نہیں دیا گیا کہ یہ اللہ کے مقابل خود خدا بن بیٹھے' بلکہ یہ فکر و شعور اس لئے دیا گیا ہے کہ اس کی مدد سے عظمت باری کو دیکھ سکے یہ شعور انسان کو اس لئے بخشا گیا ہے کہ اس کی مدد سے اللہ کی عظمت کو جان سکے' یہ مصرف ہے اس کا۔ نہ یہ کہ خدا کے احکام کے مقابلے میں اپنی عقل سے کسی کام کو اچھا

سمجھے اور کسی کو برا کہہ دے۔ چونکہ امور میں جو باریکیاں ہیں جو ان کے نتائج و عواقب ہیں' ان سے خدا واقف ہے' مخلوق نہیں تو پھر جس کام کو کرنے کا جس انداز سے اللہ نے حکم دیا ہے اس کام کو اللہ کا حکم مانتے ہوئے' اس انداز سے کرنے کے لئے انسان کو شعور بخشا گیا ہے' اس کا مصرف یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا سمجھ لے' اور خود کسی بھی شے کا اچھا یا برا ہونے کا فیصلہ اپنے ہاتھ میں لے لے یہ گویا اس نے اللہ کی الوہیت کو للکارا ہے۔

فرمایا۔ دین میں جبر= اللہ کریم نے دو حق ہر انسان کو دے دیئے ہیں۔ ایک زندہ رہنے کا حق کہ بغیر اللہ کے حکم نے اس کی جان کوئی نہیں لے سکتا دوسرا عقیدہ اختیار کرنے کا حق کہ جو جی چاہے وہ عقیدہ اپنا لے اسے اللہ کے حضور جواب دینا ہے۔ اللہ کریم خود اس سے حساب کرلے گا' میں اور آپ کسی پر زبردستی عقیدہ مسلط کرنے کے مکلف نہیں ہیں۔ قرآن حکیم خود نبی رحمت دو جہاں ﷺ کو خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے لست علیھم بمصیطر۔ اے میرے حبیب ﷺ ہم نے آپ ﷺ کو ان پر کوئی تھانیدار یا داروغہ نہیں مسلط کیا کہ آپ ڈنڈا سوٹا مار کر کلمہ پڑھائیں' نہیں۔ بلکہ انما انت مذکر آپ ﷺ کا کام میری بات پہنچا دینا ہے' آپ ﷺ نصیحت پہنچانے والے ہیں۔ لست علیھم بمصیطر آپ ان پر داروغہ مقرر نہیں کئے گئے' کہ انہیں زبردستی اسلام کی طرف لائیں۔

فرمایا۔ طلب = یہ صرف چل کر آجانا یا آپ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم چل کر دارالعرفان آگئے تو ہم میں طلب ہے یہ چل کر جانا منظور نہیں' سب کے پاس لوگ جاتے ہیں' کس کے پاس نہیں جاتے تھے' تو یہ کیوں نہیں سکھاتے تھے' چل کر آجانا اور بات ہے اور طلب کا ہونا کچھ اور بات ہے۔

فرمایا۔ عمل کے امتحان = الا الذین امنوا و عملو الصلحت فلھم اجر غیر ممنون۔ ان کی عظمتوں اور بلندیوں کو ماپنے کا کوئی پیمانہ نہیں ہوتا' کہ اللہ کن عظمتوں پہ پہنچاتا ہے' کن بلندیوں پہ پہنچاتا ہے' اس کا کوئی پیمانہ نہیں ہوتا ان عظمتوں سے فرشتے بھی آشنا نہیں' لیکن انسان پالیتا ہے' یہ انسان ہے' جس کی قسمت میں اللہ کو روبرو دیکھنا ہے فرشتے کے لئے دیدار باری نہیں ہے' اور آخرت کی سب نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت

اللہ کریم کے رخ انور کا' اس کے جمال کا دیدار ہے' جو صرف انسان کا حصہ ہے اب اس سودا بازی میں آپ کیسا حلیہ بنائیں' بزرگوں جیسا' فقیروں جیسا' دس دس تسبیحاں گلے میں لٹکائیں' بال بڑھائیں' اور لال پیلے رومال باندھیں' جب تک دل کا معاملہ رب العالمین کے ساتھ صحیح نہیں ہے اس حلیے کی کوئی قیمت نہیں ہے اور اگر آپ کا معاملہ اللہ سے صحیح ہے' تو اس کو آپ کی عملی زندگی میں پرکھا جائیگا' صرف دعوے سے کام نہیں چلتا۔

فرمایا۔ احکامات کی پابندی = اس منزل تک پہنچنے کے لئے انسان کی ضرورت یہ ہے کہ وہ اس دنیا کو اس کی نعمتوں کو اس کے اسباب کو بھی حاصل کرے' استعمال بھی کرے لیکن اس کے حصول کا طریقہ اور اس کے استعمال کا طریقہ وہ ہو' جو اسے اس راستے پر چلنے میں مدد دے یعنی دو کام ہوتے رہیں' وہ روزی بھی کمائے تو وہ بھی عبادت میں شمار ہوگی اور مزدوری کرے تو بھی عبادت شمار ہوگی' وہ کاروبار کرے تو اسکے نتیجے میں اس کی آخرت بنے گی وہ کسی سے دشمنی کرے' تو اسکے نتیجے میں اس کی آخرت بنے' وہ سوئے یا جاگے کھائے یا وہ چھوڑ دے' تو اس کا ہر فعل جو ہے اس کے دائمی اور ابدی زندگی کو بنانے میں سنوارنے میں یا اس کو اپنی منزل تک پہنچانے میں معاون ثابت ہو۔

فرمایا۔ تعلق باللہ = اللہ کے ساتھ تعلق کا سب سے پہلا اثر جو انسان پر مرتب ہوتا ہے وہ اللہ کی عظمت کا احساس اور اس کے مقابلے میں اپنی کم حیثیتی اپنے بے مائیگی اپنی احتیاج اپنی کمزوری سامنے آجاتی ہے یوں تو بندے سب ہی اللہ کے ہیں مخلوق تو ساری اس کی ہے' یہاں بندے سے مراد وہ خاص بندے ہیں جنہوں نے حق بندگی بھی اللہ کے لئے مختص کر رکھا ہے اس کے علاوہ کسی کی بندگی نہیں کرتے' کسی سے امیدیں وابستہ نہیں کرتے' کسی کے خوف میں آکر اللہ کی نافرمانی پہ کمربستہ نہیں ہوجاتے' کسی لالچ میں آکر اللہ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرتے یعنی بندگی کی جتنی صورتیں ہیں انہوں نے اللہ کریم کے لئے مختص کر رکھی ہیں اور وہ بجا طور پر اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں اللہ کے بندے کہا جائے' ورنہ بندے تو سارے اسی کے ہیں۔

فرمایا۔ انسانی تقویم = اللہ جل شانہ کا یہ ارشاد گرامی کہ انسان کو بہترین تقویم پر پیدا کیا' کوئی بھی آمیزش جو مختلف چیزوں کو ملا کر بنتی ہو' تقویم کہلاتی ہے اس میں ان اشیاء کو کس

اندازے سے ملا کر بنایا مثلاً طب کا کوئی نسخہ لے لیں تو یہ چند چیزوں کی ایک تقویم ہے کہ کس کا کتنا وزن ہے' اس کے اثر کا سارا دارومدار اس تقویم پر ہوتا ہے اگر وہی چند چیزیں ترتیب بدل کر ملا دیں' تو تب اثر نہیں ہوتا شائد نقصان دے یعنی مختلف اقسام کی اشیاء کو اس انداز سے ملایا جائے کہ وہ ایک نفع بخش چیز بن جائے رب کریم فرماتے ہیں کہ جو اوصاف میں نے انسان کی تخلیق میں ملائے ہیں اور جس انداز سے ملائے ہیں کائنات میں اتنا خوبصورت کوئی آمیزہ میں نے نہیں بنایا ہے' ایک خوبصورت مخلوق ہے اور جس میں کمال یہ ہے کہ کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کر سکتا اور جو حکم ملتا ہے وہی کرتا ہے۔ تو پھر انسان کو شائد عبادت میں فضیلت ہوگی' یہ اللہ کریم کی عبادت کرتا ہے اور مخلوق نہیں کرتی' ایسی بھی کوئی بات نہیں انسان گنتی کے چند سال یا چند مہینے دنیا میں رہتا ہے' اور فرشتے جب سے اللہ نے پیدا کئے' سوائے تسبیح کے ان کا کوئی کام ہی نہیں ہے اور جو کام کرتے ہیں وہ بھی سوائے اطاعت الٰہی کے دوسرا کام نہیں کر سکتے' جو رکوع میں کھڑے ہیں' رکوع میں رہیں گے' جو سجدے میں ہیں' وہ ہمیشہ سجدے میں رہیں گے' عبادات میں تو سرتابی نہیں کرتے' ان کی زندگی ہزاروں کروڑوں برسوں پر محیط ہے تو پھر انسان کی فضیلت کیا ہے' انسانیت ایک ایسی مخلوق ہے جسے وہ شعور بخشا گیا ہے کہ یہ اپنی حیثیت کے مطابق اللہ کی عظمت کو جان سکتا ہے اور یہ وہ راز ہے جسے نہ فرشتہ سمجھ سکتا ہے' نہ جن' نہ حیوان' نہ زمین' نہ آسمان' نہ کوئی دوسری مخلوق۔ ساری مخلوق وجود باری کا اقرار کرتی ہے' اللہ کے حکم کی اطاعت کرتی ہے لیکن ذات باری سے آشنائی کا دعویٰ نہیں کر سکتی' نہ ان میں یہ شعور ہے' نہ ان میں یہ جرات ہے' نہ اس کی قوت برداشت ہے تجلیات ذاتی کو انسان کے سوا دوسری مخلوق برداشت نہیں کر سکتی۔ یہ ایک وصف ہے انسان میں اور یہ مطلق انسان میں ہے' اس لئے اگر کوئی بھی شخص مدتوں کافر رہے اور اسے ایمان نصیب ہو جائے' تو اس کا قلب منور ہو سکتا ہے۔ وہ سارے انعامات قرب اور سارے منازل قرب جتنے اللہ اسے نصیب کرے' وہ حاصل کر سکتا ہے' یعنی وہ انسانی خصوصیت اس میں موجود رہتی ہے' تا آنکہ کسی کا خاتمہ کفر پر نہ ہو ہاں اگر کفر پر کسی کی موت واقع ہو جائے تو پھر یہ استعداد سلب ہو جاتی ہے اس لئے کہ فیصلہ سنا دیا گیا کہ کفر پہ مرنے والوں کو کبھی نجات نصیب نہیں ہوگی' دراصل وہ استعداد ان سے سلب ہوگی جس پر مدار نجات تھا' یا جو اللہ کی طرف لے

جانیوالی چیز تھی یا جو تجلیات باری کو برداشت کرنیوالی چیز تھی' وہ سلب ہوگئی اور ان کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہوئی۔ صرف یہی ایک فضیلت انسان کے پاس ہے۔

فرمایا۔ انسانی مزاج کی صحت = قلب انسانی اگر درست ہو اور وہ اپنی اصلی حالت پہ قائم رہے تو اس کو نیکی کی بھوک لگتی ہے' جیسے بدن کی صحت ہوتی ہے اگر صحت مند بدن ہو' تو وہ میٹھی اور کڑوی لذیذ اور بے ذائقہ اشیاء میں بڑی اچھی طرح تمیز کرتا ہے لیکن جب صحت بگڑتی ہے تو قوت ذائقہ بھی مجروح ہو جاتی ہے اور آپ دیکھیں گے کہ بیمار آدمی کو دودھ بھی پلایا جائے تو بخار میں مبتلا انسان اسے کڑوا محسوس کرتا ہے' آپ میٹھے پھل دے دیں' تو اسے بے ذائقہ لگتے ہیں' اس لئے نہیں کہ اس پھل میں لطف نہیں رہا' یا دودھ میں کڑواہٹ آگئی بلکہ اس کے لئے کہ اس کی قوت ذائقہ بگڑ گئی ہے' اسی طرح جب انسان کا دل بگڑتا ہے' تو اس کا اثر اس کی نگاہوں پر یہ پڑتا ہے کہ اسے اچھائی میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوتی واقعی جو چیز اچھی اور حسین ہے تو اسے حسین نظر نہیں آتی' قباحتیں اور بد صورتی اسے پسند آنے لگتی ہے کیونکہ مزاج یعنی قلب کی خرابی کی وجہ سے اس کو قباحتیں خوبصورت لگتی ہے اور یہ انسان کی تباہی اور بربادی کا راستہ ہے۔

فرمایا۔ اطاعت و عبادت = اللہ جل شانہ نے خالق اور مخلوق کے تعلقات کا ایک اصول ارشاد فرمایا ہے۔ خالق اپنی ذات میں اپنے اوصاف میں یہ شان رکھتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور مخلوق کا اس کے ساتھ تعلق یہ ہے کہ وہ ہر آن اس کی اطاعت کرتی رہے۔ انسان اشرف المخلوقات بھی ہے اور فہم و شعور بھی رکھتا ہے' باقی مخلوق جمادات نباتات کو آپ دیکھیں ستاروں اور سیاروں کو دیکھیں تو اگرچہ وہ مثالی اطاعت کرتے ہیں ایک ایک ذرہ لا تتحرک ذرہ الا باذن اللہ۔ اللہ جل شانہ کے حکم کے بغیر حرکت نہیں کرتا' اور تخلیقی طور پر کرنا پڑتی ہے اس کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ کار نہیں ہے یہ اطاعت کرنا ان سب کی مجبوری ہے۔ جب انسان کو یہ شرف عطا ہوا' تو کائنات کی ہر چیز کو اس دنیا میں بھی انسان کی خدمت پر لگا دیا گیا کیونکہ حاصل کائنات تو انسان ہے جو اللہ کے روبرو کھڑا ہوگا' باقی ساری کائنات انسان کی خدمت پر مامور ہے' خواہ بارش ہو' یا بادل ہو' سورج ہو یا چاند' آسمانی مخلوق ہو یا زمینی مخلوق ہو' وہ سیارے ہوں یا ستارے تمام ستاروں اور سیاروں کی توجہ کا مرکز زمین

ہے' کسی کے اثر سے اس میں روئیدگی ہوتی ہے' کسی کے اثر سے اس میں پھل پکتے ہیں' کسی کے اثر سے اس میں موسم بدلتے ہیں' کسی کے اثر سے کوئی اور نتیجہ برآمد ہوتا ہے' کسی دوسرے ستارے یا سیارے کی توجہ سے دوسرا نتیجہ برآمد ہوتا ہے اور یہ ساری تبدیلیاں یہ سارے کام یہ ساری بہاریں ایک انسان کی خدمت کے لئے کمربستہ نظر آتی ہیں' اس لئے کہ انسان ہی حاصل کائنات ہے' جسے خالق کائنات کے روبرو پہنچنا ہے باقی ساری کائنات راستے میں اپنی اپنی منزل ختم کرکے دم توڑتی نظر آتی ہے اور جب انسان کا سفر ختم ہوگا دنیا میں کسی انسان کو آکر رہنا نہیں ہوگا تو یہ کتنی قیمتی تخلیق ہے' کتنی وسیع تخلیق ہے' جسے اللہ کے سوا کوئی سمجھ نہیں سکتا' اس سارے کی بساط لپیٹ دی جائیگی۔

فرمایا۔ نفع انسانی = اللہ جل شانہ کی بنائی ہوئی اس کائنات میں انسان کو گوناگوں اوصاف عطا ہوئے ہیں اور بنیادی طور پر ہر آدمی نفع کمانے کی دھن میں پوری زندگی بسر کردیتا ہے' ذاتی معاملہ ہو' خاندان کا ہو' اولاد کا ہو' احباب کا ہو' قوم کا ہو' یا ملک کا ہو' کوئی باشعور شخص عملاً نقصان کی طرف نہیں جاتا' ارادتاً" کوئی شخص نقصان اٹھانے کے لئے محنت نہیں کرتا' یہ انسانی مزاج ہے' یہ اور بات ہے کہ بعض دفعہ نادانی سے یا غلطی سے نقصان ہوجائے لیکن نکلتا نفع کی طلب میں ہے لیکن اصول یہ ہے کہ ہر کام میں نفع کمانے کا کوئی طریقہ ہے' اس قاعدے اور اس سلیقے سے اگر وہ کام کیا جائے تو اس پر نفع مرتب ہوتا ہے لیکن اگر قواعد وضوابط کے خلاف آدمی کسی نشیب و فراز کی پرواہ کئے بغیر بھاگتا چلا جائے تو اس کی سلامتی مشکوک ہوجاتی ہے کسی بھی کام میں آپ اس کے قواعد وضوابط کا لحاظ نہ رکھیں اور اسے بے دھڑک کرنا شروع کردیں' تو اس میں نفع کی امید کم ہوتی ہے امور دنیا میں نفع و نقصان کا تجزیہ کرنا یہ دماغ کا کام ہے دنیا مادی ہے اس کی چیزیں مادی ہیں' عقل خود مادی ہے' ذہن انسانی خود مادی ہے' اور اس کے لئے دماغ عطا فرمایا ہے رب کریم نے کہ دنیا اور دنیا کے اجزاء کا تجزیہ کرکے نفع و نقصان میں تمیز کرے اور نقصان سے بچنے کے انداز اور نفع کمانے کے طریقے سیکھے اور اس پر عمل کرے۔ اگر تو زندگی محض حیوانی زندگی کی حد تک رہے تو پھر اس کی رہنمائی کے لئے دماغ کافی ہے لیکن انسان ایک عجب شاہکار ہے رب جلیل کا بنایا ہوا کہ بستا تو فرش خاک پر ہے لیکن اس کا یہ اٹھنا' بیٹھنا' کھانا' پینا' چلنا' پھرنا اور امور دنیا کو انجام دینا صرف

اس فرش خاک کو متاثر نہیں کرتا بلکہ بالائے افلاک کو متاثر کرتا ہے یہ ایسی عجیب مخلوق ہے اللہ کی کہ اس کی حرکات و سکنات اس کے ارادے' اس کی خواہشیں' اس کی آرزوئیں عالم بالا تک متاثر کرتی ہے۔ دیکھیں' ہر انسان کی آرزو عالم آب و گل میں کوئی ہلچل پیدا کرتی ہے' کسی شے کو وہ لینا چاہتا ہے' کسی کو وہ چھوڑ دینا چاہتا ہے' اور اشیا اس عالم آب و گل میں بچی ہیں ان میں تحرک پیدا ہوتا ہے' کہیں سے وہ راستہ بناتا' اتنا اثر تو ہر حیوان کی حرکت سے ہوتا ہے' جنگل کا درندہ بھی جب حرکت کرتا ہے تو کہیں سے گھاس کچلی جاتی ہے' کہیں سے جھاڑیاں ٹوٹتی ہیں' کہیں کوئی کمزور جانور اس کا شکار ہوتا ہے' کہیں خون گرتا ہے' کہیں سے پانی پیتا ہے' کہیں پتھر لڑھکتا ہے' اور کہیں آرام کے لئے جگہ بناتا ہے' تو عالم آب و گل میں تو حرکت اس کی حرکتوں سے بھی پیدا ہوتی ہے۔

لیکن انسان تخلیق باری کا وہ شاہکار ہے کہ اس کا وجود انہی عناصر سے بنا ہے جو مادی ہے' لیکن اس میں اصل انسان ہے جسے ہم سمجھ سکتے ہیں یا کہہ سکتے ہیں یا اصل خزانہ جو اس مشت خاک میں ہے وہ براہ راست عالم امر سے متعلق ہے' قل الروح من امر ربی اور عالم امر کی حدود بہت بالاتر ہیں' اگر آپ اندازہ کرنا چاہیں تو یوں سمجھئے کہ پہلے عرش کی ابتداء جہاں سے ہوتی ہے' اس کا فاصلہ زمین سے روح کی رفتار سے پچاس ہزار سال کا ہے۔ روشنی کی رفتار جو ہمارا ایک سائنٹیفک پیمانہ ہے' اس سے روح کی رفتار کروڑوں گنا تیز ہوتی ہے اور محققین فرماتے ہیں اگر کسی کامل کی صحبت میسر نہ ہو اور کوئی شخص توجہ دے کر روح کو احدیت تک نہ پہنچادے تو از خود آدمی کتابوں سے پڑھ کر سن کر' اذکار شروع کردے' لطائف اس کے منور بھی ہوں' اس کی روح اپنی قوت سے سفر کرنا شروع کردے تو احدیت تک پہنچنے کے لئے اسے پچاس ہزار سال چاہئے ہوں گے' اور وہ بھی تب جب ان پچاس ہزار سالوں میں سوائے مراقبے کے اسے اور کوئی کام نہ ہو' یعنی پچاس ہزار سال مسلسل روح کے سفر کے چاہئے ہوں گے' تب جاکر کہیں وہ احدیت پہ پہنچ سکے گا اور یہی عالم امر کی طرف پرواز کا پہلا مقام ہے۔

فرمایا۔ مناجات = ہر شخص کی اپنی استعداد ہے' اپنے رب سے بات کرنی ہے' ضرور کرو' لیکن اپنے رب سے کرو' دوسرے لوگوں کو پریشان مت کرو' ایسا نہ ہو کہ آپ شور کرنا

شروع کردیں' چلانا شروع کردیں' رو رو کر دعائیں مانگیں 'رونا ہے رو لیکن اپنے رب کے پاس رو' ہمیں مت سناؤ ہم تو رونے پر خوش نہیں' ہم کیا دیں گے ہم تو خود لینے والے ہیں' مخلوق تو خود محتاج ہے' مخلوق کسی کو کیا دے گی' لٰہذا یہ احتیاط رہے کہ کوئی بھی ساتھی اپنی دعا اپنے معمولات اپنے ذکر کی وجہ سے کسی دوسرے کی دعا یا اس کی مناجات کو خراب نہ کرے' اپنا معاملہ اپنے رب سے کرے۔

فرمایا۔ انسان کائنات اور خالق کل = جس نے مخلوق کو پیدا فرمایا اپنی پسند سے ان میں صفات تقسیم کیں' استعداد بخشی' ان میں ضرورتیں بانٹیں' اور انہیں پورا کرنے کی استعداد بخشی اپنی پسند سے اس نے زمین و آسمان بنائے ان میں مختلف مخلوق کو بسایا' اس سارے نظام میں اس نے اس سارے نظام کا خلاصہ اور جامع بنا دیا' جتنی اشیاء پوری کائنات میں ہیں اس سے کہیں وسیع تر ایک انسانی جسم میں سمو دیا' جس طرح فضا کے رنگ بدلتے ہیں اسی طرح انسانی مزاج بدلتے ہیں جس میں بخارات بارش اور روئیدگی ہوتی ہے انسانی نظام بھی سارا اسی طرح سے چلتا ہے جس طرح زمین میں بسنے والوں میں تفاوت اور تفرق ہے اسی طرح ایک انسانی وجود میں بے شمار ایسی مخلوق ہیں جس کے اپنے اپنے کام ہیں۔

فرمایا۔ یہ دنیا دار ابتلا ہے امتحان کی جگہ ہے آزمائش کی جگہ ہے اور انسان کو اللہ جل شانہ نے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے اور اس قدر شعور و آگہی سے نوازا ہے کہ انسان ہی واحد مخلوق ہے جو عظمت باری کو باقی مخلوق کی نسبت بہت زیادہ سمجھ اور جان سکتی ہے کیونکہ معرفت الٰہی کا سب سے بڑا دروازہ نبوت ہے اور انبیاء علیہم الصلوہ نوع انسانی میں گزرے ہیں اور کسی نوع کو نبوت سے سرفراز نہیں فرمایا گیا' لٰہذا معرفت باری کی استعداد بھی سب سے زیادہ انسان ہی میں ہے پھر انسان ہی وہ مخلوق ہے جسے اللہ جل شانہ نے اس عالم مادی میں اپنے خطاب سے نوازا ہے اور اس میں یہ استعداد رکھی ہے کہ وہ اس کی ذاتی تجلیات کو اپنے قلب میں اپنے دل میں اپنے باطن میں سمو سکتا ہے۔

فرمایا۔ انسان و شیطان = انسان مزاجاً" اور ہر دور میں مفاد کا طالب رہا ہے' اور دنیا میں جو شخص بھی عمل کرتا ہے' اس کے پیش نظر مفاد حاصل کرنا ہوتا ہے' اللہ جل جلالہ نے انسان

کو خبردار کیا ہے کہ تمہارے ساتھ اس عالم آب و گل میں اس عالم رنگ و بو میں شیطان بھی بستا ہے اور شیطان انسان کا پکا دشمن ہے اس کی دشمنی میں بھی کمی واقع نہیں ہوتی حتی کہ اگر کوئی انسان اس کی پرستش شروع کر دے' خدا کو چھوڑ کر اس کو پوجنے لگے تو بھی یہ اس سے راضی نہیں ہوتا اس کے ساتھ بھی دشمنی کیے جاتا ہے' کیونکہ یہ انسان کا دشمن ہے خواہ وہ کیسا بھی ہو' اس کی بات مانتا ہو تو بھی یہ دشمنی کرتا ہے اس کی بات نہ مانتا ہو تب بھی یہ دشمنی کرتا ہے۔

اب اس کی دشمنی کا سب سے موثر ہتھیار جو ہے وہ ینزع بینھم کہ یہ لوگوں کے درمیان مفادات کا ٹکراؤ پیدا کرتا ہے' ایک شخص کو یقین ہوتا ہے کہ میرا فائدہ اس طرح چلنے میں ہے' دوسرے کو یقین ہوتا ہے کہ مجھے اس طرح جانے سے کچھ حاصل ہوگا تو جب مفادات میں ٹکراؤ آتا ہے تو وہ دونوں اپنے اپنے راستے کو بہتر راستہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہاں سے جھگڑا کھڑا ہو جاتا ہے۔

فرمایا۔ نیکی کا مطلب = نیکی کیا ہے ہر وہ کام جو اللہ کے لئے ہو' اور اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق ہو' کسی بھی کام کے نیکی ہونے کی دو شرطیں ہیں' ایک تو وہ کام خالص اللہ کے لئے کیا جائے' اور کوئی مقصد نہ ہو' اس میں نہ دنیا کمانا یا عزت کا مقام نہ دولت نہ اس میں کوئی ریا نہ دکھلاوا نہ شہرت' کوئی شے نہ ہو' اس میں وہ کام اس لئے کیا جائے کہ میرا اللہ مجھ سے راضی ہو اور میرا اللہ قبول کرے' اور پھر اس طرح کیا جائے جس طرح کرنے کا طریقہ اللہ کے رسول ﷺ نے سمجھایا' یہ دو بنیادی اوصاف ہیں' جو جس کام میں پائے جائیں وہ کام نیکی ہوگا اللہ فرماتے ہیں کسی کی نیکی کبھی ضائع نہ کی جائے گی' اس پر ضرور اجر مرتب ہوگا اور یہی سارے سلوک اور تصوف کا حاصل بھی ہے۔

فرمایا۔ علم و عمل = اس میں لوگوں کے کردار پر مرتب ہونے والے نتائج اور عمل کے انجام کی خبر دی ہے' ہوتا یہ ہے کہ جب شعور بخشا گیا کہ وہ اپنے لئے راستہ منتخب کر سکے تو پھر قوت عمل بھی دی گئی اور اس کی قوت عمل اس کے شعور کے تابع کر دی گئی' اور اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے انسان کے علاوہ جو مخلوق ہے اس کا عمل اس کی جبلت کے تابع ہے' قدرتی طور پر ہر جانور کو اللہ نے کچھ خاص عادات عطا فرما دی ہیں اور وہ اس طرح کرنے پر مجبور ہیں'

اس کا مزاج ہی ایسا ہے کہ اس طرح سے کرتا رہتا ہے۔ انسان کے ساتھ یہ پابندی نہیں ہے بلکہ میں نے شائد اسرار التنزیل میں کہیں لکھا بھی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا تو سجدہ کمال اطاعت کی دلیل ہے اس سے مراد یہی تھی کہ حضرت آدم علیہ اسلام معبود نہیں تھے مراد یہی تھی کہ دنیا میں ہر عمل جو ہے اس کا اظہار تو مخلوق سے ہوتا ہے لیکن اس عمل کو انجام دینے والے فرشتے ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ بارش برستی ہے تو ایک ایک قطرے کو اس کی جگہ پر پہنچانا یہ فرشتوں کا کام ہوتا ہے' ایک ایک قطرے کے ساتھ ایک ایک فرشتہ ہوتا ہے' ایک غذا کھانے کے عمل کو کھانے سے چبانے حلق سے اتارنے معدے میں پہنچانے اسے معدے میں حل کرنے پھر اس سے مختلف اجزاء کو تقسیم کرنے اور پھر اس سے گوشت خون ہڈیاں بنانے کا ہر ہر عمل جو ہے اس پر الگ الگ فرشہ متعین ہے صحت و بیماری کا جو مسئلہ ہے اس میں مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اللہ کریم جب کسی کو بیماری میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں تو کسی ایک عمل پر ڈیوٹی والے فرشتے کو روک دیتے ہیں یا سست فرمادیتے ہیں وہ اپنے کام میں سستی کرنے لگتا ہے یا جس حد تک اسے اجازت ہوتی ہے' اتنا دکھاتا ہے وہ عمل جب بدن میں سست ہوتا ہے دوسرے عمل اس کی نسبت زیادہ ہوتے ہیں' تو وہ ان بیلنس ہو کر بیماری پیدا ہوتی ہے' جب رب کریم چاہتے ہیں اسے شفا ہو اسے حکم دے دیتے ہیں وہ اپنی ڈیوٹی پوری طرح ادا کرنے لگ جاتا ہے۔

فرمایا۔ اللہ کی عظمت = انسان ان ساری تخلیقات میں ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے' سب سے بڑا کمال اللہ نے جو اس میں سمو دیا ہے' وہ اللہ کی عظمت سے آشنائی کا شعور اور قوت ادراک ہے' جو باقی کسی مخلوق میں نہیں' ساری مخلوق حکم کی اطاعت کرتی ہے لیکن اسے یہ شعور و ادارک عطا فرما کر کائنات بسیط میں چھوڑ دیا گیا۔ اب اس کا جی چاہے' تو مخلوق کے حسن میں الجھ جائے یا اپنے شعور ادراک کی بلندیوں سے کام لیتے ہوئے مخلوق کو چیرتا پھاڑتا پیچھے چھوڑتا ہوا خالق کائنات کے دروازے پر جا کھڑا ہو اور جب اس کا سر جھکتا ہے تو حکم کے سامنے نہیں جھکتا بلکہ حاکم کے سامنے جھکتا ہے۔

فرمایا۔ نور ایمان = یہ صرف نور ایمان ہے' جو انسان کو وسعت نظر دیتا ہے اور نبی علیہ السلام سے یہ نور یہ نعمت نصیب ہوتی ہے' کہ یہی تنگ ظرف انسان اتنا وسیع النظر ہو جاتا ہے

کہ محض اللہ کے لئے دو عالم سے ہاتھ اٹھالیتا ہے وہ کہتا ہے کہ مجھے دونوں جہان نہیں چاہئیں مجھے محض اللہ کا قرب چاہئے' خداوند عالم نے دو اختیار اپنی طرف سے بخشے ہیں ایک زندہ رہنے کا حق اور دوسرا مذہب اختیار کرنے کا زندگی وہ خود عطا فرماتا ہے اور اسے لینے کا حق بھی اسی کو حاصل ہے وہ ادارے جو اللہ کے قانون کو نافذ کرنے کے لئے ہیں اللہ کے حکم کے مطابق وہ کسی کو موت دیں تو درست ہوگا ورنہ انسانی قتل ہوگا اسی طرح مذہب اپنانے کا حق بھی ہر انسان کا ذاتی فعل و عمل ہوگا۔

فرمایا۔ احسن تقویم = آپ تجربہ کر کے دیکھیں' وجود انسانی میں اللہ جل شانہ نے اتنے کمالات رکھے ہیں جتنے دنیا کی دوسری مخلوق میں نہیں ہیں۔ یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ کسی بوٹی میں کسی درخت میں کسی ٹیکے میں کسی انجکشن میں کسی غذا میں کسی دوا میں اتنا کمال نہیں ہے جتنا وجود انسانی کے اندر موجود ہے کیونکہ یہ سب سے بہترین تخلیق ہے' رب العالمین کی لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ اللہ نے ایسا وجود پیدا کر دیا اور جتنے کمالات جداگانہ باقی مخلوق میں ہیں رب العالمین نے انسانی وجود میں بیک وقت سمو دیئے ہیں۔ دنیا میں صرف دو طرح کے انسان ہیں ایک وہ جو اللہ کی اطاعت کر کے اسے راضی کر لیتے ہیں ایک وہ جو نافرمانی کر کے اللہ کو ناراض کر لیتے ہیں وہ ٹھکانہ دو حصوں میں تقسیم ہے ایک حصہ ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اللہ کی اطاعت کا راستہ اپنایا وہ اپنی صحیح منزل پر پہنچ گئے' جنہوں نے اللہ کی نافرمانی کی وہ بھی اس نظام سے نہیں نکل سکتے' پشت پدر سے آئیں گے شکم مادر سے آئیں گے' دنیا میں رہیں گے' موت کی وادی سے گزریں گے' میدان حشر میں جائیں گے' کسی جگہ سے وہ بھی بھاگ نہیں سکتے' آخر اپنے ٹھکانے پر پہنچیں گے لیکن وہ ٹھکانہ کوئی اچھا نہیں ہوگا۔

فرمایا۔ انسان کچھ نہ ہونے کے باوجود تمام کمالات کو اپنی طرف منسوب کئے جاتا ہے میں نے یہ کیا ہے' میں نے وہ کر دیا' میرا علم اتنا ہے' میری دولت اتنی ہے' میرا عہدہ اتنا ہے' اس ''میں'' کو درمیان سے ہٹاؤ تو باقی کیا رہ جاتا ہے اللہ کا مال اتنا ہے اللہ کا دیا ہوا علم ہے اللہ کی دی ہوئی برکت ہے اللہ کا دیا ہوا عہدہ ہے پھر کوئی فاصلہ ہے' صرف اپنے آپ کو اپنا وجود جو ہے یہ دیوار بنا ہوا ہے یہی پردہ ہے' یہی حجاب ہے ذرا سرکاؤ' تو سامنے اللہ ہے' اللہ کے بغیر تو کچھ

نہیں رہ جاتا ہے۔

فرمایا۔ انسانی اشتراک = انسانی مزاج ہے کہ وہ ہمیشہ سے کسی نادیدہ طاقت کا اور مدد کا خواستگار رہا ہے بڑی عجیب بات ہے کہ تہذیب کے مختلف ادوار سے گزرا' آج بھی موجودہ عہد اب کہ پوری دنیا ایک خاندان کی طرح بن چکی ہے' تہذیبیں بھی ایک دوسرے سے کوسوں دور ہیں' آج کے دور میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو آدمیوں کا گوشت کھاتے ہیں' آدمیوں کا شکار کرتے ہیں' ایسے لوگ پائے جاتے ہیں' جن کے پاس لباس نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی' ایسے لوگ بھی ہیں' جن کی زندگی درندوں اور جانوروں کی طرح مختلف تہذیبوں میں فرق ہے' ایک قوم کے پاس ایک کام انتہائی بد تہذیبی ہے اور دوسری قوم کا وہی تہذیب کہلاتا ہے۔ عقائد و نظریات میں زمین آسمان کا فرق ہے کفر اور اسلام کا فرق ہے' حق اور باطل کا فرق ہے۔ انسانی مزاج میں یہ خواہش کہ کوئی نادیدہ قوت جسے میں دیکھ نہیں سکتا لیکن وہ سب کچھ یا میرے وہ امور جو پیش آنے والے ہیں' جو غیب میں ہیں' میں نہیں جانتا' میرے لئے کیا ہونے والا ہے' لیکن وہ طاقت جانتی ہے' میں نہیں سمجھتا کہ مجھ پر کوئی مصیبت آرہی ہے اور اگر آرہی ہے تو اس سے بچنے کا کیا طریقہ ہے لیکن وہ طاقت جسے میں دیکھ نہیں سکتا' اس میں وہ قوت ہے کہ وہ جانتی بھی ہے کہ مجھ پر کہاں سے مصیبت آرہی ہے اور اسے تبدیل بھی کر سکتی ہے' ٹال بھی سکتی ہے یا مجھے تحفظ دے سکتی ہے یا مجھے انعام دے سکتی ہے۔ اس طاقت کی مدد اور اعانت چاہئے یہ تمام تر تہذیبی اور عقیدے کے فرق کے باوجود سب انسانوں میں یہ خواہش موجود ہے۔

فرمایا۔ انسان کو اللہ نے اپنی ذات کے بارے شعور دیا ہے لیکن باقی ساری مخلوق کا شعور اللہ کی ذات میں فکر کرنے کی استعداد نہیں رکھتا' جو شعور انسان کو عطا ہوا ہے' وہ اتنا اعلیٰ وارفع ہے کہ یہ ذات باری میں فکر کرتا ہے' اللہ کون ہے' اللہ کیسا ہے' اس کی ذات کیسی ہے اور اس کی صفات کیسی ہیں۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جس کو یہ اعلیٰ پائے کا شعور دیا گیا' وہی اس کی ذات سے بے بہرہ ہو جائے اور اس کے دروازے سے بھٹک کر غیروں کے دروازے پر دھکے کھاتا پھرے' اللہ جل شانہ کی ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے مربوب' اپنے بندے کی ضرورت کو پورا فرمائے' بندے کی بنیادی ضرورت ہے' کہ وہ اپنے مقصد تخلیق سے آشنا ہو'

بندے کا مقصد حیات ہے اپنے خالق سے ملنا' بندے کا مقصد حیات ہے کہ وہ اپنی عاقبت' اپنی زندگی میں کامیابی حاصل کرلے لیکن اس مقصد حیات کو پانے کے لئے اس کے پاس میدان عمل یہی دنیا ہے اور بندے کا جو دنیوی کردار ہے' اگر اس میں راستہ نہیں ہے تو آخرت کے لئے اس کے پاس اور کوئی راستہ نہیں کہ کہیں اور سے جا کر وہ آخرت پالے یا کہیں اور سے جا کر معرفت الٰہی حاصل کرکے یا کسی اور ذریعے سے اپنا مقصد تخلیق حاصل کرلے۔

فرمایا۔ انسان اور روشنی = جہاں تک عبادات کا تعلق ہے عقیدے کا تعلق ہے' تو عقیدہ زبردستی نہیں منوایا جا سکتا' صرف پیش کیا جا سکتا ہے' دعوت دی جا سکتی ہے' اس کے بعد اللہ نے اختیار دیا ہے کوئی چاہے تو قبول کرلے اور نہ ماننا چاہے تو نہ مانے وہ خود اللہ کے ہاں جواب دہ ہوگا۔ اذ کنتم اعداء۔ سب ایک دوسرے کے دشمن تھے' اس لئے کہ اگر تعلق اللہ کے لئے نہ ہو اور اس سے دنیاوی اغراض وابستہ ہوں' تو وہ دوستی نہیں ہوتی' وہ ایک کاروبار ہوتا ہے' مفادات کا سودا ہوتا ہے' وہ محبت نہیں ہوتی' ضرورتیں ہوتی ہیں' اور وہ ضرورتیں جو مفادات کے لئے اور دنیاوی اغراض کے لئے ہوتی ہیں' وہ لوگوں کو اکثر اوقات دوسروں کے حقوق چھیننے پر جمع کردیتی ہیں' جیسے چوروں میں بھی دوستی ہے' ڈاکوؤں میں بھی دوستی ہوتی ہے ایک دوسرے کے لئے جان قربان کردیتے ہیں اور ممالک میں حکومتوں میں' قوموں میں بھی دوستی ہوتی ہے کہ سب مل کر کسی تیسرے کا گھر اجاڑ دیتے ہیں اس سارے عمل کو قرآن حکیم نے دوستی نہیں کہا۔

باب۔ 14

انسانی کیفیات و شیطانی کمالات

فرمایا۔ انبیاء کے انوارات اور ان کی برکات = انبیاء کے مختلف درجے ہیں' کچھ نبی وہ ہیں جو صاحب شریعت نہیں ہوتے بلکہ پہلے سے جو نبی شریعت لایا ہوتا ہے' اس کی تائید کے لئے مبعوث کئے جاتے ہیں اور اسی شریعت کی تعلیم کو زندہ کرتے ہیں اور کچھ نبی علیہ السلام وہ ہوتے ہیں جو صاحب شریعت ہوتے ہیں جو کسی دوسری شریعت کے احیاء کے لئے مبعوث نہیں ہوتے بلکہ خود شریعت لے کر مبعوث ہوتے ہیں علاوہ ازیں کچھ وہ رسول ہیں' جنہیں اولوالعزم کہتے ہیں' اب حضرت آدم علیہ السلام' حضرت نوح علیہ السلام' حضرت ابراہیم علیہ اسلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ اسلام یہ وہ رسول ہیں جو ساری برکات محمد رسول اللہ ﷺ سے وصول کرتے ہیں اور باقی انبیاء وہ برکات پھر ان کی ذوات مقدسہ سے وصول کرتے ہیں اور باقی امتیں پھر وہ برکات اپنے اپنے انبیاء علیہما السلام سے وصول کرتی ہیں یہ ایک باطنی کیفیت ہے۔

ساری کائنات میں جتنی مخلوقات ہیں' ان کو جو برکات ملتی ہیں' وہ وجود کے قیام کے لئے ہوں' مادی ہوں' غذا یا دوا کی صورت میں ہوں' مال و زر کی صورت میں ہوں' یا روحانی ہوں' قلبی ہوں' ایمان و عقائد کی صورت میں ہوں' توفیق عمل کی صورت میں یا اس سے بھی باریک تر کیفیات باطنی صورت میں ہوں تو ان سب میں جسے آپ برکت کہہ سکتے ہیں یا رحمت کہہ سکتے ہیں وہ اس وقت تک رحمت ہے جب تک اس میں برکات محمد رسول اللہ ﷺ

شامل ہیں جہاں کوئی نعمت بھی برکات نبوی سے خالی ہوئی' وہیں باطنی ایمان کی کیفیات ختم ہو جاتی ہیں باقی رہ گئی مادی زندگی' مادی نعمتیں تو انسان استعمال کرتا رہتا ہے لیکن وہ بجائے رحمت کے عذاب بن جاتی ہیں اگر ان میں برکات محمد رسول اللہ ﷺ شامل ہوں تو وہ رحمت ہیں اور اگر ان سے محروم ہو جائیں تو وہی عذاب الٰہی بن جاتی ہیں۔ انبیاء علیہ اسلام کی ذات مبارکہ کے دو پہلو ہیں۔ ایک وہ ہے جب دنیا میں بحیثیت نبی علیہ السلام مبعوث ہوتے ہیں یہ ان کی زندگی کا ایک رخ ہے اس نبی پر ایمان لانا ضروری ہو جاتا ہے' ان کی اتباع کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ دوسری کیفیت باطنی اور روحانی دنیا کی ہے جس میں ہر نبی روز اول سے تخلیقی طور پر ہی نبی علیہ السلام ہے اور جو قلبی اور باطنی کیفیات اس کے ساتھ وابستہ ہیں' وہ اسی دن سے اس کے وجود سے پہنچ رہی ہیں خلق خدا کو۔ اس کے لئے ان کا اس دنیا میں مبعوث ہونا شرط نہیں ہے' زندہ رہنا شرط نہیں ہے' ان کے پیدا ہونے یا دنیا میں آنے سے پہلے جس طرح ان کی ذات سے برکات پہنچتی رہتی ہیں' اسی طرح دنیا میں آکر چلے جانے کے بعد بھی ان سے برکات پہنچتی رہتی ہیں' ان کے چلے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا' تو یہ ایک نظام ہے قدرت کا جو چلتا رہتا ہے مثلاً یہ قدرت کا نظام ہے کہ اب اللہ نے سورج کو روشنی دے دی' اب سورج سے چاند اور ستارے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق روشنی لیتے ہیں' پھر وہ کائنات پہ بکھیرتے ہیں' ہر ایک کی روشنی کا تخلیق کائنات اور تصویر کائنات میں اپنا ایک الگ اثر ہے' دنیا کے موسموں اور فضاؤں میں' ستاروں کی روشنیوں کا اثر ہے' چاند کی روشنی کا اپنا اثر ہے' اسی طرح انبیاء علیہما السلام کے اپنے اپنے روحانی و مادی اثرات ہوتے ہیں۔

فرمایا۔ کوئی یہ گمان نہ کریں کہ فرعون جاہل تھا' فرعون جاہل نہیں تھا' وہ لوگوں کو بے وقوف بنا رہا تھا وہ بھی ایک ایسی دلیل سے جس سے وہ خود واقف تھا کہ اس میں کوئی وزن نہیں ہے لیکن محض اپنے ماننے والوں کو ان کی جہالت پہ کھڑا رکھنے کے لئے ایک ایسے خدا کی طرف ان کو متوجہ کر رہا تھا جو فرعون ہی کی فوٹو کاپی ہو' اسی کی طرح مجسم ہو' اس کی طرح اس کا دربار ہو اور وہاں سے اس طرح کی توقعات لوگوں کو مل رہی ہوں تو کہنے لگا کہ زمین پر تو مجھ جیسا کوئی نظر نہیں آتا اگر فضا یا زمین سے بالاتر کوئی ہو تو مینار بنا کر دیکھتے ہیں تو اس طرح سے گویا وہ وجود باری کا انکار کر رہا تھا اور اپنے اس انکار کو اتنے فراڈ کے بعد اس نے بیان کر دیا۔ وانی لا

ظنہ من الکاذبین-اگرچہ میں تو موسیٰ کو (معاذ اللہ) جھوٹا نبی سمجھتا ہوں' میں سمجھتا ہون یہ جھوٹ بول رہا ہے حالانکہ وہ خود جانتا تھا کہ یہ جھوٹ نہیں بول رہا اگر فرعون جانتا ہوتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جھوٹ بول رہا ہے تو وہ دوبارہ زبان کھولنے کی اجازت نہ دیتا حضرت موسیٰ علیہ اسلام کو۔ وہ یہ جانتا تھا کہ یہ اللہ کا نبی ہے اور میں اس کے قتل پر قادر نہیں جب موسیٰ علیہ السلام' بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے نکلے اور پیچھے فرعون نکلا' تو سامنے جب سمندر آگیا اور پیچھے سے فرعون کے لشکریوں کی گرد اٹھتی تھی تو بنی اسرائیل کہنے لگے کہ اے موسیٰ تو نے ہمیں مروا دیا' آگے تو سمندر ہے' جس میں کوئی سمندری جانور بھی زندہ نہیں رہتا اور پیچھے فرعون کا لشکر ہے' اے موسیٰ تیرے آنے سے پہلے ہم ذلیل و رسوا تھے اور تیری بعثت نے بھی ہمیں ذلت اور رسوائی کے سوا کچھ نہیں دیا' اب بتا ہمارے لئے اب کون سا راستہ ہے۔ دراصل انسان خطا کرتا چلا جاتا ہے' اس تیزی سے بھاگتا چلا جاتا ہے' گناہ کی ذلت میں حتی کہ اسے ہوش نہیں رہتا اور وہ اتنی گہرائی میں چلا جاتا ہے کہ اگر وہ چاہے بھی' تو واپس نہین آسکتا۔ فرعون کا تماشا بھی یہی تھا کہ وہ اس تیزی سے بھاگتا ہوا اتنا دور جاچکا تھا' جہاں سے واپسی کا راستہ نہیں تھا اس لئے جب اس نے وحدانیت و رسالت کو واپسی کے بارے میں سوچنا چاہا' تو اللہ نے جبرائیل کو حکم دیا وہ گھوڑی پر سوار اس کے گھوڑے کے پاس سے گزرے کیونکہ وہ اسپ تازی تھا' وہ گھوڑی کی بو پر اس کے پیچھے بھاگا تو اس کی گھوڑی اس کے روکے بھی نہ رکی' اور سمندر میں کود گیا اور سارا لشکر اپنے شہنشاہ کو دیکھ کر اس کے پیچھے کود پڑا تو جب سب سمندر میں کود پڑے' تو پانی آپس میں مل گیا اور وہ غرق ہو گئے۔

فرمایا۔ نبوت اور انسانیت = نبوت کے لئے طہارت اور لطافت کا وہ درجہ چاہئے جس پر فرشتے بھی نہ پہنچ سکیں اور وہ درجہ نبوت کہلاتا ہے اس لئے رب جلیل سے وحی صرف نبی علیہ السلام وصول کرتا ہے لیکن نبی کے دو پہلو ہوتے ہیں اس ساری لطافت کے ساتھ وہ انسان بھی ہوتا ہے اور اس میں تمام انسانی خصوصیات موجود ہوتی ہیں لہٰذا جب وہ اس بارگاہ سے واپس پلٹتا ہے تو وہ عام انسانی سطح پر آکر عام انسانوں کو بات پہنچاتا ہے' انسان کو انسان سے سننے کے لئے صرف انسانیت کی ضرورت ہوتی ہے اگر انسان میں انسانی خصوصیات جو انسان ہونے کے لئے ضروری ہے موجود ہوں تو نبی علیہ السلام سے مستفید ہو سکتا ہے لیکن اگر وہ اوصاف

بھی کھو دے تو جیسا قرآن حکیم فرماتا ہے کہ ان کے وجود انسانی ہیں' قدو قامت انسانی ہیں' چہرے انسانی ہیں' حقیقتاً یہ چوپاؤں کی طرح ہو چکے ہیں' یہ انسانی اوصاف سے عاری ہو چکے ہیں' بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں کہ چوپایہ بھی کسی وقت مالک کی بات سن لیتا ہے یا جھڑکنے سے رک جاتا ہے یا بلانے سے واپس آجاتا ہے' یہ اس سے بھی گئے گزرے ہیں یعنی جب انسانی اوصاف کسی وجود سے منفی ہو جاتے ہیں تو پھر اس پر نبی علیہ السلام کے کلام کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔

انسانی اوصاف ہی معرفت الٰہی کی بنیاد ہیں' کسی دوسری مخلوق کو یہ توفیق نہیں ہوئی' جو انسان کو دی گئی اور وہ ہے انسان کی قوت فیصلہ۔ ساری کائنات کا ہر ذرہ اللہ کے حکم کے تابع ہے لا تتحرک ذرہ الا باذن اللہ۔ لیکن ساری کائنات میں کسی میں یہ شعور نہیں ہے کہ وہ ذات کیسی ہے یا میں اس ذات کے حکم کی اطاعت کروں' حکم سے آگے حاکم کی طرف نگاہ اٹھانے کا حوصلہ انسان کے سوا کسی دوسری مخلوق میں ہے ہی نہیں باقی مخلوق کا کام حکم کی تابع داری ہے اور وہ حکم اتنا مضبوط ہے مخلوق کے لئے کہ وہ اس سے نکل سکتی ہی نہیں' حاکم تک جانے کا سوچ نہیں سکتی' انسانی زندگی کا بھی بیشتر عمل اسی تقدیر کے دھارے کے تابع ہے' پیدا ہونا' شکل کا بننا' مرد کا عورت کا بننا' بیٹا بیٹی کا ہونا اس کی ذہنی استعداد کا بننا' اس کی سماعت' اس کی بصارت' ان قوتوں کا بننا وہ کتنی تیز ہیں' کمزور ہیں' اچھی ہیں' بری ہیں' رنگ گورا ہے' کالا ہے' قد کاٹھ کیسا ہے' نقوش کیسے ہیں' کتنی عمر پائے گا' زبان کیسی ہے' ذہنی استعداد کیسی ہے' کتنا پڑھے لکھے گا' اس کی روزی کیسی ہوگی' ان ساری باتوں میں انسان کا کوئی دخل نہیں' یہ ساری باتیں اس حکم کی مد میں آتی ہیں لیکن انسان کو اس کے علاوہ ایک فکر عطا کی گئی' ایک شعور عطا کیا گیا' وہ شعور ایک عجیب جذبہ ہے کہ یہ اس ذات کے بارے سوچتا ہے' وہ کون ہے' وہ کہاں ہے' باقی کوئی مخلوق ذات کے بارے میں نہیں سوچتی' صرف حکم کی اطاعت کرتی ہے' اور انسان حاکم کے بارے فوراً" سوچتا ہے' اللہ اگر ہے تو کہاں ہے' کیسا ہے۔ اس شعور کا جواب رب جلیل نے اپنی ذات کو عیاں کر کے اپنی کتابوں کے ذریعے اپنے نبیوں کے ذریعے اپنے رسولوں کے ذریعے عطا فرمایا۔ اب انسان کے پاس فیصلہ ہے' یہی کچھ وہ کر سکتا ہے وہ فیصلہ یہ ہے کہ کیا اسے اللہ کی طرف سفر کرنا ہے یا اسے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ بظاہر ہم

کہہ دیتے ہیں کہ میں مسلمان ہوں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مجھے اللہ کی طرف چلنا ہے میں اللہ کا طالب ہوں' میں اللہ کا جمال حاصل کرنا چاہتا ہوں' اللہ کا قرب چاہتا ہوں' اللہ کی اطاعت کروں گا لیکن صرف یہ بات کہہ دینے سے بظاہر اس پر سارے اسلامی حکام نافذ ہوتے ہیں اور اسلامی حقوق حاصل ہوتے ہیں لیکن جب معاملہ فیصلے کا آئے گا تو دیکھا یہ جائے گا کہ یہ کہنا دل کا تھا' یا زبان کا۔ دنیا میں ہم کوئی نہیں پرکھتے' دنیا میں زبان سے کہہ دیا' مانا گیا اس کو تمام اسلامی حقوق حاصل ہو گئے لیکن جب انصاف کا دن آئے گا تو زبانی بات کہنے کی حیثیت نہیں رہے گی بلکہ دل چیر کر سامنے رکھا جائے گا کہ کیا تیرے دل نے ہاں کہی تھی۔

فرمایا۔ نبی کا اصلی دکھ = تو یہ بات جو ہمارے رہتی ہے دل میں' زبان پر کم آتی ہے کہ اللہ کریم نے بڑی زیادتی فرمائی شیطان کو تو اتنی طاقتیں دے دیں اور ہمارے پاس کچھ بھی نہیں تو اللہ کریم فرماتے ہیں اصل طاقت تمہارے پاس ہے اگر تم خود اپنا اسلحہ پھینک کر ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو جاؤ' دشمن کے سامنے کہ آؤ بھئی مجھے باندھ لو تو پھر اس کا طعن کسی دوسرے پر کرو تو یہ زیادتی ہے اور اس طاقت کے حصول کا بڑا سیدھا آسان طریقہ بتایا کہ تم میرا نام لیتے رہو' میں جانوں میرا کام جانے لیکن تم اتنا تو کر سکتے ہو کہ مجھے یاد کرتے رہو' پھر دنیوی تکلیف ہو' آخرت کی بات ہو' معاملات ہوں' سیاسیات ہوں' ذاتی باتیں ہوں' اجتماعی ہوں' سارے مسائل میں میں تمہارے ساتھ ہوں' میں تمہاری حفاظت کروں گا لیکن تم میرے ساتھ رہو تو۔ یہ اللہ کریم کا بہت بڑا احسان ہے انسان پر کہ اس نے ایسا کریم رسول ﷺ بھی مبعوث فرمایا' جو رحمتہ اللعالمین ہے۔ آپ اندازہ کریں قرآن کریم میں کئی جگہ نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ ﷺ کافروں کو دیکھ کر پریشان ہو جاتے تھے اور اس قدر پریشان اس بات پر ہوتے تھے کہ میری بعثت کے بعد بھی یہ بے نصیب جہنم میں جائیں گے یعنی کافر آپ ﷺ کو ایذا دینے پر مصر ہے آپ ﷺ کی نافرمانی پر مصر ہے اور حضور اکرم ﷺ کو یہ دکھ ہو رہا ہے کہ میرے مبعوث ہونے کے بعد بھی یہ اتنا بد نصیب ہے کہ پھر دوزخ میں جائے گا تو اسی بات پر قرآن کریم میں کئی جگہ تسلی دی گئی ہے کہ ما انت علیھم بوکیل۔ کہ میں نے آپ ﷺ کو ان پر تھانیدار مقرر نہیں کیا' آپ ﷺ کا کام ان تک بات پہنچانا ہے' نہیں مانتے تو آپ ﷺ اس کو اپنے لئے

مصیبت نہ بنائیں۔ آپ ﷺ اس پر دکھی نہ ہوا کریں آپ ﷺ اس بات پر پریشان نہ ہوں جو نبی علیہ السلام' دشمن مخالف یا کافر کے لئے اتنا کریم ہے تو مومن کے لئے ان کی شفقتوں کا کیا حال ہو گا جیسا ہو غریب ہو' یا فقیر ہو' بدصورت ہو' یا خوبصورت بوڑھا ہو یا جوان ہو' جاہل ہو یا ان پڑھ' کمزور ہو کوئی قید نہیں لگائی ایک ہی قید لگائی ہے کو کوئی کیسا بھی ہے' وہ فیصلہ کیا کرتا ہے' یہ اختیار دے دیا اللہ کریم نے۔

فرمایا۔ نبی' ذکر و مشاہدہ و شیطان = جیسے دنیا میں آپ ایک شخص کو ایک دوربین دیتے ہیں' جس کا ریڈیس (دائرہ کار) ہی سو گز کا ہے اور ایک شخص کو دیتے ہیں جس کا ریڈیس دس ہزار گز کا ہے' تو سو گز والا' وہ چیز کیسے دیکھے گا' جو دس ہزار گز والا دیکھ رہا ہے یہی حال قوت باطنی کا بھی ہوتا ہے۔ مکاشفات و مشاہدات کا بھی۔ ایک شخص صاحب کشف ہے لیکن وہ اس حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا' جس تک دوسرا پہنچ سکتا ہے۔ اسی طرح حقائق کی اصل جہاں تک نبی ﷺ کی نگاہ پہنچتی ہے' آپ ﷺ کے بغیر کسی دوسرے کے پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس کے باوجود دین کی بنیاد کشف پر ہے اگر یہ کہہ دیا جائے کہ کشف تو کچھ چیز ہی نہیں تو یہ قرآن کریم کی اور سارے دین کی تکذیب کے برابر ہے۔

اس کے بعد جب ذکر الٰہی نصیب ہوتا ہے تو کشف و مشاہدہ نصیب ہو جاتا ہے۔ یہ سارے لوگ جب کشف کا انکار کرتے ہیں یا تردید کرتے ہیں' یہ سارے ذکر الٰہی کی نعمت سے محروم ہوتے ہیں۔ اصل بات تو یہ ہے کہ کافر کے پاس صرف مجاہدہ ہے کہ وہ اپنی باطنی قوتوں کو پالے اور اعمال بد سے شیطان کے قریب تر ہو جائے اور شیطانی قوتیں اس سے تعاون کریں۔ مومن ایمان سے شروع کرتا ہے' قرب الٰہی سے شروع کرتا ہے اور اگر ذکر چھوڑ دینے سے شیطان کا قرب ہوتا ہے تو یقیناً ذکر کرنے سے شیطان کے مدمقابل جو قوت ہے اس کا قرب نصیب ہونا چاہئے۔ اسی آیت کریمہ سے یہ نتیجہ مل سکتا ہے کہ جب ذکر چھوڑنے سے شیطان کا قرب نصیب ہوتا ہے تو دنیا میں شیطان کے مقابل داعی کون ہے اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ ﷺ تو جب ذکر کی دولت نصیب ہو تو حضور ﷺ کا قرب اور آپ کے کمالات میں حصہ نصیب ہونا چاہئے تو یقیناً حضور ﷺ کا قرب اور آپ ﷺ کے کمالات میں حصہ نصیب ہونا چاہئے اور جب ذکر چھوڑ دیتا ہے تو اس کی سزا یہ ہے کہ شیطان

اس کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے نقیض شیطانا۔ شیطان کو اس میں قید کر دیتے ہیں اس کے پنجرے میں شیطان داخل ہو جاتا ہے۔

فرمایا۔ جادو کی حقیقت = جادو کیا ہے' کیا جادو چیز کی حقیقت کو تبدیل کر دیتا ہے' یہ ناممکن ہے' قلب ماہیت ممکن نہیں ہے' یعنی چیز کی جو اصل ہے' جسے اللہ نے پتھر بنایا ہے تو کوئی اسے سونا نہیں بنا سکتا' یعنی اس کی ماہیت تبدیل نہیں ہو سکتی۔ ہاں جس طرح ایک فن یہ بھی ہے کہ پیتل سے' چاندی سے' پارے سے سونا بناتے ہیں' اس میں سونے کا رنگ کر دیتے ہیں بظاہر سونا لگتا ہے لیکن دراصل وہ اصل دھات ہی رہتی ہے' اسے جب کٹھالی میں گرم کیا جائے تو پھر وہ دوبارہ سونے کی صورت میں نہیں آسکتا اگر کوئی جادو کر کے کسی کو جانور بنا دے' تو وہ حقیقتاً جانور نہیں بنے گا بلکہ ہوتا وہی انسان مگر جانوروں کی شکل میں نظر آئے گا۔

فرمایا۔ حقیقت شیطان = اصل بات یہ ہے کہ نہ شیطان کی کوئی حیثیت ہے اور نہ دنیا بری ہے' بڑی سادہ سی بات۔ اسلام کا فلسفہ حیات بڑا سادہ اور بڑا سیدھا ہے' رب کریم نے پوری تفصیل بتائی کہ جب شیطان راندہ درگاہ ہوا تو اس نے دعا کی کہ بار الٰہی میری عمر طویل کر دے' تو میں دیکھوں ان اولاد آدم کو' جس کے سجدہ نہ کرنے سے میں راندۂ درگاہ ہوا یہ تیرے سجدے نہیں کریں گے' میرے سجدے کریں گے' جن کے لئے تو نے مجھے راندہ درگاہ فرمایا ہے' مجھے سزا دے رہا ہے' یہ تیری عبادت چھوڑ دیں گے' یہ میری اطاعت کریں گے تو اللہ کریم نے فرمایا کہ میں نے تمہیں مہلت اور یہ قوت بھی دی' انسانوں کو ہر طرح سے گھیر کر ان پر پوری قوت سے حملہ کر لیکن یہ بھی اسی دن سے کہہ دیا ان عبادی لیس لک علیھم سلطن۔ میرے بندوں پر تیرا کوئی بس نہیں چلے گا تو یہ فیصلہ بھی اسی دن ہو گیا' جس دن شیطان کو عمر عطا کی جا رہی تھی' جس دن شیطان کو وساوس ڈالنے کی قوت دی جا رہی تھی' جس دن شیطان کو انسانی خون کے ساتھ رگوں میں دوڑنے کی توفیق دی جا رہی تھی' جس دن سے انسانوں کو چاروں طرف سے گھیرنے کا اجازت نامہ مل رہا تھا' اسی وقت یہ فیصلہ بھی سنا دیا گیا کہ اس سب کے باوجود میرے بندوں پر تیرا کوئی بس نہیں چلے گا اب اگر شیطان کا ہم پر بس چلتا ہے' تو قصور شیطان کا کم ہے اور ہمارا زیادہ کہ ہم "میرے بندوں" کی فہرست سے نکل گئے۔

فرمایا۔ جادو = اسلام کے اندر کوئی قسمیں نہیں ہیں اسلام ایک اور کفر کی متعدد اقسام

ہیں' بے شمار طرح کے کفریات ہیں' جن کی بنیاد بھی ایک ہے' نتیجہ بھی ایک ہے لیکن طریقہ کار نظریات اور عقائد مختلف ہیں۔ کافر میں بھی روح تو موجود ہے' روحانیت کی طلب بھی موجود ہے لیکن اس کے کفر نے اسے سیدھے راستے سے بھٹکا دیا ہے' نہ صرف راستے سے بھٹکایا ہے بلکہ راستہ بنانے والوں کی رہنمائی سے محروم کردیا ہے' پھر وہ اپنے طور پر کوشش کرتا ہے' محنت کرتا ہے' مجاہدے کرتا ہے' ان میں کچھ جسمانی ورزشیں ہوتی ہیں' کچھ مختلف اوراد ہوتے ہیں' کچھ مختلف قسم کی چلہ کشیاں ہوتی ہیں' لیکن ایک بات سب میں قدر مشترک کی حیثیت سے موجود ہوتی ہے کہ وہ بہت زیادہ محنت کرکے اپنے وجود کو زیادہ مشقت میں ڈال کر کوشش کرتا ہے کہ ذہن کو کسی ایک نقطہ پر متوجہ کرے جس سے اس کو ارتکاز توجہ حاصل ہو' جس کی وجہ سے کسی حد تک انسان میں مافوق العادت کمالات پیدا ہوتے ہیں۔ جہاں تک سحر اور جادو کا تعلق ہے اس کا ثبوت قرآن کریم میں دوسری جگہ ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں اور بنیادی طور پر حضرت سلیمان علیہ اسلام کے زمانے میں اس کا نزول ہوا وہ آزمائش اور ابتلا کے طور پر تھا' ہر دور کی مختلف چیزیں انسانوں کی آزمائش بنتی رہیں۔ اللہ کے دو فرشتے انسانوں کو جادو سکھاتے تھے لیکن سکھانے سے پہلے وہ کہتے تھے کہ اگر جادو سیکھو گے تو ایمان ضائع ہو جائے گا اور یہ بھی بتاتے تھے کہ تمہارا جادو اتنا ہی اثر کرسکے گا' جتنا رب چاہے گا' یہ بھی نہیں کہ جادو کے زور پر تم جو چاہو' حاصل کرلو' ایسا نہیں ہوسکے گا۔ جیسے مارنے والے کی گولی ضروری نہیں کہ دوسرے کو قتل ہی کردے بلکہ اس کا ارادہ ظاہر کرتی ہے لیکن اگر اس کی زندگی ابھی باقی ہے تو وہ بچ جائے گا اسی طرح تمہارا جادو بھی جو تم چاہو گے کر نہیں سکو گے۔

فرمایا۔ ہمزاد = نبی علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ ہر پیدا ہونے والے انسان کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے' جو ساری زندگی اس کے ساتھ صرف گمراہ کرنے کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ ابلیس ایک الگ ذات ہے' ابلیس کی اولاد ایک الگ طبقہ ہے' ابلیس کے پیروکار' جن ایک الگ طبقہ ہے' ابلیس کے پیروکار انسان ایک الگ طبقہ ہے' اس کے علاوہ ہر پیدا ہونے والے کے ساتھ ایک شیطان پیدا ہوتا ہے' جو اس کے ساتھ عمر بھر رہتا ہے۔ عرض کیا گیا" یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کے ساتھ بھی' فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی ہے" لیکن میرے ساتھ جو شیطان لگا ہے وہ مسلمان ہوگیا ہے اور چونکہ طبعی طور پر ان کی عمر طویل ہوتی

ہے' اس لئے مرنے کے بعد اور مردہ کے قبر کے ساتھ باقی زندگی گزارتے ہیں اور غیر مسلم ان شیاطین سے باتیں کرتے ہیں جو ہر انسان کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور انسان کی موت کے بعد طویل العمری کے باعث ان کی قبر پر رہتے ہیں اور یہ غیر مسلم عاملین ان شیاطین کو مردوں کی ارواح سمجھتے ہیں۔

فرمایا۔ جب بندہ اللہ کو بھولتا ہے تو اللہ سے دور ہوتا ہے اگر اللہ کی یاد میں نہ بھولے' اس کی ذات کو فراموش نہ کرنے' اس کے نام کو فراموش نہ کرے' اس کا نام لیتا رہے تو وہ ایسا کریم ہے کہ اپنے نام کو اور شیطان کو ایک جگہ جمع نہیں ہونے دیتا۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ شیطان دل کے پاس بیٹھا رہتا ہے اور اپنی سونڈھ دل میں گھسیڑتا ہے بات ڈالنے کے لئے اگر تو دل ذاکر ہو' اللہ کا نور ہو' اس میں اللہ اللہ ہو رہی ہو تو پھر اس کی سونڈھ جلتی ہے اور وہ واپس کھینچ لیتا ہے اور اگر غافل ہو' تو پھر وہ وہاں اپنی بات انجیکٹ کر دیتا ہے' اپنی بات وہاں پہنچاتا ہے' قرآن حکیم نے جس بات پر سب سے زیادہ زور دیا ہے وہ ذکر الٰہی ہے کس طریقے سے کرو' کیسے کرو' اس پر زور نہیں دیا ہے اس پر زور دیا کہ ہر حال میں کرو' یہی کمال تھا نبی ﷺ کا کہ انسان تو انسان ہے جو چیز بھی آپ سے مس کر گئی یا آپ ﷺ کی نگاہ میں آ گئی' وہ ذاکر ہو گئی وہ ہوا تھی' وہ ستارے تھے' وہ ذرے تھے' وہ زمین تھی' وہ لباس تھا جو حضور ﷺ نے پہنا وہ جوتا جو حضور ﷺ نے پہنا وہ عصا جو حضور ﷺ کے ہاتھ میں آیا وہ زرہ جو حضور ﷺ نے پہنی وہ تلوار جو آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھی وہ سواری جس پر آپ ﷺ نے سواری فرمائی ہر ایک کا ایک ایک ذرہ ذاکر بن گیا۔

فرمایا۔ ابلیس کو محض ایک حد تک شبہ تھا' ایک بات اس کے دل میں تھی کہ میں کوشش تو کروں گا ان کو گمراہ کرنے کے لئے لیکن یہ ایسے نامراد لوگ تھے کہ ولقد صدق علیھم ابلیس ظنہ کہ انہوں نے اس ابلیس کے شبہ کو سچ کر دکھایا' ایسے کمزور ثابت ہوئے کہ خود ابلیس کو جس بات پر یقین نہیں تھا کہ میں انہیں بارگاہ الٰہی سے ہٹالوں گا محض ظن کے درجے میں اس نے بات کی تھی وہم کا ادنیٰ درجہ ہوتا ہے یہ ایسے نامراد تھے فاتبعو اس کے پیچھے چل پڑے لیکن سارے نہیں۔ الا فریقا من المومنین جس کے پاس ایمان تھا وہ ان میں سے اس کی بات پر نہیں آئے۔

فرمایا۔ شیطان اور ہم زاد = شیاطین کی تعداد جنوں اور انسانوں کی مجموعی تعداد سے دس گنا زیادہ ہے اس کے علاوہ بھی ایک شیطان پیدا ہوتا ہے ہر پیدا ہونے والے کے ساتھ' اسے ہمزاد کہتے ہیں۔ وہ پوری زندگی اسی کے ساتھ رہتا ہے' بندہ جب مرجائے چونکہ ان کی عمریں طویل ہوتی ہیں' جہاں اس کی قبر بنے' جہاں اس کے وجود کی اساس ہوتی ہے' وہ وہاں بیٹھا رہتا ہے' دوسرے کے ساتھ سروکار نہیں رکھتا اس آدمی کے لب و لہجہ سے اس کے قد کاٹھ سے اس کے لباس سے واقف ہوتا ہے اور یہ جو یورپ میں عامل روحیں بلاتے ہیں تو روحوں کو بلانا ممکن نہیں ہوتا' اس لئے کہ اگر روح جنتی ہے تو اسے دنیا میں بلالیں تو اس کے جنتی ہونے کا کیا فائدہ؟ اور اگر اس کے لئے عذاب ہے اور اگر جہنمی ہے تو عاملوں کی یہ طاقت نہیں ہے کہ کسی دوزخی کو دوزخ سے پکڑ کر نکال لائیں' روحیں نہیں آتیں وہی ہمزاد جو ہیں وہ ان کے حالات سے واقف ہوتے ہیں' وہ ان کی شکل اپنا کر عاملوں سے بات کرتے ہیں اور ان کے حالات سے واقف ہوتے ہیں' ان کے لب و لہجہ سے واقف ہوتے ہیں' ساری ان کی رشتہ داریاں لین دین' ساری زندگی ساتھ رہتے ہیں اس لئے وہ یہ سارے حالات بتادیتے ہیں۔

فرمایا۔ جادو کے اثرات = چونکہ قلب ماہیت تو ممکن نہیں ہے' قلب ماہیت کہتے ہیں' کسی چیز کے وجود میں انقلاب پیدا ہونا۔ مثلاً" گدھے کا انسان بن جانا' یا انسان کا اونٹ یا گھوڑا بن جانا' یہ ممکن نہیں ہے اگر کوئی جادوگر انسان کو گدھا بناتا ہے تو وہ دیکھنے والوں کو گدھا نظر آئے گا' رہے گا انسان ہی یعنی اس جادو کے اثر سے یہ نہیں کہ انسان میں گدھے کی خصوصیات آجائیں' یا انسانی ذہن فاسد ہو جائے۔ چونکہ قلب ماہیت جو ہے یہ عقلاً" محال ہے لیکن بطور معجزہ اور بطور کرامت کام ہوتا ہی وہی ہے جو عقل کی رسائی سے بالاتر ہو۔ اب عقلاً" تو یہ تھا کہ وہ رسیاں جو اژدھا بنیں' جادو باطل ہو جانے پر دوبارہ رسیاں بن جاتیں لیکن اب ان کا وجود ہی ختم ہو گیا' اب جو لاٹھی اژدھا بنی' سب کو کھا گئی' جادوگروں نے کہا کہ یہ جادو نہیں ہے' یہ جادو سے اور علوم انسانی سے بالاتر چیز ہے اور یہ اللہ کا نبی ہے اور ہم اس کی نبوت کا اقرار کرتے ہیں۔

فرمایا۔ نبی کی عدم اطاعت و شیطان = جب عمل ہم کرتے ہیں اس کا کیا نتیجہ اس کی کیا کیفیت دل پر وارد ہوتی ہے' اس سے آخرت میں کیا بنتا ہے وہ ہمارے ادراک سے بالاتر چیز

ہے' اب اسی فن کا ماہر اللہ کا رسول ﷺ ہوتا ہے اگر ہمیں رسول ﷺ کے ارشاد پر یہ اعتماد نہیں ہے یا اس میں شبہ ہے' تو وہاں سے اگر شیطان ہمیں اچک لے تو شیطان کا اس میں کیا قصور ہے یعنی ایک آدمی نے اپنا دروازہ کھلا چھوڑ دیا اور وہ شکوہ کرتا ہے کہ چوری ہوگئی' تو چور نے تو کوئی دیوار نہیں پھاڑی' اگر آپ نے اپنا مال سڑک پر پھینک دیا' آپ نے ہی اپنی حفاظت سے ہاتھ اٹھالیا آپ نے اپنی رکھوالی سے غفلت کی' تو چور کا کیا قصور ہے' وہ تو چور ہے ہی' وہ تو چوری کرے گا۔ تو شیطان وسواس کی ساری اصل جو ہے وہ انسان کے اپنے دل کی ایک حالت ہے جسے اللہ کریم نے شک کا نام دے دیا ہے فرمایا ماکان لہ علیھم من سلطن شیطانوں کو تو انسانوں پر کوئی قدرت نہیں تھی' ہم نے انسانوں کے سامنے ایک آزمائش رکھی۔ لنعلم من یومن بالاخرۃ ممن ھو منھا فی شک یہ فیصلہ انسان کو کرلینے دو' کیا وہ میری بات پر' میرے نبی علیہ السلام پر اعتبار کر کے آخرت پر یقین رکھتا ہے یا شک میں گرفتار رہتا ہے اگر تو شک ہی میں رہا تو پھر اسے شیطان اچک لے گا تو اس کا اپنا قصور ہے اور اگر اسے یقین ہے تو وربک علی کل شئی حفیظ تو پھر تیرا پروردگار ایسا قادر ہے جو ہر چیز سے حفاظت کرسکتا ہے کوئی تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

فرمایا۔ عامل و کامل کا فرق = ایک بات یاد رکھیئے عامل اور کامل میں ایک فرق ہے عامل عملیات کے سہارے کچھ واقعات آپ کو دکھا سکتا ہے لیکن وہ واقعات اصل نہیں ہوتے بلکہ صرف انسان کی قوت متخیلہ متاثر ہو جاتی ہے۔ جس طرح جادوگروں نے سانپ بنائے' دیکھنے والوں کی قوت متخیلہ متاثر ہو گئی' اسے رسیاں سانپ نظر آتی تھیں' انہیں وہ لکڑیاں شہتیر سانپ نظر آتے تھے یعنی قرآن کا منشا یہ ہے کہ واقعی لکڑیاں سانپ نہیں بنی تھیں' وہ لکڑیاں لکڑیاں ہی تھیں' رسیاں رسیاں ہی تھیں لیکن جادو نے دیکھنے والوں کی قوت متخیلہ ایسی متاثر کی کہ انہیں وہ اژدھا دوڑتے ہوئے نظر آرہے تھے آپ دیکھیں کہ جس طرح کسی پاگل کو دیوار میں دروازہ اور دروازے میں دریا نظر آتا ہے وہاں کچھ نہیں' اس کی قوت متخیلہ درہم برہم ہو چکی ہے اور وہ غلط ویژن جو ہے وہ کو لیکٹ کر رہی ہے۔ اسی طرح جادو کے زور سے قلب ماہیت ممکن نہیں ہے یعنی گدھے کو آپ انسان بنادیں تو وہ انسان نہیں بن سکتا لیکن کامل جب کسی پر توجہ کرتا ہے تو وہ چیز اصل میں بدل جاتی ہے۔ کامل سے جب کسی چیز کا ظہور

ہوتا ہے تو اس میں عمل کو دخل نہیں وہ قدرت باری کا دخل ہوتا ہے اس کی توجہ اس کی تمنا اس کی دعا سے وہ چیز واقعی بدل جاتی ہے اور وہ کام واقعی ایسا ہو جاتا ہے۔

فرمایا۔ شیطانی تصرف کے درجات = یہ بات زبان پر کم آتی ہے انسان اکثر سوچتا ہے کہ رب کریم نے شیطان کو اتنی طویل عمر بھی دے دی اسے ہماری آنکھوں سے اوجھل رہنے کی قوت بھی دے دی یہ قوت بھی دے دی کہ وہ اپنی بات ہمارے دلوں میں ہمارے ذہنوں میں ڈال دیتا ہے اور اتنے پوشیدہ طریقے سے ڈالتا ہے کہ آدمی کچھ سمجھ نہیں پاتا اور پھر ان کے ساتھ ہمارے لئے حدود متعین فرمادیں اور ان پر عمل نہ کرنے پر بڑی سخت سزائیں اور عذاب تو یہ بات انسان کی سمجھ میں نہیں آتی یہ بات ایسی ہے کہ ہر آدمی سوچتا تو ہے ڈرتے ہوئے کسی سے پوچھتا نہیں۔ شاید اس لئے کہ جواب دینے والا جواب تو شاید نہ دے سکے لیکن فتویٰ ضرور لگادے گا کہ تم گستاخ ہو' تم بے دین ہو' تم مذاق کرتے ہو' دین سے۔ تم دین پر عمل نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن اللہ کی کتاب نے کسی سوال کو تشنہ نہیں چھوڑا قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ ہر اس بات کا جواب ارشاد فرمادیتا ہے جو کسی بھی انسان کو کسی بھی لمحے پیش آسکتی ہے۔ اس لئے اس بارے قرآن کا خلاصہ یہ ہے کہ شیطان صرف لغزش دیتا ہے اور دل میں شک پیدا کرتا ہے جبکہ اللہ کے بندوں پر تو اس کا اختیار ہی نہیں۔

فرمایا۔ ملائکہ = ملائکہ کو اللہ کریم نے وہ قوت گناہ یا گناہ کی استعداد ہی نہیں دی' وہ گناہ کرسکتے ہی نہیں یہی وجہ ہے کہ یہ انتہائے اطاعت جو ہے یہ ان کے لئے ترقی درجات کا سبب نہیں بنتی بلکہ جو جس جگہ پر جس مقام پر اللہ کریم نے پیدا فرمایا' ہمیشہ کے لئے اس کا وہی مقام ہے۔

فرمایا۔ شیطانی تصرف کی حقیقت = شیطان نے کہا کہ میں انہیں برباد کروں گا' کچھ نہیں رہنے دوں گا ان کے پاس۔ ہر طرف سے انہیں گھیروں گا' یہ میری بات مانیں گے اللہ کریم فرماتے ہیں یہ محض ابلیس کا ظن تھا' گمان تھا' اسے یہ یقین نہیں تھا کہ ایسا ہو گا اور نہ اسے یہ قدرت دی گئی ہے کہ وہ یقیناً ایسا کرے۔ ابلیس کے پاس ایسی کوئی طاقت نہیں ہے کہ کسی انسان کو وہ کسی برائی پر' کسی گناہ پر' کسی خطا پر مجبور و بے بس کردے' ہاں اسے یہ گمان تھا' ظن گمان کا بھی ایک کمزور سا درجہ ہوتا ہے۔ اس کے بھی درجے ہوتے ہیں۔ شک پھر

گمان' پھر اس سے نیچے ظن' بھی معمولی سا جسے آپ وسواس کہہ لیں شبہ کہہ لیں۔

فرمایا۔ شیطان کی اصلی پریشانی = میں نے چین سے افریقہ تک کا سفر کیا' میں نے جاپان سے امریکہ کے مغربی ساحلوں تک جہاں تک اس طرف بھی ختم ہو جاتی ہے' دنیا اس طرف بھی ختم ہو جاتی ہے ساری دنیا گھومی۔ دنیا کا جو بھی بندہ سامنے آیا اس کا قد کاٹھ رنگ شکل علم عقل کچھ نہیں پوچھا' صرف یہ پوچھا یار تمہیں بھی دے دیں' اس نے ہاں کر دی' ہم نے دے دی۔ مزے کی بات یہ ہے کہ وہیں نور نبوت کا شعلہ بھڑک اٹھا۔ بھئی کسی کا رنگ دیکھتے کسی کا قد دیکھتے' کسی کا خشوع و خضوع دیکھتے' کسی کا علم دیکھتے' کسی کا ورع کچھ بھی نہیں دیکھا' جو سامنے آگیا۔۔۔ بھئی چاہئے تو لے لو۔۔۔ جس نے ہاں کر دی' اس کی جھولی بھر دی۔ اب خدا جانے پیچھے کتنی طاقت ہے' اللہ کے اس بندے کو اللہ کا اور اللہ کے حبیب ﷺ کا کتنا قرب میسر ہے یا اسے دینے کے لئے اللہ نے کتنا دیا ہے یا اسے کتنا دل گردہ دیا ہے کوئی بات اپنی سمجھ میں نہیں آئی اور نہ بات سمجھ میں آنے والی ہے۔ کرنے کا کام یہ ہے کہ جتنا ہو سکتا ہے یہاں سے لے لو۔ اس بات کو سمجھنے کی فکر ہی چھوڑو جب مل رہا ہے تو اس سوچ پہ وقت ضائع نہ کرو بلکہ اس کو حاصل کرنے پر وقت لگاؤ اس کے ضابطے اس کے آداب' اس کے فوائد' دونوں باتوں پر نگاہ رکھو دامن نہ چھٹنے پائے اس کے آداب اس کے قواعد اس کے ضابطے یہ ہیں کہ دامن چھٹنے بھی نہ پائے اور دامن ہٹنے بھی نہ پائے۔ یہ سوچوں کے دائرے' شیطانی تفکرات بے شمار شکوں میں آخر اس بات پہ کیوں زور دیتے ہیں کہ ایسا نہ کرو ہم دنیا میں کتنا کچھ کرتے ہیں کوئی ہمیں نہیں روکتا بزنس کرتے ہیں' کاشتکاری کرتے ہیں' نوکری کرتے ہیں' لوگ کہتے ہیں یار اس کی مرضی ہے کرنے دو لیکن جب سلوک کی طرف آتا ہے تو بڑے ناصح پیدا ہو جاتے ہیں یہ سارے ناصح لوگ زندگی کے دوسرے امور میں انہیں نصیحت کیوں نہیں کرتے اصل میں یہ خائف نہیں ہوتے۔ اصل تکلیف شیطان کو ہوتی ہے کہ کسی کے دل میں وہ نور نبوت نہ آجائے جو بھی شیطان کی بات سنتا ہے' شیطان اس کے پیچھا لگا تا رہتا ہے' تم روکو' تم روکو' تم منع کرو' کسی کے بھائی کو' کسی کی بیوی کو' کسی کے دوست کو' کسی کے پیچھے ملاں کو' کسی کے پیچھے وعظ کو' جو جو قابو آگیا' وہ لگا رہتا ہے۔ یار سوچنے کی بات ہے کہ اسی ملاں' اسی وعظ' اسی بیوی' اسی بھائی' اسی دوست کے سامنے ہم دنیا کا کام کیا کرتے ہیں تو یہ کہتا ہے کہ خیر یار

گزارا کرو' جیسا کر رہا ہے۔ ٹھیک ہے دوست ہے ہمارا تو پھر آخر اللہ اللہ کرنے سے کیا مصیبت آ گئی کیا برائی ہو گئی کہ اتنے ناصح اکٹھے ہو گئے سمجھانے کے لئے۔ اس مخالفت میں اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ بڑی ہی قیمتی شے ہے کہ کتنا جلاپا پیدا کر دیتی ہے ماحول میں اور پوری شیطانیت کو ہلا کر رکھ دیتی ہے۔ بڑے مزے کی بات ہے کہ انسانوں کو ہمیشہ شیطان نے پریشان کیا کوئی تو شیطان کو بھی پریشان کرنے کا حربہ ہونا چاہئے تھا اور یہ اللہ اللہ کرنا اصل میں شیطان کو پریشان کرنا ہے۔

فرمایا۔ شیطان' ہمزاد و ذکر = ومن یعش عن ذکر الرحمن نقیض لہ شیطانا اللہ فرماتا ہے کہ غیر ذاکروں کے ساتھ شیطان کو میں باندھ دیتا ہوں اور پابند کر دیتا ہوں تاکہ انسان کے ساتھ ہمہ وقت رہے اور وہ شیطان جو اس کے ساتھ دن رات سوتے جاگتے سفر حضر کام کاج' بازار' عدالت ہر جگہ اس کے ساتھ ہوتا ہے اسی شیطان کا نام قرین ہے' اس کو قرین کہا جاتا ہے۔ اب یہ جو قرین شیطان ہے حدیث شریف میں اس کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ جس آدمی کے ساتھ رہتا ہے تو جب وہ آدمی مرجاتا ہے تو چونکہ یہ طویل العمر ہوتے ہیں' شیطان کی عمر ہزاروں سالوں کے حساب سے ہوتی ہے' سینکڑوں سالوں کے حساب سے نہیں کیونکہ اصل شیطان کی عمر ہی قیامت کے قیام تک ہے۔ جب قیامت کا زلزلہ آئے گا صور پھونکا جائے گا تب اس کی موت واقع ہو گی تو اس کی طوالت عمر بطور وراثت کے اس کی نسل میں منتقل ہوتی ہے اتنی لمبی عمر نہ بھی جئیں تو ہزاروں سال جیتے ہیں جب آدمی مرجاتا ہے اور اسے دفن کر دیا جاتا ہے یا جلا دیا جاتا ہے' تو جہاں اجزائے بدن کا مرکز ہوتا ہے جو ایک چھوٹی سی ہڈی ہوتی ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہوتی ہے' وہی مرکز ہوتی ہے اجزائے بدنی کا۔ اللہ نے اسے جسم کا مرکز قرار دیا ہے جہاں وہ ہڈی ہو اس کو مرکز تصور کیا جاتا ہے اور اگر اسے دفن کیا جائے تو وہ قبر میں ہوتی ہے اور اگر جلا دیں تو بھی کسی نہ کسی جگہ موجود ہوتی ہے' وہ جلتی بھی نہیں ہے' ایسی ہوتی ہے نہ ہضم ہوتی ہے کسی جانور کے معدے میں' تو جہاں وہ ہڈی ہوتی ہے وہاں قرین شیطان وہیں موجود رہتا ہے۔

فرمایا۔ صحبت شیخ و برکات نبوت = پھر دوسری زیادتی یا دوسری نادانی یہ ہم سے ہوتی ہے کہ تعلیمات کے حصول کے بعد بھی برکات کو ہم حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے یہ جو

مسلمانوں میں اہل اللہ کے پاس آنے جانے کا یا پیری مریدی کا تصور موجود ہے اس کی اصل یہ ہے کہ لوگ نیک بندوں کے پاس جاتے تھے' ان کی صحبت میں بیٹھ کر برکات پیامبر ﷺ کو حاصل کرنے کے لئے' ہم نے اسے بھی ایک دنیاوی مد میں لے لیا اور ہم نے اس کی بھی محض خانہ پری کی یہ نہیں سوچا کہ ہمیں واقعی کوئی ایسا انسان تلاش کرنا چاہئے' جب اللہ کا قرآن اور تعلیمات پیامبر ﷺ موجود ہیں تو برکات پیامبر ﷺ اس کا لازمی حصہ ہیں' یہ کیسے ناموجود ہو سکتے ہیں۔ تو کاش ہم زندگی میں یہ بھی سمجھتے کہ جہاں ہم کپڑے کے لئے محنت کرتے ہیں' جہاں ہم روٹی کے لئے محنت کرتے ہیں' جہاں ہم اپنا مکان بنانے کے لئے محنت کرتے ہیں وہاں ہم اپنے آپ کو کامل مسلمان بنانے کے لئے بھی تھوڑی سی محنت کریں تھوڑی سی تلاش و جستجو کرتے کہ خدایا کوئی شخص کوئی انسان ایسا پیدا کر دے' کوئی ایسا شخص ملا دے جو برکات صحبت پیامبر ﷺ ہمارے سینے میں بھی پیدا کر دے ہمارے دل میں بھی وہ نور وہ روشنی آجائے جس سے استغنیٰ پیدا ہوتا ہے' جس سے توکل پیدا ہوتا ہے' جس سے حلال کھانے کی خواہش پیدا ہوتی ہے' جس سے حرام سے بچنے کی آرزو پیدا ہوتی ہے اور جس سے ایمان پر زندہ رہنے اور ایمان پر جان دینے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے تو ہمارا حق یہ بنتا تھا کہ ہم اس نعمت کو تلاش کرتے اور اگر تلاش کرتے تو خداوند عالم کا وعدہ موجود ہے والذین جاھدو فینا لنھدینھم سبلنا۔ جس کے دل میں بھی میری طلب' میرے قرب کی طلب پیدا ہو جائے جس دل میں بھی انابت آجائے' اس کے لئے اسباب میں خود پیدا کر دیتا ہوں اسے منزل تک پہنچانا میرا کام ہے انسان کا کام ہے فیصلہ کرنا' چاہنا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے اس کا فیصلہ اللہ نے بندے کے ذمہ کر دیا ہے۔

فرمایا۔ حیات النبی = اگر نبی کریم ﷺ کی روح مبارک جسم اطہر ﷺ کو چھوڑ کر کسی اور جگہ فروکش ہوئی تو رسالت کی نفی تو ہو ہی گئی۔ ساتھ میں ایک مصیبت یہ بھی ہے کہ کارگہہ عالم میں جس قدر اجسام تخلیق ہوئے' سب سے افضل جسم آپ ﷺ کا ہی تو ہے۔ زمین پر آسمان پر' عرش پر' یا کرسی پر' جنت ہو یا مقام محمود۔ سب سے افضل جسم اطہر رسول اللہ ﷺ ہی ہے تو اگر روح مبارک ﷺ نے یہ جسم چھوڑا تو یقیناً بہتر جگہ اور بہترین جسم کو چھوڑ کر اس سے درجے میں کم تر جسم میں جاگزیں ہوئی تو کیا درست ہوگا

کہ غلام تو غلامی کے طفیل اعلیٰ مقامات کی طرف عروج کریں اور خود آپ ﷺ کی روح پرفتوح پہلے سے کم تر درجے کی طرف نزول کرے۔ عجیب بات ہے۔ ہاں رہی یہ بات کہ جسم اطہر ﷺ میں رہتے ہوئے بیک وقت مقامات برزخی یا اخروی سے متعلق ہونا کوئی مشکل نہیں بلکہ روح ایک وقت میں متعدد مقامات پر جلوہ گری کرسکتی ہے۔ جیسے سورج اپنے مقام پر بھی ہے اور کرنوں اور گرمی کے ساتھ دوسرے اجسام سے بھی تعلق باندھے ہوئے ہے اور یہ سب کچھ دنیا میں موجود ہے۔ ولی اللہ زمین پر بستے ہیں' کھاتے پیتے' سوتے جاگتے ہیں مگران کی ارواح جسم میں موجود ہونے کے ساتھ عالم امر تک پرواز بھی رکھتی ہیں جب دنیا میں یہ موجود ہے اور آپ ﷺ کے خدام بلکہ جوتوں کی خاک نشینوں میں موجود ہے تو آپ ﷺ کی روح اطہر ﷺ کی قرارگاہ وجود اقدس ﷺ ہو اور برزخ اور برزخی مقامات سے بھی متعلق ہو اس میں کوئی استعباد نہیں۔

فرمایا۔ نبی سے تعلق کا نتیجہ = انبیاء علیہما السلام کی وساطت سے گویا ساری بنی نوع انسانی سے یہ عہد لیا جارہا ہے' چونکہ ربوبیت کا عہد انفرادی ہے اس لئے ربوبیت کا فیض بھی انفرادی ہے۔ نبوت کا عہد چونکہ بوساطت انبیاء علیہما السلام تھا اس لئے نبوت کا فیض لینے کے لئے ایمان شرط ہے ایمان کے بغیر فیضان نبوت نہیں پہنچتا اور پھر اس عہد پر اللہ جل شانہ نے اسقدر تاکیدی جملے ارشاد فرمائے۔ فرمایا قال اقررتم واخزتم علی ذالکم اصری -کیا آپ حضرات نے میرے روبرو میری بارگاہ میں اس بات کو برضا و رغبت قبول کرلیا قالو اقررنا سب نے کہا اے اللہ! بسرو چشم قبول کیا فرمایا فاشہدوا اس بات پر گواہ رہنا وانا معکم من الشاھدین تمہارے ساتھ اس بات پر میری ذات بھی گواہ ہے سو انبیاء علیہما السلام کی قوت ایمانی ایسی تھی کہ انہوں نے ایسے نبی کریم ﷺ کو مانا کہ اپنے اپنے عہد میں دنیا میں تشریف لائے' اللہ تعالیٰ کی توحید کو منوایا' اپنی نبوت کو منوایا' احکام الٰہی کو منوایا' اور اس کے ساتھ ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کو بھی مانا اور اپنی امت سے بھی منوایا۔

انبیاء علیہما السلام کے ماننے اور قبول کرنے کا یہ عالم تھا کہ اپنے اپنے عہد میں تشریف لائے زمانے بیت گئے صدیاں گزر گئیں لیکن قوت ایمانی کا یہ کرشمہ ہے کہ شب معراج کو تمام انبیاء علیہما السلام کو دنیا میں لوٹایا گیا اور ان کو براہ راست حضور انور ﷺ کی اقتداء میں

مسجد اقصیٰ میں دوگانہ پڑھنے کا شرف حاصل ہوا اور اللہ جل شانہ نے ان سب کو نبی آخرالزمان ﷺ کی اقتداء برزخ سے لوٹا کر عملاً نصیب فرمائی یعنی صرف زمانے ہی حائل نہ تھے بلکہ عالم ہی بدل چکے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ اس جہاں رنگ و بو میں تشریف فرما تھے اور باقی تمام انبیاء علیھما السلام جہان برزخ میں موجود تھے مگر قوت ایمانی کا یہ کرشمہ تھا کہ اللہ کریم نے ان سب کو وہاں سے لوٹا کر بیت المقدس میں حضور اقدس ﷺ کی اقتداء میں عملاً اس عالم رنگ و بو میں نصیب فرمائی۔ جس بات پر ایمان' اعتماد اور یقین تھا وہ بات اللہ کریم نے انہیں عملاً نصیب فرمادی تو گویا اتباع کا تعلق ایمان سے ہے اور ایمان جس قدر قوی ہو گا اسی قدر اتباع اور اقتداء نصیب ہوگی اور اولیاء اللہ چونکہ باتباع انبیاء علیھما السلام کے چلتے ہیں ان میں یہ قوت نہیں ہوتی کہ جہاں انبیاء علیھما السلام مجسم تشریف لے گئے وہاں ولی کا جسم نہیں پہنچ سکتا لیکن انبیاء علیھما السلام کے فیض کا کرشمہ ہے کہ جتنا یقین محکم ہو جائے ایمان قوی ہو جائے اسی کو اصطلاح تصوف میں نسبت کہتے ہیں جتنی نسبت قوی ہو جائے اتنی ہی روح میں قوت آجاتی ہے بدن نہیں جاتا لیکن روح ضرور صدیوں کا فاصلہ طے کر کے بارگاہ محمد رسول ﷺ میں باریاب ہوتی ہے نہ اسے عالم روکتے ہیں کہ برزخ اور دنیا کا فاصلہ ہے نہ اسے زمانہ روکتا ہے کہ چودہ صدیوں کا فاصلہ ہے بلکہ حضور ﷺ کے ساتھ اس کا تعلق اور ایمان ایک ایسا زینہ' وسیلہ اور ذریعہ یا سواری بن جاتا ہے کہ اللہ کی روح بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتی ہے مگر اس کی وہی بنیادی شرطیں ہیں کہ ایمان ایسا ہو کہ زمانہ کٹ جائے لیکن محمد رسول اللہ ﷺ پر اس کا اعتماد مجروح نہ ہو اور صرف اتنا ہی ایمان نہ ہو کہ بس اتباع ہی پر اکتفا کر لے بلکہ ولننصر ننا حضور ﷺ کے کام اور مشن میں بھی اپنی حیثیت کے مطابق آپ ﷺ کا ہاتھ بٹائے اب جو شخص اپنے وجود اور خواہشات کو لگام نہیں دے سکتا وہ حضور ﷺ کے مشن میں آپ کی کیا خدمت کرے گا اور ساتھ کب چلے گا یہاں تو گویا ایسے شخص کی ضرورت ہے جو صرف اپنے وجود کی ہی نہیں بلکہ کئی دوسرے افراد کو بھی سنبھالنے کی سکت رکھتا ہو اور اس کے بغیر بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضری محال ہوگی اور جو شخص بچوں کی طرح کبھی اس طرف لڑھکے اور کبھی اس جانب لڑھکے پھر وہ یہ طلب کیوں کرے کہ اسے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضری نصیب ہوگی اس کے لئے تو شرط یہ کہ

لتؤمنن بہ ولتنصرنہ سواب سوچنا یہ ہے کہ اس نعمت کو پانے کے لئے ہمیں اس قدر آگے بڑھنا ہے کہ ہمیں ہماری فکر ہی نہ رہے۔ یہ بات بچگانہ ہے کہ مجھے یہ وہم آتا ہے کہ مجھے شیطان یہ کہتا ہے۔ کون شریف آدمی شیطان سے بھلی بات کی امید کر سکتا ہے شیطان کو تو یہ کرنا ہی ہے مزا تو جب ہے کہ شیطان فکر مند ہو کہ یہ شخص کیا کہتا ہے حاضری انہیں نصیب ہوتی ہے جن کی قوت عمل سے شیطان کو فکر دامن گیر ہو جائے کہ یہ شخص آج کہاں جا رہا ہے آج کہاں بیٹھے گا' میری بات کاٹتا چلا جائے گا۔

فرمایا۔ ربوبیت کا عہد = اللہ کریم نے جب ارواح انسانی کو پیدا فرمایا تو ان تمام کو بیک وقت جمع کر کے سب کے سامنے یہ بات رکھی تھی الست بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) قالوا بلیٰ سب نے اقرار کیا تھا کہ بے شک تو ہی ہمارا رب ہے۔ رب اس ہستی کو کہا جاتا ہے کہ جو ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت پوری کر رہا ہو گویا یہ عہد اس لئے تھا کہ یہ ارواح جب عالم رنگ و بو میں آئیں گے انہیں وجود کا لباس نصیب ہو گا تو مادی دنیا میں ان کی بے شمار مادی ضروریات بھی ہوں گی اور ان کے سامنے بے شمار عارضی وسائل بھی ہوں گے۔ عہد یہ تھا کہ ان وسائل کو اپنا رب نہیں مانو گے رب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو قبول کرو گے یعنی ان وسائل کے حصول کے لئے اللہ کریم کی نافرمانی نہیں کرو گے کہ ان پر اعتماد کرنے لگو کہ خدا کی نافرمانی بھی ہو جائے تو خیر ہے لیکن یہ بات ہاتھ سے نہ جائے اگر ایسا کرو گے تو گویا تم نے ان وسائل ان اسباب' ان ذرائع اور ان افراد کو اللہ کی جگہ رب تسلیم کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی اسی دن اسی مقام پر دوسرا عہد انبیاء کی ارواح مقدس سے بھی لیا گیا۔

فرمایا۔ انبیاء علیہما السلام کی عظمت = انبیاء علیہما السلام کو صرف کتاب کے الفاظ ہی نہیں دیئے گئے بلکہ کتاب کے ساتھ اس استعداد سے بھی نوازا جاتا ہے جو اس کتاب کو سمجھنے اور اوامر الٰہی کو صحیح طور پر پا لینے کی قدرت رکھتی ہے اور اسی استعداد کو حکمت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اس لئے یہ قاعدہ ہے کہ کتاب کو صاحب کتاب ہی بیان فرماتا ہے۔ منصب نبوت اور فرائض نبوت میں یہ بات شامل ہے کہ نبی اللہ کی کتاب صرف پہنچاتا ہی نہیں بلکہ کتاب کا مفہوم اس کے معنی اور اوامر الٰہی نوع انسانی تک پہنچاتا ہے یعلمھم الکتاب والحکمتہ اس لئے کتاب اللہ کا وہی مفہوم قابل قبول ہو گا جو اللہ تعالیٰ کے رسول سے

اس کے شاگردوں نے' یا اس کے ماننے والوں نے' یا اس سے پڑھنے والوں نے سمجھا سیکھا اور تعامل صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی لئے حجت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے براہ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کتاب کو پڑھا' سیکھا اور سمجھا اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو اس پر عمل کیا اور ان کے اس عمل کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول فرمایا۔ اب اگر کوئی لغت اور گرائمر کے زور سے ان الفاظ کو پھیرے اور وہ مفہوم چسپاں کرے جو نہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائے اور نہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختیار کیا تو وہ قابل قبول نہ ہوگا۔ اسی طرح سے ہر نبی علیہ السلام ہر پیغمبر علیہ السلام اور ہر رسول علیہ السلام کو جب کتاب دی گئی تو اس کے ساتھ ہی اس کی سمجھ بھی عطا کی گئی' کتاب کا مفہوم بھی عطا کیا گیا کتاب کے معنی بھی تعلیم کئے گئے اور اسی آیت کریمہ سے یہ بات واضح بھی ہے کہ لما اتیتکم من الکتاب و الحکمتہ کہ انبیاء علیہما السلام براہ راست ذات باری تعالیٰ سے تعلیم پاتے ہیں' جہاں سے انہیں کتاب ملتی ہے' وہیں سے حکمت اور کتاب کے معنی بھی عطا کئے جاتے ہیں۔

انبیاء علیہما السلام دنیا میں کسی کے شاگرد نہیں ہوتے' کسی سے پڑھتے سیکھتے نہیں' سو اللہ کریم نے یہ عہد لیا کہ جب تمہیں کتاب و حکمت سے سرفراز کیا جائے اور اس حال میں ثم جاکم رسول مصدق لما معکم وہ عظیم الشان رسول علیہ السلام مبعوث ہو جائے' جو تمام انبیاء علیہما السلام اور ان کی تعلیمات کی تصدیق کرنے والا ہے' لتومنن بہ ولتنصرنہ تو آپ حضرات کو بجائے خود نبوت سے سرفراز ہونے کے باوجود اس رسول علیہ السلام کو بحیثیت رسول قبول کرنا ہو گا لتومنن بہ اس پر ایمان لانا ہو گا ولتنصرنہ اور اس کی اطاعت کرتے ہوئے' اس کے کام اور مشن میں آپ کو اپنا کام سمجھ کر ہاتھ بٹانا ہو گا۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ انبیاء علیہما السلام بجائے خود نبوت و رسالت سے سرفراز ہیں اور پھر یہ بھی طے ہے کہ کسی نبی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ نہیں پایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھا لیا گیا اور جب وہ دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے تو تمام انبیاء علیہما السلام میں وہ تنہا ایسے نبی ہیں جو اتباع محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں پورے طور پر کریں گے اور علم الٰہی میں یہ بات موجود تھی خدا بہتر جانتا تھا کہ کوئی نبی بھی اس وقت موجود نہیں ہو گا جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں موجود ہوں گے تو پھر انبیاء علیہما السلام سے یہ عہد لینا کہ اگر

آپ ﷺ تشریف لائیں تو آپ سب حضرات کو ایمان بھی لانا ہوگا اور اس قدر اطاعت کرنا ہوگی کہ گویا یہ اپنا کام ہے جو کام محمد رسول اللہ ﷺ انجام دینا چاہتے ہیں وہی آپ کے فرائض میں شامل ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ کائنات میں جس قدر بھی فیضان باری تقسیم ہوا وہ عالم آب و گل ہو' ہفت افلاک ہوں یا عرش عظیم ہو' عالم امر ہو' نعمت ہائے جنت ہو یا تجلیات باری' جہاں جہاں جس جس جگہ جس جس ہستی تک اللہ جل شانہ کا احسان و کرم پہنچا' یہ سب رحمت باری کے شعبہ ربوبیت کا فیض ہے جس میں ساری مخلوق کی تخلیق اور ساری مخلوقات پر انعامات کرام بھی شامل ہیں' یہ سارے ربوبیت کے شعبے ہیں اور ربوبیت بجائے خود رحمت کا ایک شعبہ ہے ربوبیت رحمت کلی نہیں' رحمت کا ایک حصہ ہے' اور محمد رسول اللہ ﷺ رحمت مجسم ہیں۔ آپ ایک عہد اور نوع کے لئے نہیں بلکہ رحمت اللعالمین کا لفظ اللہ تعالیٰ کے سوا ساری مخلوق کو محیط ہے سو اللہ جل شانہ کے سوا محمد رسول اللہ ﷺ ساری کائنات کے لئے رحمت مجسم ہیں تو گویا حضور ﷺ انبیاء علیہما السلام کے لئے بھی فیضان نبوت کے حصول میں اللہ کریم اور ان کے درمیان واسطہ ہیں۔ اس لئے کہ انبیاء علیہما السلام کی نبوت اور رسولوں علیہما السلام کی رسالت بھی رحمت باری کا کرشمہ ہے اور ہر ہدایت یافتہ انسان کی ہدایت بھی رحمت باری ہی کا کرشمہ ہے اور رحمت مجسم پوری کائنات میں صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اسی سے اس حدیث کی وضاحت ہوتی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اول ما خلق اللہ نوری کہ تمام کائنات کی تخلیق سے پہلے اللہ جل شانہ نے میرے نور کو پیدا فرمایا۔ کنت نبیاء و آدم بین الماء والطین اوکما قال النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام کا خمیرا بھی مٹی اور پانی میں گوندھا جا رہا تھا ان تمام احادیث کی وضاحت اس طرح ہوتی ہے کہ ساری مخلوق کی تخلیق میں اور ساری مخلوق کو تقسیم کمالات میں بھی اللہ اور مخلوق کے درمیان واسطہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور اس واسطے کا جس نے انکار کیا وہ رحمت باری سے محروم ہو گیا اور جو بھی اس ذریعے' واسطے یا سلسلہ سے ٹوٹ گیا' وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہو گیا' غضب الٰہی کا شکار ہو گیا پھر جب انبیاء علیہما السلام سے عہد لیا گیا تو یہ انبیاء علیہما

السلام کے واسطے سے گویا ساری انسانیت سے عہد لیا جا رہا تھا اور اپنی ربوبیت کا عہد فردا" فردا" ہر روح سے لے لیا اس لئے کہ فیض ربوبیت' غذا' مال اور اسباب' صحت زندگی کافروں پر بھی عام ہے اگر کوئی انبیاء علیہما السلام کو تسلیم نہیں کرتا تو بھی اس کے سامنے سے ربوبیت نہیں اٹھاتا یا اس سے رزق چھین نہیں لیتا اسے عمر بھی عطا کرتا ہے اور اولاد بھی دیتا ہے' وقت بھی دیتا ہے' فرصت بھی عنایت کرتا ہے سوچنے اور سمجھنے کا موقع بھی فراہم کرتا ہے لیکن رحمت باری اور اس کی رضا و خوشنودی اور مرضیات تک پہنچنے کے لئے ایمان شرط ہے رضائے الہی بغیر ایمان کے نصیب نہیں ہوتی اور ایمان ہر امت کا اپنے نبی علیہ السلام کے واسطے سے ہوتا ہے۔ ہر عہد میں ہر نبی علیہ السلام کے دور میں اس دور کے ان لوگوں کا جن کی طرف اللہ کا نبی علیہ السلام اور رسول علیہ السلام مبعوث ہوا' ایمان تب قابل قبول ہے کہ وہ اپنے اس نبی علیہ السلام کے ساتھ اپنا ایمان درست کرے اور نبی علیہ السلام کے واسطے سے جب ایمان محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس پر ہوگا تو تمام امت کو حضور ﷺ کی نبوت کا اقرار نصیب ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ برزخ میں داخلے پر پڑتال کیلئے اللہ کے جو فرشتے آتے ہیں کہ کون آیا ہے کیسا شخص ہے تو ان کا پہلا سوال یہی ہوتا ہے کہ من ربک۔ وہی بات جو اسنے یوم الست کو کہی تھی کہ الہی تو ہی میرا رب ہے وہی بات پوچھتے ہیں کہ وہاں تو تو نے اقرار کیا تھا' جب دنیا اور عالم اسباب میں گیا۔ اسباب تو ان کے نتیجہ میں بعض امور پر ظہور پذیر ہوتے ہیں' وہاں تیرا اعتماد' اسباب و ذرائع یا دنیاوی اثرات وسائل پر ہی تھا یا تیرا اعتماد اللہ تعالیٰ پر قائم رہا۔ من نبیک و ما دینک دنیا میں کس نبی کی امت تھا' تیرا نبی کون تھا' تیرا مذہب' تیرا طرز حیات اور اسلوب زندگی کیا تھا اس کے ساتھ وہ اگلا سوال دہراتے ہیں۔ ماتقول فی حق ھذا الرجل کہ اس ہستی کے بارے میں تو کیا رائے رکھتا ہے' جب وہ ہذا کا اشارہ کرتے ہیں عربی زبان میں اشارہ قریب کے لئے ہوتا ہے تو جس پر سوال کیا جا رہا ہو اس کے سامنے محمد رسول اللہ ﷺ جلوہ آراء ہوتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ حضور پاک ﷺ ہر ایک کی قبر میں تشریف لائیں اگر کسی کی قبر پر حضور ﷺ بذات خود تشریف لائیں تو پھر اس سے حساب کیسا چونکہ اللہ کریم نے آپ کو منع فرما دیا ہے کہ آپ ﷺ کسی کافر یا منافق کی قبر پر تشریف نہ لے جائیں اور نہ وہاں کھڑے ہوں' نہ ہی

رکیں، سو حضور ﷺ کا کسی قبر پر تشریف لے جانا ہی اس کے جنتی ہونے کی دلیل ہے۔ حضور ﷺ تو ساری کائنات کا مرکز ہیں اور سارا دائرہ مرکز کے گرد گھومتا ہے، مرکز کبھی اپنی جگہ نہیں چھوڑتا حضور ﷺ تشریف نہیں لے جاتے، آپ ﷺ جہاں تشریف فرما ہیں، وہاں تک کے حجابات اٹھا دیئے جاتے ہیں۔ اب بات رہ جاتی ہے کہ دیکھنے والے پر درمیان میں کوئی حجاب نہیں مگر آنکھیں ہی نہ ہوں تو دیکھے کیسے؟ اس دنیا میں ہم مادی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور ان سے مادہ ہی دکھائی دے سکتا ہے۔ برزخ میں پہنچ کر مکلف بالذات روح ہو جاتا ہے اور بدن اس کے تابع ہو جاتا ہے اب اگر روح میں قوت بینائی ہے اور اس میں اگر دیکھنے کی سکت ہے اور روح کی قوت کا مدار ایمان پر ہے اگر اسے اس قدر ایمان قوی نصیب ہے، تو حجابات اٹھتے ہی وہ رخ انور نبی کریم ﷺ کو دیکھ کر پکار اٹھتا ہے، ہذا سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ --- سراجا منیرا۔ لیکن اگر زندگی میں اسے حضور اقدس ﷺ پر ایمان ہی نصیب نہیں ہوا، جان پہچان ہی نہیں، کبھی آپ ﷺ کے نقش پا کی تلاش ہی میں نہیں نکلا، تو وہاں اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا اور وہ کہہ دیتا ہے ہائے ہائے۔ کیا کہتے ہو، کس کی بات کرتے ہو، کچھ سجھائی نہیں دیتا کس کے بارے میں پوچھتے ہو، یہاں تو کوئی نہیں ہے، حجابات مٹ جانے پر بھی وہ کچھ نہیں دیکھ سکتا اور اس کے عذاب الٰہی میں مبتلا ہونے کے لئے یہ دلیل ہی کافی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ سے آشنا تک نہیں۔ یہ حال روز اول سے گزرنے والے انسان سے لے کر قیامت تک آنے والے انسان کو درپیش ہوتا ہے

چونکہ تمام انبیاء کرام نے آپ ﷺ کو مانا بھی، آپ ﷺ پر ایمان لائے اور اس امر پر کمربستہ رہے کہ ہم حضور ﷺ کی ہر خدمت بجالائیں گے اور پھر ہر نبی نے اپنی امت کو یہ ارشاد فرمایا کہ نسلاً" بعد نسل یہ پیغام دیتے چلے جاؤ کہ اگر کوئی محمد رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پائے تو آپ ﷺ پر ایمان لائے اور کماحقہ اطاعت بھی کرے۔

باب۔15

فنافی اللہ

فرمایا۔ ایک ذات ہے جسے سب کو ماننا پڑتا ہے وہ ہے ذات باری اور ذات باری کے حصول کا ذریعہ ہے ذات پیامبر ﷺ ذات پیامبر ﷺ تک رسائی کا ذریعہ طالب کے لئے شیخ ہے۔ اسی لئے اہل تصوف نے یہ مدارج مقرر کر دیئے ہیں کہ بنیاد ہی فنافی الشیخ ہے۔ فنافی الشیخ سے ترقی کر کے فنافی الرسول ہوتا ہے اور فنافی الرسول سے ترقی کر کے فنافی اللہ ہوتا ہے اگر اپنی ذات سے فنا ہوا شیخ کے سامنے بھی فنا ہے پیامبر ﷺ کے سامنے بھی فنا ہے' ذات باری کے سامنے بھی فنا ہوا تو اسے اپنی اہمیت جتانے کا اس کے سامنے کوئی ذریعہ کوئی موقع نہیں رہتا لیکن اگر یہاں پہنچ کر بھی کسی نے اس بات کو باور کرانا چاہا کہ میں بھی ہوں' وہاں سے اس کی وہی صورت' وہی بات کٹ جاتی ہے' خواہ ولی ہو شیخ ہو یا کوئی ہو جب یہ ڈور کٹ جائے تو بات کھل جاتی ہے اور پھر کبھی وہ دنیا سے آبرو یا وہ مقام لے کر نہیں جاتا۔ خداوند عالم ہم سب کو اپنی اس گرفت سے محفوظ فرمائے خلوص اور تہ دل سے اپنی طلب نصیب فرمائے حضور ﷺ کی غلامی نصیب فرمائے۔ آمین۔

فنافی الرسول ﷺ کا مطلب

فرمایا۔ فنافی الرسول ﷺ کا کمال یہ ہے کہ عادات حضور ﷺ کی اتباع بھی جان سے مال سے اولاد سے عزیز ہوتی ہیں' اب یہ محض حضور ﷺ کی یہ ایک

عادت تھی کوئی وحی الٰہی تو نہیں تھی کہ ضرور کدو کھایا جائے یا شرعاً" کوئی کدو کا کھانا فرض سنت واجب تو نہ تھا' عادت مبارکہ تھی تو وہ شخص فنا کے اس مقام پر تھے' جہاں عادات و عبادات سے فرق اٹھ جاتا ہے۔ تو پھر یہ کہنا کہ فلاں نے انتہا کو پالیا' یہ تو سادگی کی بات ہے' کوئی ایسا مقام نہیں جسے انتہا کا نام دیا جاسکے اور اس آیہ کریمہ میں یہ ترجمہ تو کیا جاتا ہے و من عندہ یعنی جو فرشتے اللہ کے پاس ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ جو بھی انسان اللہ کے قریب رہیں' دراصل انسان میں بنی آدم میں' اوصاف ملکوتی پیدا کرنے کے نظام کا نام اسلام ہے؟ فرشتوں میں تو فرشتوں جیسی صفات ہیں لیکن اس مشت غبار میں بھی اوصاف ملکوتی پیدا ہو جائیں اور اسلام بنی آدم میں فرشتوں جیسی خصوصیات پیدا کرتا ہے' عبادات' میں خشوع و خضوع' اوصاف ملکوتی میں سے ہے' روزہ اوصاف ملکوتی میں سے ہے' اپنا کمایا ہوا مال ایثار کر دینا اور مال سے محبت نہ کرنا اوصاف ملکوتی میں سے ہے۔

مراقبات و منازل کا کوئی فائدہ نہیں اگر آپ اس رستے کو نہ پاسکے یہ حاصل بھی ہو جاتے ہیں اور سلب بھی ہو جاتے ہیں یہ تو صرف نبوت ہوتی ہے جو عطا ہوتی ہے اور سلب نہیں ہوتی۔ ولایت کا مدار اوصاف انسانی پر ہوتا ہے۔ ان اللہ مع المحسنین۔ اب اگر صفت احسان نفی کر دو' تو معیت باری گئی ان اللہ مع الصابرین۔ اب اگر انسان سے صبر کی صفت اٹھا دو' تو معیت باری گئی یعنی معیت باری کا انحصار ولی کے ساتھ ولی کے اوصاف پر ہوتا ہے جس طرح مراقبات میں آپ دیکھیں گے بعض لوگوں میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ ان کو جو مراقبات کرائے جائیں' وہ ان کی ذات کا وصف بن جاتے ہیں اور پھر ان مراقبات تک ان کی روح کی رسائی ہوتی رہتی ہے بعض میں یہ وصف کمزور ہوتا ہے اور یوں ہوتا ہے کہ ایک دفعہ تو فنافی الرسول تک آپ اس کو ساتھ لے گئے لیکن جب وہ علیحدہ اپنے طور پر ذکر کے لئے بیٹھتا ہے تو وہاں نہیں پہنچ پاتا' اس لئے کہ یہ اس کی ذات کا وصف نہیں تھا جس ذات کے ساتھ گیا تھا وہ ذات اس سے علیحدہ ہوئی وہ وصف کٹ گیا پھر تعمیر ذات کے بعد اپنی محنت کے ساتھ اپنے اندر استعداد پیدا کرے تب وہاں تک رسائی پیدا ہوگی۔ اسی طرح تمام کمالات باطنی کا معیار ہوتا ہے انسان کی اپنی ذات اور اس کے ذاتی اوصاف پر اگر کسی بڑی سے بڑی ہستی کے ساتھ رہ کر وہ اس درجہ میں عمل کرتا رہے ہم نے لوگوں کو ان بزرگوں کے سامنے بھی نگاہوں

سے اوجھل ہوتے دیکھا ہے وقت رخصت عمل تو عمل رہا ایمان بھی نہ رہا' اس کی وجہ بنیادی یہ تھی کہ انہوں نے جتنی محنت حصول کمال کے لئے کی تھی وہ مرضیات باری کے نفاذ کے لئے نہیں تھی بلکہ تعمیر ذات کے لئے تھی یعنی محنت بڑی کی مجاہدہ بڑا کیا لیکن اس سارے کا ماحصل ان کے اپنے باطن میں ان کے اپنے دل میں اپنی بڑائی تھی۔ خاص آیات کو منتخب فرما کر ان پر مراقبہ کرنے کی تربیت اس لئے دی جاتی ہے کہ اس کے ساتھ ایسا قلبی تعلق ہو جائے کہ وہ کیفیت انسان کا حال بن جائے۔ مثلاً" مراقبہ احدیت ہے تو احدیت پر اگر روح کی رسائی ہو تو مزاج انسانی میں اللہ کی توحید راسخ ہو جاتی ہے کہ اسے مزید کسی دلیل کی احتیاج نہیں رہتی' کوئی بھی شخص اسے اللہ کی توحید کی بجائے اللہ کے شریک کا قائل نہیں کر سکتا اس کا مزاج بن جاتا ہے کہ اللہ ایک ہے یعنی جس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ایذا دی گئی کہ تم دل سے نہ مانو' زبانی کہہ دو کہ اللہ ایک نہیں ہے لیکن وہ زبانی جان بچانے کے لئے بھی نہیں کہہ سکتے تھے ان کا مزاج ہی نہیں مانتا تھا وہ کہتے تھے کہ کیسے کہہ دیں' اللہ ہے ہی ایک۔ ہم کیسے کہہ دیں یعنی یہ بات ان کا حال بن گئی تھی کہ اللہ ایک ہے ورنہ یہ کوئی بڑی بات نہیں تھی اور قرآن حکیم نے رخصت دے دی ہے کہ جان بچانے کے لئے کہہ بھی دو جان بچالو جان چھڑالو کہہ بھی دو' کوئی حرج نہیں لیکن کسی نے نہیں کہا۔ اس لئے کہ یہ ان کا حال بن گئی تھی تو مراقبہ احدیت پر پہنچنے یا مراقبہ احدیت پر محنت کرنے یا اسے راسخ کرنے کی ضرورت صرف اس لئے نہیں کہ کسی کو احدیت کا مشاہدہ ہو جائے تو وہ سمجھے کام ہو گیا' نہیں' اس میں وہ رقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ اللہ کی توحید مزاج بن جائے حال بن جائے سوتے جاگتے مرتے جیتے بھی بیماری ہو یا افلاس کوئی لالچ دے یا رعب ڈالے کوئی خوف ہو یا طمع لیکن ہر حال میں یہ بات اس کا مزاج بن جائے کہ اللہ ایک ہے اور کوئی اس کا ہم سر نہیں کوئی اس کے برابر نہیں جوں جوں مراقبات و مشاہدہ باری راسخ ہوتا جائے گا تو عملی زندگی میں ایک انقلاب آئے گا۔

مراقبات و مشاہدہ

فرمایا۔ مراقبات و منازل' مشاہدات و مکاشفات ان سب کا انحصار ایک بات پر ہے کہ

یہ ہمیں کس حد تک اللہ کا اعتماد اور اللہ پر یقین دیتے ہیں اور ہمیں اللہ کریم کے کتنا قریب لے گئے' ساری زندگی' ساری محنت' ساری کاوش کا حاصل صرف یہی ہے اگر خدانخواستہ اس نعمت اور مشاہدے ہونے کے یا یہ دلائل سننے کے بعد بھی ہم غلط سمت گئے تو جواب وہی بڑی سخت ہوگی' اس بارگاہ میں جاہل کی سزا کم ہوگی جب کہ عالم کی سزا کئی گنا زیادہ ہوگی' جاننے والے کی سزا زیادہ ہوگی۔ اب ایک شخص کو دنیا میں بھی سمجھ نہیں آتی اور ایک دوسرے شخص کو وہ برزخ کے مشاہدات دنیا میں ہی کرا دیتا ہے تو دونوں بیشک ایک سا گناہ کرلیں سزا دونوں کی الگ الگ ہوگی' جواب داری الگ الگ ہوگی۔ تو میرے بھائی! یہ مراقبات و منازل بڑی عظیم نعمت تو ہیں لیکن اس کے ساتھ عظیم ذمہ داریاں بھی ہیں اور سب سے کامیاب ترین بندہ وہ ہے جو عظمت الٰہی کو پالے' اپنی کمزوری کو جان لے' اپنی احتیاج کو سمجھ لے۔

اگر ارتکاب معاصی میں کمی پیدا ہونا شروع ہو جائے تو پھر بجا طور پر امید رکھی جاسکتی ہے کہ کبھی تقویٰ بھی نصیب ہوگا' لیکن اگر یہ اذکار و مراقبات بھی اسے دنیا ہی کی محبت دیں اسے گناہ ہی کی طرف رغبت دیں وہ اسے ایک اور جواز بنا لے گناہ کرے گا' کہ لوگ تو بغیر ذکر کے زندگی بسر کر رہے ہیں' گناہ بھی کرتے ہیں' ہم تو ذکر بھی کر لیتے ہیں اگر ہم نے گناہ کر لیا تو کیا ہوا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کے اذکار اس کی عبادات محض رسم ہیں' ان میں کوئی جان نہیں' کوئی روح نہیں' کوئی اثر نہیں اور وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہا ہے۔

فنا فی اللہ

فرمایا۔ جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی' اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کو ہی فنا فی اللہ کا مقام حاصل ہے اور حقیقی طور پر یہی آپ ﷺ کا منصب ہے۔ فنا فی اللہ کا تقاضا یہ ہے آپ ﷺ کی ذات بھی درمیان سے نفی ہو گئی' آپ اطاعت رسول ﷺ کی کرتے ہیں لیکن وہی اللہ کی اطاعت ہے آپ کی ذات درمیان میں نہیں آتی' اسی کو فنا فی اللہ کہا جاتا ہے اور صحابہ کی اطاعت رسول ﷺ کی اطاعت ہے' اسے فنا فی الرسول کہا جاتا ہے۔ فنا فی الرسول ﷺ کی حقیقت یہ ہے کہ بندے کا وجود درمیان میں نہ رہے' جو کچھ وہ کہے جو کچھ کرے' وہ اللہ کے رسول ﷺ

کی طرف سے ہو اس لئے حقیقی فنا فی الرسول صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہے۔

برزخ

فرمایا۔ برزخ میں مکلف بالذات روح ہو گی بدن اس کے تابع ہو گا' وہاں حصول علم بذریعہ روح ہو گا تو روح اس کیفیت کو بھی جان سکے گی کہ میری پوشیدہ نسبت جسے اخفی کا نام دیا ہے اللہ سے کس درجہ میں ہے سو اگر برزخ میں کسی کو کلام کرنے کی قوت نصیب ہو اور اللہ کریم یہ دولت دیں تو اہل برزخ اپنی آئندہ حالت کے بارے میں یہ ضرور اور حتمی طور پر بتا سکتے ہیں اگرچہ ان کی نسبت اس درجہ کی نہ تھی کہ نجات کا سبب بنتی مگر خلود فی النار سے مانع ضرور ہوئی اور اگر بالکل نسبت منقطع ہو گئی ہو تو پھر وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ اسی طرح صاحب نجات احباب بھی اپنے درجہ سے واقف ہونے کے ساتھ اپنی اس کیفیت یا نسبت سے بھی آگاہی رکھتے ہیں' بلکہ اپنے سے بڑھ جانے والوں کو دیکھ کر رشک بھی کرتے ہیں۔

نبوت و ربوبیت

فرمایا۔ یہاں دو باتیں سمجھنے کی ہیں اول حق کی طرف دعوت دینے والا نبی ہوتا ہے اور نبوت وہ منصب ہے کہ محنت' کوشش' ریاضت' مجاہدہ سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ نبی ازل سے بنا ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالے کی ربوبیت کا ایک پہلو ہے۔ اللہ تعالے جہاں انسان کی جسمانی ضرورت کا سامان مہیا کرتا ہے' وہاں انسان کے روحانی تقاضوں کو پورا کرنے کا اہتمام بھی فرماتا ہے' نبی کی بعثت کی غرض یہی شان ربوبیت دکھانا ہے اور دوسری بات یہ کہ دولت کی فراوانی ایک حقیقت پسند انسان کے لئے تو واقعی نعمت ہے مگر الٹی کھوپڑی کے آدمی کے لئے گمراہی کا سبب بن جاتی ہے۔ اس لئے اللہ کریم متنبہ فرماتے ہیں کہ دولت کا ہونا اور نہ ہونا کسی کے ہدایت پر ہونے یا معتوب ہونے کی دلیل نہیں بلکہ یہ ہماری تقسیم حکمت پر مبنی ہوتی ہے' رزق' عمر' صحت سب ہمارے حکم کے تحت ملتی ہے کسی کے اقتدار' کسی کے زوال' کسی کی عزت کسی کی ذلت سب ہمارے قانون تکوینی کے تحت ہوتی ہے' سب کام اپنے وقت پر ہوتے ہیں' ہماری طرف سے مقررہ وقت آنے پر سب کچھ چھوڑ کے لوگ چلے جاتے ہیں۔ ہر حالت میں انسان کے لئے ابتلا ہے' آزمائش ہے' امتحان ہے۔ معراج سوائے ان لوگوں کے جنہیں

منازل سلوک نصیب ہوئی ہوں' یہ معجزہ معراج جو ہے' اس کی عظمتیں کس کو منتقل ہوئی ہیں' صادقین جنہیں واقعی سلوک نصیب ہو' حقیقتاً" وارث ہوتے ہیں اس معجزے کے۔ اب تو کسی کا جسم اس تقدس کو پانے سے رہا' جو محمد ﷺ کے جسد اطہر کا تھا ساری نیکیاں' ساری عبادتیں' سارے اذکار کرنے کے بعد کسی کی روح کو بھی اگر ان نقوش کف پا تک رسائی حاصل ہو جائے تو یہ کسی بھی آدمی کے لئے کمال کی انتہا ہے۔ اور پھر یاد رکھیں کہ ارواح کو بھی اگر شیخ کی توجہ نصیب نہ ہو تو ارواح احدیت تک بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ بلکہ محققین کے نزدیک احدیت کا فاصلہ زمین سے روح کی رفتار سے پچاس ہزار سال کا ہے

شب قدر

فرمایا۔ انسانوں پر اللہ کی بے شمار شفقتوں کے ساتھ ساتھ ایک اور نعمت لیلتہ القدر کی بھی رکھ دی اور اس لیلتہ القدر میں ایک انقلابی لمحہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے سب سے بڑی نعمت جو کسی بھی مخلوق کو نصیب ہوئی' وہ اس کا ذاتی کلام ہے جو صفت ہے اس کی اور جس کے ساتھ اتنی تجلیات ذات برستی ہیں جو دلوں کو سیراب کر دیتی ہیں اور اس سے بڑا کوئی دوسرا انعام نہیں ہے تو فرمایا یہ ایسی مبارک رات ہے کہ اس میں میرا ذاتی کلام مخلوق کی طرف منتقل ہوا۔

ولی اللہ کی برکات

فرمایا۔ میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو زندگی بھر مراقبات کی تلاش میں رہے اور مراقبات نہ ہو سکے اور مرنے کے سینکڑوں سال بعد کوئی کامل ان کی قبر کے پاس گزرا اور انہوں نے مراقبات کرا دیئے۔ زندگی بھر ایک شخص تلاش کرتا رہا' دنیا سے گزر گیا' برزخ میں بھی صدیاں بیت گئیں لیکن جب اللہ نے اسے دینا چاہا تو وہاں بھی دے دیا اور کسی کو اس کی قبر پر بھیج دیا اور اس نے اسے مراقبات کرا دیئے۔ یہ اس لئے تھا کہ اس نے زندگی بھر اپنے آپ کو اللہ کے روبرو سمجھا اور خدا کی اطاعت کی ہے۔

باب۔16

لیلتہ القدر

فرمایا۔ تنزل الملائکتہ والروح۔ اس رات فرشتوں کو نزول کی بھی اجازت ملتی ہے' روئے زمین پر۔ جس کا قرب جس کا پاس ہونا ایک اپنا اثر رکھتا ہے' اس اثر سے تجلیات باری کی طلب دل میں بڑھ جاتی ہے' جمال باری کا ذوق بڑھ جاتا ہے' جمال باری کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے یعنی جو تجلیات ادھر سے برستی ہیں ان کو سمونے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے اب یہ انسان پر ہے کہ وہ ان لمحوں میں اپنے آپ کو فرشتوں کے ساتھ روح کے ساتھ اللہ کے ساتھ رکھتا ہے یا اس کی نافرمانی یا اس کی عظمتوں کا انکار اس کے نام سے غافل ہو کر اپنے آپ کو اس سے محروم کر لیتا ہے۔ اس کی ایک اور تعبیر بھی ہے انسانوں کو جس قدر برکات ملیں' ارواح انسانی نے انبیاء علیہ السلام کی روحانیت سے اخذ کیں۔ بدن آلہ کار تھا' اصل انسان تو روح تھی' پھر نسلاً" بعد نسلاً" جوں جوں انسانی روح سدھرتی گئی منور ہوتی گئی' وہ اس روشنی کے آگے پھیلاتی اور بڑھاتی چلی گئی' آج بھی دلوں کی دنیا جو آباد ہے' وہ ان سے روحانی فیوض و برکات سے ہے لیکن بہت تھوڑے ایسے خوش نصیب ہوتے ہیں جن کی روحوں کو' جن کے دلوں کو' جن کے باطن کو ان ارواح سے ان مقدس ہستیوں سے ان بزرگ و برتر لوگوں سے ان نیک اور سعید روحوں سے رابطہ نصیب ہوتا ہے' جو منور ہوتی ہیں' انوار نبویہ ﷺ سے دلوں کو روشن کرنا چاہئے۔ اس رات اللہ فرماتے ہیں اس دن ارواح سے جو برکات تقسیم ہوتی ہے' وہ عام ہو جاتی ہیں نہ صرف وہ ارواح جنہوں نے دنیا میں

جمال اور تجلیات اخذ کئے' بلکہ عام مومنین کی ارواح کو بھی نزول کی اجازت ملتی ہے' جو اللہ کی بارہ گاہ میں نجات یافتہ رحمت الٰہی میں اور اس کے کرم پر وقت بسر کرتے ہیں جب ان کا نزول ہوتا ہے تو جس جس طرف وہ متوجہ ہوتے ہیں بیٹا ہے' بھائی ہے' دوست ہے' کوئی اولاد ہے' کوئی کسی رشتے سے ہے' شاگرد ہے تو وہ ارواح جنہیں برزخ میں قوت پرواز نصیب نہیں ہوتی' لیکن لیلتہ القدر کو نزول کی ان کو بھی اجازت مل جاتی ہے تو جب وہ زمین پر آتی ہیں تو اپنے اپنے متعلقین کی طرف وہ متوجہ ہوتی ہیں جس کی طرف وہ متوجہ ہوتی ہیں' تو جو رحمتیں جو کیفیتیں وہاں ان کی روح پر ان کے پاس موجود ہوتی ہیں ان کا عکس ان کے دل پر پڑتا ہے۔ یعنی ایک تو خاص طبقہ ہوتا ہے اہل اللہ کا جو ذکر اذکار کرتے ہیں جنہیں توجہ نصیب ہوتی ہے اور جن کے قلوب متقدمین سے وابستہ ہو کر اخذ برکات کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ جو لوگ دنیا سے اٹھ چکے اور نجات پا چکے اور برزخ میں اللہ کی بخشش کے زیر سایہ ہیں اور ان پر انعامات الٰہی وارد ہوتے رہتے ہیں لیلتہ القدر کو انہیں بھی نزول کی اجازت ہوتی ہے جب وہ زمین پر آتے ہیں تو لامحالہ والد ہے تو اولاد کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور بھائی ہے تو بھائیوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے خاوند بیوی کا رشتہ ہے تو اس رشتے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ان کے لئے دعا بھی کرتا ہے اور اس کے قرب سے اس کی توجہ سے قلب میں وہ کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں جو اسے متوجہ الی اللہ کر دیتی ہیں یعنی ایک روحانی توجہ غیر شعوری طور پر یا بغیر کسی محنت و مشقت کے قلب کو ثبات بھی عطا کرنا ہے یعنی مومنین کو ثبات بھی عطا کرنا ہے اور ثبات تب نصیب ہو گا' جب قلب کو ثبات آئے گا قدم تو تب کھڑے ہوں گے جب دل میں جرات آئیگی۔

تو گویا نزول ملائکہ استعداد قلبی کو بڑھانے کا ایک قدرتی سبب بن جاتا ہے یعنی ایک طرف تو تجلیات کی بارش برسا دی اور دوسری طرف ہماری غفلتوں ہماری کوتاہیوں ہماری لغزشوں سے جو استعداد قلبی ضائع ہو چکی تھی اس کو مرمت کرنے کے لئے دل کو شیشہ بنانے کے لئے دل کو چمکانے کے لئے فرشتوں کو حکم دے دیا کہ پھیل جاؤ زمین پر اور انسانوں کو ہر اس انسان کے دل کو جو میری تجلی کی طلب میں دامن وا کئے کھڑا ہو اس میں استعداد پیدا کر دو کہ وہ خالی نہ جائے یعنی اس طرف یہ اہتمام بھی فرمایا اور یہ بھی کرم فرمایا کیونکہ ہر دل تو اس قابل

نہیں ہے کہ جب وہ متوجہ الی اللہ ہوگا تو تجلیات کو اخذ کرلے گا۔ حتیٰ کہ صاحب تفسیر روح المعانی لکھتے ہیں کہ کوئی ایسا بندہ جو اس رات میں متوجہ الی اللہ عبادت کر رہا ہوتا ہے وہ ایسا نہیں رہتا کہ جبریل امین جیسا فرشتہ مصافحہ نہ کرے پھر وہ اس مصافحہ کی نشانیاں لکھتے ہیں کسی کو جب یہ مصافحہ نصیب ہوتا ہے تو اس کے بدن کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں' دل پہ رقت آجاتی ہے اور آنکھوں میں پانی آجاتا ہے' طلب الٰہی بڑھ جاتی ہے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور آنسو بہنے لگتے ہیں پھر صرف جبرائیل امین علیہ السلام نہیں بلکہ فرشتوں سے زمین کا چپہ چپہ بھر جاتا ہے کوئی چپہ زمین کا ایسا نہیں ہوتا جس پر فرشتہ موجود نہ ہو یہی فرشتے طلب رحمت' قبول رحمت کی استعداد قلوب میں پیدا کر دیتے ہیں ایسا کریم ہے کہ ادھر خزانے کے منہ کھول دیئے اور ادھر نوکر مقرر کر دیئے کہا کہ انہیں تقسیم کرتے جاؤ۔ اس کے ساتھ ایک عجیب سی توجیہہ اور ہے علماء نے تنزل الملائکتہ والروح روح سے مراد جبرائیل امین کو بھی لیا گیا ہے' لیکن مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ ایک الگ مخلوق ہے ایک ایسی مخلوق جو لطیف ہے جیسے ہمیں فرشتہ نظر نہیں آتا اسی طرح یہ مخلوق فرشتے کو بھی نظر نہیں آتی اور جنتیوں کی جنت میں خادم ہوگی وہ اتنی لطیف ہے کہ فرشتے بھی اسے دیکھ نہیں سکتے۔ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ مخلوق جو جنت میں جنتیوں کی خادم ہوگی جو وہاں ان کے قلوب کو دیدار باری کی تمنا باری کا ذوق اور جمال باری کی استعداد سے بہرہ ور کرے گی میں اس کو بھیج دیتا ہوں۔

تنزل الملٰئکتہ والروح فیھا باذن ربھم۔ اللہ کریم کے اذن سے وہ ساری ارواح زمین کی طرف نزول فرماتی ہیں کہ وہ اپنے ساتھ اس درجے کی نورانیت اس درجے کی کیفیت آنے والے فرشتے زمین پر لاتے ہیں ہر آنے والی روح کے ساتھ زمین پر اس کی تجلی ہوتی ہے اور وہ زمین پر پہنچتی ہے تو پھر زمین کا باسی کوئی تھوڑی بھی کوشش کرے تو اس قدر روشنیاں اس قدر کیفیات اس قدر اوصاف کی چمک دمک ہوتی ہے تجلیات ذات باری کی برکات الگ' اوقات لیلتہ القدر کی برکات الگ اور حاملین اوصاف ملکوتی کی برکات الگ جو ایک عجیب سماں پیدا کرتی ہے۔

علماء کے روح کے بارے میں دو طرح کے خیال ہیں بعض کے نزدیک روح سے مراد جبرائیل امین ہیں اور بعض کے نزدیک ہر نجات یافتہ روح مراد ہے جو زیادہ قرین قیاس ہے جو

والملائکتہ میں آگیا ہے' اور اس کے ساتھ "واؤ" عطف کی لگا کر دراصل اللہ قادر ہیں کہ اگر فرشتے کو برکات بانٹنے کے لئے بھیج سکتے ہیں تو فرشتے سے بدرجہا مقدس ہیں وہ لوگ جنہوں نے اوصاف ملکوتی حاصل کر کے اللہ کی تجلیات بحیثیت انسان حاصل کر کے دار تکلیف میں مقدس زندگی گزار کر قرب الٰہی کو پالیا تو جب ملائکہ کا نزول ہو سکتا ہے رحمتیں بانٹنے کے لئے تو ان ارواح کے نزول میں کون سی رکاوٹ ہے کہ آدمی خواہ مخواہ کی تعبیر کرے اور ملائکہ اور روح کے درمیان واؤ عطفی موجود ہے اور داؤ عطف کی ہوتی ہے دو چیزوں کو الگ کرنے کے لئے اگر ایک ہی چیز کا ذکر ہو تو اس میں واؤ عطف کی نہیں آتی' یہ عام سا قاعدہ ہے۔ قرآن کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ بات کو لمبا نہیں کرتا کم الفاظ میں بے شمار معانی کو سمیٹ لیتا ہے تھوڑے سے تھوڑے الفاظ استعمال کر کے بڑے بڑے سے معانی اور مضامین بیان کر دیتا ہے' تو میرے ناقص خیال کے مطابق نزول ملائکہ بھی ہوتا ہے اور وہ ارواح انبیا علیہ السلام کی ارواح مبارکہ مقدس ہیں یا شہداء الصالحین کی ارواح ہیں' جن سے اکتساب فیض کے لئے کوئی محنت اور روحانی طور پر کوئی شخص استعداد حاصل کرے کہ وہ برزخ میں پہنچ سکے اور ان سے استفادہ کر سکے اس رات وہ ارواح بھی زمین پر نزول فرماتی ہیں تاکہ طالبان ان کیفیات کو سمیٹ سکے۔ اب یہ ان لوگوں پر منحصر ہے جو دار التکلیف میں زندہ اور موجود ہوتے ہیں کہ وہ اس سے کتنا اخذ کرتے ہیں' تو اس کے لئے کتنی محنت کرتے ہیں۔ تو اس میں یہ تین باتیں آگئیں' ایک خود باری تعالٰی کا نزول' کلام باری کے ساتھ بیشتر علماء کا خیال یہ ہے کہ عالم تخلیق کی طرف قرآن کا نزول جو ہے اسی رات میں لوح محفوظ میں ہوا پھر رفتہ رفتہ نازل ہوتا رہا اور عالم تخلیق میں جب وارد ہوا تو وہ لیلتہ القدر کی رات تھی۔ تجلیات ذاتی جو کلام الٰہی کے ساتھ بطور برکت ذاتی ہوئی تھی اس کے نتیجے میں لیلتہ القدر کے لمحات میں وہ برکت ذاتی ہوتی تھیں جس کے نتیجے میں اس شب کے لمحات میں وہ برکت رکھ دی گئی جو ایک ہزار مہینہ مسلسل حضوری میں گزر جائے تو وہ کیفیت حاصل نہ ہو جو لیلتہ القدر کی زندگی میں ایک رات میں عطا ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ آگئی ہے کہ اوصاف ملکوتی کو حاصل کرنا انسانی جدوجہد کا مقصد ہے' انسانی حیات کا مقصد ہے دراصل کارگاہ عالم کی منڈی سے جو کچھ انسان نے خرید کر لے جانا ہے

وہ ملکوتی ہے' وہ کہاں تک کمالیتا ہے ان اوصاف کو مثلاً" جب آپ کسی کو انجنیئر بنانا چاہتے ہیں تو اس کو انجنیئرز میں رکھنا ضروری ہے۔ آپ کسی کو ڈاکٹر بنانا چاہتے ہیں تو اسی کلاس کے ساتھ اس کے رہنے کا اہتمام بھی ڈاکٹروں کے ساتھ کریں اس کے کمرے میں سارے ڈاکٹر بھی رہتے ہوں' تو وہ اس کو کلاس سے زیادہ کام دے جائیگا' اسی طرح کسی زندگی میں آپ یہ دیکھ لیں کہ عام تجربے کی بات یہ ہے۔ بالکل اسی طرح اگر کوئی ملکوتی انسان بنانا چاہتا ہے تو اسکے گردا گرد اس ملکوتی عالم کو ہی پھیلا دیا جائے تاکہ ذکر کرے سجدہ کرے' تلاوت کرے' اب اس کا سارا ماحول ان ملا ئکہ یا ان ارواح سے بھر دیا جائے تاکہ وہ جلد از جلد ملکوتی صفات حاصل کریں۔

لیلتہ القدر تنزل الملائکۃ والروح فرشتوں کو نزول کی بھی اجازت ملتی ہے روئے زمین پر اور اس مخلوق کو اس روح کو بھی جس کا قرب جس کا پاس ہونا ایک اپنا اثر رکھتا ہے' تجلیات باری کی طلب دل میں بڑھ جاتی ہے جمال باری کا ذوق بڑھ جاتا ہے جمال باری کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے یعنی جو تجلیات ادھر سے برس رہی ہیں ان کو سمونے کی قوتیں پیدا ہو جاتی ہیں اب یہ انسان پر ہے کہ ان لمحوں میں اپنے آپ کو فرشتوں کے ساتھ روح کے ساتھ اللہ کے ساتھ رکھتا ہے یا اس کی نافرمانی یا اس کی عظمتوں کا انکار اس کے نام سے غافل ہو کر اپنے آپ کو اس سے محروم کرلیتا ہے یعنی اس طرح سے کمی نہیں ہوتی۔

فرمایا۔ لیلہ القدر انا انزلنہ فی لیلۃ القدر۔ میں نے اپنے کلام کو اس مبارک اس قدر والی رات عظمت والی رات میں نازل فرمایا اور اس کے ثمرات و اثرات کو عام کیا۔ اب دیکھیں فرق تو استعداد کا ہوتا ہے ساری زمین میں ذرات ایک جیسے ہیں' کسی پہ سورج چمکتا ہے تو ہیرا بن جاتا ہے کسی پہ چمکتا ہے تو چیخ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے' ذرات تو ایک ہی طرح کی زمین کے ہیں یعنی کسی پہ سورج چمکتا ہے تو وہ پہلے جو اس کا وجود تھا اسے بھی کھو بیٹھتا ہے' ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے' دھوپ کی حدت سے کوئی اسی سورج کی تمازت کو سمو کر ہیرا بن جاتا ہے' اسی طرح جو تجلیات کلام باری کے ساتھ نزول ہوتی ہیں' ان کا اثر قلوب انسانی پر ہوتا ہے' جن میں استعداد ہوتی ہے ہیرا بن جاتا ہے' اس سے بھی قیمتی دھات بن جاتا ہے اور کوئی جو کچھ پہلے تھا اسے بھی کھو بیٹھتا ہے' اسی کا انکار کر کے ہمیشہ کے کفر میں گمراہی میں ابدی

ضلالت میں گر جاتا ہے' اب یہ اپنی اپنی استعداد کی بات ہے' ورنہ جتنی برکات اس ایک رات میں حاصل کی جاسکتی ہیں' وہ اس کے علاوہ ہیں' یعنی اگر لیلتہ القدر کی برکات کو چھوڑ دیں تو باقی دنیا کی ساری عمر جمع کر کے بھی حاصل نہیں کی جاسکتیں۔

اس ایک رات میں جتنی تجلیات قلوب انسانی حاصل کر سکتا ہے' لیلتہ القدر کے علاوہ جتنی دنیا کی عمر ہے جتنی زمانوں کی عمر ہے اس سارے میں بھی نہیں کر سکتا یعنی اگر مسلسل ان پر تجلیات و برکات متوجہ رہیں اس میں استعداد بھی ہو اور وہ جمع بھی کرتا رہے' تو اتنی فراوانی ان ساری صدیوں میں نہیں جمع ہو سکتی جتنی اس ایک رات میں جمع ہو جاتی ہیں اور اگر اسے "الف" مہینہ ہی شمار کیا جائے تو پھر بھی ساڑھے تراسی سال جاکر بنتے ہیں تھوڑی مدت نہیں بنتی ہزار مہینے سے پھر بھی ایک صدی جاکر بنتی ہے۔

پھر اس میں ایک عجیب بات ہے مزید ارشاد فرمایا میری طرف سے جو تجلی رحمت یا تجلی صفات یا کرم ہوتی ہے وہ تو مومنین کے لئے ہوتی ہے لیکن جو انسان اپنی قلبی استعداد کو ضائع کرتا رہتا ہے سارا سال خطائیں کرتا ہے غفلت کا شکار رہتا ہے نافرمانیاں کرتا ہے غذا صحیح نہیں کھاتا اور بے شمار ایسے امور ہیں جو اس کی قبولیت کی استعداد کو ضائع کرتے رہتے ہیں' میں اس کا بھی انتظام کئے دیتا ہوں' یعنی کوئی میرے دروازے پر طالب بن کر کھڑا ہو جائے اور اس کے دل میں وہ استعداد نہ ہو' وہ ضائع کر چکا ہو' بہت سی کمزوریاں بہت سی ٹوٹ پھوٹ ہو چکی ہو' تو بھی میں ان برکات و تجلیات سے قلبی استعداد کو مرمت کر لوں گا۔

فرمایا۔ رب جلیل کی بنائی ہوئی اس مخلوق' حضرت انسان کا مزاج بھی عجیب شے ہے اور اس کا اپنا نظام بھی انسانی فکر و شعور سے بالاتر ہے' بعض اوقات ہم چیز کو بڑی شدت سے مانگ رہے ہوتے ہیں جس کام کے لئے رو رو کر دعائیں کر رہے ہوتے ہیں وہی ہمارے لئے نقصان دہ ہوتا ہے' بعض اوقات ہم کسی کام سے' کسی چیز سے' کسی بات سے بچنا چاہ رہے ہوتے ہیں' اور ہمیں یہ نہیں پتہ ہوتا کہ ہمارے لئے اس میں کتنا فائدہ ہے وہ خود بہتر جانتا ہے لیکن بہرحال انسان کو بھی اس نے بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے جن میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ اس کی ساری مخلوق میں صرف انسان ایسا ہے جو اس کی ذات کا طالب بنتا ہے اس کی ذات کو پہچانتا ہے اور ایسا پہچانتا ہے کہ اس سے محبت کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے' اس کے جمال کا

طالب بن جاتا ہے' انسان کے علاوہ کسی دوسری مخلوق میں یہ جرات نہیں ہے' ساری مخلوق حکم کی تابع ہے' انسان حاکم کی اطاعت اسے پہچاننے کے بعد کرتا ہے یہ انسانیت کی اساس ہے' بنیاد ہے' اور یہ بنیاد انسانیت کو نور نبوت سے ملتی ہے۔ ہر سینے میں ایک چراغ ہے اس میں تیل بھی ہے' روغن بھی ہے' بتی بھی ہے' لیکن شعلہ نہیں ہے' شعلہ اسے نور نبوت سے نصیب ہوتا ہے' ایمان سے نصیب ہوتا ہے اور جب انسان کو ایمان کی نعمت نصیب ہوتی ہے تو اللہ کی پہچان نصیب ہوتی ہے اور اس کی عظمت کو سمجھنے کی توفیق ارزاں ہوتی ہے اور انسان ان باطنی قوتوں' روحانی طاقتوں' قلبی کیفیات کامشاہدہ کرنے کے قابل ہوجاتا ہے' تجزیہ کرنے کے قابل ہوجاتا ہے' چیزوں کو سمجھنے کے قابل ہوجاتا ہے' لیکن اگر کوئی ایمان نہیں لاتا تو اس کے دل کا تعلق نور نبوت سے استوار نہیں ہوتا' البتہ مادی عقل اس میں بھی اتنی کامل و مکمل ہوتی ہے کہ وہ مادی چیزوں کو' مادی مسائل کو' مادی ضروریات کی تکمیل سمجھ لیتا ہے' آپ دیکھ لیں میڈیکل سائنس کتنی ترقی کر گئی لیکن ڈاکٹر بننے کے لئے ایمان شرط تو نہیں ہے' اسی طرح ٹیکنالوجی کتنی ترقی کر گئی اور کسی شعبے میں کوئی اچھا ماہر بننے کے لئے مسلمان ہونا ضروری نہیں اس لئے کہ یہ ساری عقلی کاوشیں ہیں' مادی کاوشیں ہیں' عقل بھی ہے' یہ چیزیں مادی ہیں' ہاں نور ایمان ہو تو کافر کی نسبت زیادہ سمجھ لیتا ہے زیادہ سلجھالیتا ہے' زیادہ اچھی طرح سے پالیتا ہے' جلدی سمجھ لیتا ہے' استعداد بڑھ جاتی ہے۔ مادی چیزوں کے تجربے تو کافر نے بھی کئے' ایجادات کا عہد ہے' روز نئی چیزیں ایجاد ہوتی ہیں لیکن اگر آپ غور فرمائیں تو تخلیق کچھ بھی نہیں ہوتا کیونکہ خالق وہ اکیلا واحد لاشریک ہے' اس کی صنعت۔ اشیاء کے مختلف اجزاء جوڑ کر ایک نئی چیز تو ضرور بنتی ہے لیکن اس نئی چیز کے وہ سارے جزو اور ان میں جو خصوصیت ہے وہ ساری اللہ کی پیدا کردہ ہوتی ہیں انسانی عقل اس کلیہ کو پالیتی ہے کہ فلاں فلاں اجزاء اس نسبت سے ملائے جائیں تو یہ چیز بن جائیگی' فلاں پرزہ اس طرح جوڑا جائے تو ایسی مشین بن جائیگی' یہ انسانی عقل تلاش کرتی ہے لیکن وہ نہ لوہا پیدا کرتا ہے نہ وہ لکڑی پیدا کرتا ہے اور نہ وہ اور کوئی دھات پیدا کرتا ہے' ساری چیزیں اللہ کی پیدا کردہ ہوتی ہیں۔ لیکن تجربات و علم اسے یہ شعور دے دیتا ہے کہ وہ ان کو جوڑنے کا راز پالے خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان بہت قیمتی چیز ہے پھر مومن اور غیر مومن میں فرق کیا ہے اور وہ یہ کہ

مومن کے پاس ایک روشن کتاب بھی ہے' اللہ کا نبی ﷺ اور اسکی نبوت بھی ہے مومن کے پاس تو بہت سے وسائل ہیں کہ وہ ان حقائق کو جان لے جن تک کافر کی نظر نہیں پہنچتی۔

فرمایا۔ ملائکہ مکلف مخلوق میں سے ایک قسم ہے ملائکہ کی ہی ملائکہ ایسی مخلوق ہیں جن میں کمالات تو ودیعت فرمائے گئے ہیں' جسم بھی ہے لیکن ان کا جسم مادی نہیں ہے ان کی ضروریات مادی نہیں ہیں تو جس قدر مصیبتیں مادی وجود کے ساتھ ہیں ان کے وجود کے ساتھ نہیں ہیں' نہ بھوک ہے نہ پیاس ہے نہ شہوت ہے' نہ بیماری ہے' نہ صحت ہے' نہ گرمی ہے' نہ سردی ہے' یہ چیزیں ان کے ہاں نہیں ہیں' وہ پیدا ہی نور سے ہوئے ہیں وجود بھی نورانی ہے اور ان کی غذا ان کی دوا ان کی حیات ان کا آرام ان کا اوڑھنا ان کا بچھونا ان کا گھر اور ان کی منزل سوائے ذکرالٰہی کے کچھ نہیں اور سوائے اطاعت الٰہی کے اور وہ کچھ نہیں کرتے ویفعلون مایو مرون۔ وہی کرتے ہیں جس کا اللہ کی طرف سے حکم دیا گیا نہ ان میں نفس ہے اور نہ نفس کی خواہشات نہ انعامات نفس ہیں' تو اس میں انہیں سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ محفوظ و مامون ہیں گناہ سے' خدا کی دوری ہے اللہ کی گرفت ہے لیکن یہ تو فائدہ ہی نہیں ہے' اس میں انہیں ایک نقصان بھی ہے اور وہ اس فائدہ کی نسبت بڑا ہے' ہمیشہ منافع کے ساتھ نقصان کا امکان ہوا کرتا ہے' اب ان کا جو منافع ہے ان کے ساتھ ان کا نقصان یہ ہے کہ وہ کروڑوں سال بھی ہمہ وقت عبادت میں بسر کرنے کے بعد جس منزل پہ رب العالمین نے پیدا فرما دیا ہے اس سے آگے ایک قدم نہیں رکھ پاتے' ومامنا الالہ مقام معلوم۔ ہر ایک کے لئے ایک مقام مقرر ہے ایک مقرر درجہ و مرتبہ ہے۔ ان کے وہ سارے مقام بقائے الٰہی اور تجلیات ذاتی سے نیچے نیچے ہیں ان میں نہ وہ جرات آسکتی ہے نہ وہ اس شئے کو پاسکتے ہیں نہ وہ ان میں استعداد ہی ہے کہ تجلی ذات کو وہ برداشت کرسکیں۔

فرمایا۔ جنات = اس کے بعد دوسری قسم کی مخلوق مکلف جو ہے وہ انسان اور جن ہیں جنوں میں نفس ہے نفس کی خواہشات ہیں اور ان دونوں فریقوں میں جن جو ہیں وہ انسانیت کے تابع اور اس کے پیچھے پیچھے ہیں گناہ کی استعداد جنات میں بالکل انسانوں کی طرح ہے لیکن نیکی کی استعداد ان میں انسانوں جیسی نہیں' معرفت باری کی استعداد ان میں انسانوں جیسی نہیں ہے' اور یہاں آکر وہ بھی رک جاتے ہیں کہ تجلیات ذاتی کو برداشت کرنے کی قوت جنات میں

بھی نہیں ہے' یہ صرف شرف انسانیت ہے اگر جنات میں یہ قوت ہوتی تو جنات میں سے بھی نبی معبوث ہوتے چونکہ اس قوت کا ظرف یا مہبط یا اس کی بنیاد جو ہے وہ نبوت ہے اور نبوت صرف انسانوں کو عطا فرمائی گئی۔ جن ان کے تابع ہیں اس معاملہ میں اگر جنوں میں ذاتی طور پر یہ استعداد ہوتی تو انہیں بھی نبوت سے سرفراز فرمایا جاتا تو جنات کا نبی نہ ہونا اس بات کی دلیل بن جاتا ہے کہ مقامات قرب میں' منازل معرفت میں اور تجلیات ذاتی کی برداشت میں جنات میں وہ سکت نہیں ہے' جو انسان میں ہے۔

لیکن جہاں تک گناہ کا تعلق ہے اس میں وہ انسانوں سے بڑھ جاتے ہیں چونکہ ان کا نفس بھی ہے نفسانی خواہشات بھی ہیں اور پھر انسانوں کی نسبت گناہ کرنے کے مواقع انہیں زیادہ حاصل ہیں جسم لطیف ہیں ان کا' غیر مرئی مخلوق ہیں تو جو جی چاہے کرتے رہتے ہیں۔ انسان اگر گناہ کرنا چاہیں تو ان میں سب سے کم تر اور سب سے رذیل تر نفس اس میں موجود ہے' یعنی جنات بھی پھر آگ سے تخلیق ہوئے کسی حد تک ان میں ستھرا پن ہے لیکن انسان اگر گناہ کرنا شروع کر دے تو بہت ہی ذلیل حد تک چلا جاتا ہے۔

فرمایا۔ نفس انسانی کی تخلیق مٹی گارے اور بدبودار کیچڑ میں سے ہے اور یہ سراپا تعفن ہے اور جب یہ برائی سوچتا ہے تو یہ بسا اوقات جنات اور شیطان سے بھی آگے نکل جاتا ہے کیونکہ اس کا نفس تمام مخلوق میں سے ذلیل ترین چیز ہیں ثم رددنہ اسفل سافلین۔ سب سے نیچے جو درجہ ہے وہ ہے خاک کا اور مٹی میں سے بھی اس مٹی کا جو گارا بن گئی ہو اور گارا بن کر بھی سڑ چکی ہو آپ نے دیکھا ہو گا ایک سیاہ رنگ کا کیچڑ بن جاتا ہے' جس کی بدبو قریب نہیں پھٹکنے دیتی' انسانی مزاج جو ہے جب یہ گناہ آلود ہوتا ہے گر جاتا ہے تو پھر اپنی اس سطح پر جا کر ٹھہرتا ہے جس طرح سیاہ رنگ کا وہ کیچڑ ہوتا ہے لیکن اس میں ایک بات رکھی گئی ہے کہ اسے استعداد دی گئی ہے تجلیات باری کی برداشت کی بھی اور معرفت کی بھی اور جب معرفت اور برداشت کی استعداد دی گئی ہے تو اس میں یہ طلب بھی پیدا کی گئی ہے کہ یہ طالب ہی ذات باری کا جا کر بنتا ہے۔

تو یہ عجیب ترین تخلیق ہے اب اگر اپنی اس استعداد کی طرف یہ مائل ہوتا ہے تو پھر یہ رذائل کو ایک ایک کر کے پھٹکتا جھٹکتا چلا جاتا ہے اور اوپر ہی اوپر اٹھتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ اس کی

نگاہ وہاں جا کر ٹھہرتی ہے جہاں فرشتہ بھی دم نہیں مار سکتا اور خدانخواستہ اگر یہ نیچے گرتا چلا جاتا ہے تو پھر یہ اتنی گہرائی میں جاتا ہے کہ اسے خود بھی یاد نہیں آتا تو گویا انسانی کمال یہ ہے کہ جب اسے استعداد دی گئی ہے کہ اس نفس کو رکھتے ہوئے اوصاف ملکوتی کو حاصل کرے اگر اس نفس کے ساتھ یہ فرشتوں والے ملکوتی اوصاف پیدا کرتا ہے تو چونکہ فرشتہ سراپا بغیر نفس کے ہے بغیر رکاوٹ کے ہے اور یہ ان رکاوٹوں کو عبور کر کے جب ملکوت کی طرف بڑھتا ہے' اوصاف ملکوتی حاصل کرتا ہے تو پھر اسے وہ قرب نصیب ہوتا ہے جو' صرف اس کے حصے میں ہے۔

فرمایا۔ اللہ جل شانہ نے انسان کو وہ شعور عطا فرمایا ہے جس سے یہ اللہ کی عظمت کو پہچان سکتا ہے' اور یہ دار دنیا سارا اس لئے پیدا فرمایا ہے کہ یہ انسان کی خدمت کرے' انسان اس سے خدمت لے' اس میں رہے' بسے کھائے' پیئے' زندگی گزارے لیکن یہ جینا یہ کھانا پینا یہ زندگی گزارنا اس مقصد کے لئے ہے جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا اور جس کی اسے استعداد دی گئی اور وہ ہے اللہ کی پہچان' اللہ کی معرفت' اللہ کی رضا طلب اور اللہ کا قرب' لیکن یہاں قاعدہ الٹ گیا انسانوں کی اکثریت نے اللہ کے قرب کو چھوڑ کر محض دنیا کی دولت کو مقصد حیات بنالیا جو سراسر خسارے کا سودا ہے۔

فرمایا۔ حرص و لالچ = ایک باپ کے صلب ایک ماں کے پیٹ سے دو چار دس بہنیں بھائی پیدا ہوتے ہیں ہر شخص کی عقل اپنی ہے شعور اپنا ہے قد کاٹھ اپنا ہے' شکل اپنی ہے' رنگت اپنی ہے' سوچ اپنی ہے' عمر اپنی ہے' وقت اور رزق اپنا ہے کوئی دوسرے کا نہیں چھین سکتا جب کوئی کسی سے اللہ کی دی ہوئی شے نہیں چھین سکتا تو روزی بھی نہیں چھین سکتا اگر روزی عقل سے یا ہوشیاری سے یا طاقت سے چھینی جاسکتی تو کمزور لوگ تو ہمیشہ بھوکے مرتے طاقت ور ہی سب کی روٹی کھا جاتے مگر ایسا نہیں ہے۔ ہم تو پیدا نہیں ہوئے تھے ہم سے پہلے طاقت ور لوگ پیدا ہوئے تھے ہمارے حصہ کی روزی بھی سمیٹ کر کھا جاتے اور آج کا انسان جتنی ہوس میں مبتلا ہے اگر انسان کا بس چلے تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ دنیا میں کسی بعد والے کے لئے چھوڑ کر مرے گا یہ ساری کی ساری روزی اٹھا کر لے جائیگا لیکن ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ ہر ایک کی اپنی قسمت' اپنی روزی ہے اور وہ دینے والا ہے جب یہ بات اتنی یقینی ہے تو اس کے

لئے ہم دن رات پریشان ہیں جس کا ذمہ خدا نے لیا ہے اس کے لئے ہم پریشان ہیں اور ہمارے ذمہ اس نے یہ لگایا ہے کہ تمہیں میں نے عقل دی ہے نبی ﷺ کی اطاعت کرو مگر عجیب انسان ہے کہ روزی چھیننے کے لئے تو رات دن بھاگ رہا ہے نبی ﷺ کی اطاعت کے لئے محنت نہیں کرتا' یعنی جو کام خدا نے اپنے ذمہ لیا ہے' اس کا فکر مجھے بھی ہے اور آپ کو بھی ہے اور جو اس نے ہمارے ذمہ لگایا ہے کہ یہ کام تمہیں اپنی پسند سے کرنا ہے نہیں کرو گے تو عذاب اور مصیبت کے لئے تیار رہو' دنیا میں بھی آخرت میں بھی مگر ہم نے یہ کام چھوڑ دیا ہے اور جو کام خدا نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا اس کو کرنے میں سارے لگے ہوئے ہیں اور جو کام اللہ نے ہمارے ذمہ لگایا تھا اس کی طرف سے ہم نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔

فرمایا۔ فطری قوت کا انحصار = اتباع نبوی نہ آئے اور قلبی صفائی نہ آئے تو اسے وہ پہچان نصیب نہیں ہوتی اور عظمت رسالت ﷺ جگہ نہ پکڑے' تو محبت پیغمبر ﷺ نصیب نہیں ہوتی جب تک یہ نعمتیں اسے نصیب نہ ہوں۔ جیسے یہ نعمتیں اس کے قلب سے اٹھتی ہیں تو شیطنت کے طوفان آتے ہیں جھکڑ چلتے ہیں اس میں۔ یہ تباہ کر دینا چاہتا ہے پھر کائنات کو' اطراف کو شہر کو خاندانوں کو یا خود کو پھر اپنے ہی خاندان کو اپنی ہی اولاد کو' جتنی جتنی کسی میں قوت کار ہوتی ہے' اتنے اتنے نتائج برآمد ہوتے ہیں ایک آدمی میں استعداد ہوتی ہے زیادہ اور صحیح کام کی اگر اسے اللہ سے تعلق نصیب ہوتا تو نیکی کی طرف انقلاب لانے کا سبب بن جاتا ہے کیونکہ استعداد تھی انقلاب کی اور اگر اسی شخص کو اللہ سے تعلق نصیب نہ ہوا' دل شیطان کی آماجگاہ بن گیا تو اس نے زمانے کو برائی سے بھر دیا ایک جہان کو برائی پر لگا دیا' اپنے عہد کے لوگوں کو ایک برائی میں دھکیل کر چلا گیا' یہ ایک دل پر وارد ہونے والی کیفیات کا اثر ہے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن سے قومیں متاثر ہوتی ہیں بعض لوگوں سے ممالک متاثر ہوتے ہیں بعض اپنے ماحول اردگرد اپنے قریئے یا شہر کو متاثر کرتے ہیں اور بعض اپنے خاندان کو متاثر کرتے ہیں' بعض صرف اپنی ذات تک محدود ہوتے ہیں ہر ہر آدمی کی استعداد کار ہے اگر اس بندے کو جو صرف اپنی ذات تک اثر رکھتا ہے تجلیات باری نصیب ہو جائیں تو کم از کم اس کی ذات کی اصلاح ہو جاتی ہے جس کی قوت کار اس کے خاندان تک ہے' اس ایک بندے کو وہ نعمت نصیب ہو جائے خاندان کا بخت کھل جاتا ہے ان کی اصلاح ہو جاتی ہے

جسے شہر کی استعداد ہے جسے ملک کی استعداد ہے اور جس میں ایک قوم کا نصیب بدلنے کی استعداد ہے اسے یہ نور نصیب ہو جائے تو قوموں کے نصیب بدل جاتے ہیں' اور قوم بہتری کی طرف چل پڑتی ہے یہ استعداد من جانب اللہ لوگوں کو دے دی گئی ہے' کوئی مدرسہ' کوئی سکول کوئی شیخ' کوئی پیر یہ استعداد گھٹا بڑھا نہیں سکتا۔ مدرسہ سکول ادارہ شیخ پیر استاد اس قلب میں وہ چیز تب تک نہیں سما سکتا ہے کہ برائی کی جگہ نیکی آئے اس وقت تک جب تک صاحب قلب آمادہ نہ ہو۔ یہ یاد رہے کہ خود آدمی کے دل میں خلوص کے ساتھ طلب پیدا نہ ہو دنیا کا کوئی مربی اس کے قلب میں تصرف نہیں کر سکتا' اس لئے کہ اللہ نے کسی کو اجازت نہیں دی کہ وہ دوسرے کا تعلق اس کی منشا کے بغیر اللہ کے ساتھ جوڑ دے۔

فرمایا۔ احسانات رب = اتنی بے حساب نعمتیں ہیں اللہ کریم کی جنہیں ہم روزمرہ بے دریغ استعمال کرتے ہیں اور ان کا کوئی حساب نہیں کرتے اندازہ نہیں کرتے انسان اگر گننا چاہے تو شمار نہیں کر سکتا لیکن ساری نعمتیں جتنی بھی ہیں ان کا تعلق تخلیق باری سے ہے صنعت باری سے ہے آرام ہے غذا ہے سکون ہے جو کچھ بھی ہے جتنی چیزیں انسان کی زندگی کی بقا کے لئے ہیں جتنی اس کے وجود کے بقا کے لئے ہیں جتنے کچھ انعامات اس پر غذا کے طور پر ہیں دوا کے طور پر ہیں یہ سب اس کی تخلیق ہیں جتنی نعمتیں انسان دنیا میں حاصل کر سکتا ہے ان میں سے سب سے بڑی نعمت ہے کہ وہ تجلیات باری کو اخذ کر لے اور اپنے دل کو اپنے سینے کو ان سے منور کر لے' اس میں تخلیق نہیں بلکہ خالق کی تجلیات ہوتی ہیں اور تجلیات ذات باری سے دنیا کی کوئی نعمت بھی بڑھ کر نہیں۔ حالانکہ اللہ کریم کی بے حساب نعمتیں ہیں عالم انسانیت پر اور مومنین پر خصوصاً" سا لکین جو انعامات ذاکرین پر ہیں وہ دنیا میں کسی دوسرے پر نہیں۔

فرمایا۔ انسانی زندگی کے رخ = سورۃ نور کی اٹھارہویں پارے کی آیات مبارکہ میں زندگی کے دو رخ ارشاد فرمائے ہیں ایک رخ انسان کی مادی نگاہوں کے سامنے اور اس کی مادی عقل کی گرفت میں ہے' اس کے علوم ظاہریہ کی رسائی میں ہیں جیسے دنیا کی نعمتیں' دنیا کی لذتیں' دنیا کا اقتدار وغیرہ' دوسرا رخ ہے اللہ کی ذات جو اسکی عقل سے' اس کے ظاہری علم سے اس کی مادی آنکھوں سے بالاتر ہے آخرت اس کی مادی نگاہوں کی پہنچ سے باہر ہے اللہ کی

رضا اور اس کی رضامندی کے نتائج اور نعمتیں یہ بھی اس کی مادی نگاہ سے اوجھل ہیں گناہ' کفر' ظلم' برائی' بدکاری اور اس کی سزائیں بھی اس کی مادی نگاہ اور رسائی سے اوجھل ہیں۔ ان سب باتوں کے بارے میں اسے خبر دیتا ہے اللہ کا رسول ﷺ۔ اب ایک طرف اس کی مادی نگاہ ہے مادی عقل و شعور ہے' مادی علوم ہیں' جسم میں مادی لذت سے راحت پانے کی خواہش ہے مادی لذت کو محسوس کرنے کی استعداد ہے' دوسری طرف اس کے پاس محض ایک خبر ہے' اگرچہ وہ خبر اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے ہے اب یہ اللہ کی خبر کو زیادہ اہمیت دے تو نجات یقینی ہے۔

فرمایا۔ انسانی راحت = حیوانات میں سوچنے کی صلاحیت و استعداد ہے اور نہ اللہ نے اسے یہ شعور بخشا ہے' راحتیں سب تلاش کرتے ہیں لیکن تمام حیوانات کی راحت کا معیار جو ہے وہ جسمانی آرام یا جسم کو پناہ مل جانے کا نام ہے۔ اب انسان جو تخلیق باری کا شاہکار ہے یہ بھی راحت کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے لیکن انسان کی راحت کا معیار مختلف ہے اس کی شان کے مطابق ہے اس کے اپنے مقام کے مطابق ہے اس کی شان کے مطابق ہے اور یہ بڑی عجیب بات ہے کہ کبھی تو اسے جسم کو آرام پہنچا کر راحت ملتی ہے اور کبھی جسم کے ٹکڑے کروا کر راحت پاتا ہے یعنی اس کا معیار دوسرے حیوانات سے یکسر مختلف ہے کبھی تو اسے تخت شاہی پر راحت ملتی ہے اور کبھی اس کے لئے در زندان کھولا جائے تب یہ مطمئن ہوتا ہے۔ کبھی اسے آرام سے جینے میں لطف آتا ہے اور کبھی اسے سردار لٹکتے ہوئے راحت ملتی ہے یعنی اس کی راحت کا معیار مختلف ہے انسان کی راحت انسان کے بدن اور جسم سے متعلق ہے ہی نہیں' یہ معیار دوسرے حیوانات کا ہے۔ اس کی اصل راحت یہ ہے کہ اس کی انسانیت کی اصل یعنی اس کی روح کا تعلق عالم امر سے ہے' اس کی راحتیں اس مادی جہان میں نہیں ہیں لیکن اس کی اصل جو ہے جو روح ہے یہ عالم امر سے متعلق ہے تو اس کی روح کا عالم امر سے تعلق ہی اس کی راحت ہے۔

فرمایا۔ قرب الٰہی کے حصول کو ناقابل التفات سمجھ کر دنیوی دھندوں میں کھپا رہنا اور فانی رابطوں کے بندھنوں میں اپنے آپ کو جکڑے رکھنا اور رب العالمین سے ابدی رابطہ قائم کرنے کی فکر پیدا نہ ہونا انسانیت کی توہین ہے فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا جبھی تو کہا گیا ہے کہ

اطاعت الٰہی کے لئے فرشتے کو کوئی قربانی نہیں دینا پڑتی مگر انسان کے لئے تو دنیا میں سینکڑوں پابندیاں ہیں بندھن ہیں' لذات کی کشش ہیں' ان بندھنوں کو توڑ کر قرب الٰہی حاصل کرے گا' تو فرشتے سے بہتر کیونکر نہ ہو گا' اطاعت اور عبادت میں وقعت اور وزن اس وقت پیدا ہوتا ہے جب آدمی دنیاوی بکھیڑوں کو اللہ اکبر کہہ کر قطع کر دیتا ہے۔

باب۔ 17

عالم تکوین

فرمایا۔ اسی طرح ساری کائنات کا ایک ایک خلق اللہ کے بنائے ہوئے نظام میں مسلک کر دیا گیا ہے اور چل رہا ہے انسان کی زندگی کا بیشتر حصہ' اس کی تخلیق' اس کے وجود کی تعمیر کی' صحت و بیماری' اس کا دنیا میں قیام' یہ ساری چیزیں اسی سلسلے میں پروئی ہوئی ہیں اسی لئے کوئی آدمی اپنی خواہش سے پیدا نہیں ہوتا' اپنی مرضی سے مرتا نہیں' اپنی پسند سے بیمار نہیں ہوتا اور اپنی خواہش پر صحت مند نہیں ہوتا یہ سارا نظام ایسا بنایا گیا ہے' جس سے ہر انسان کو گزرنا پڑتا ہے لیکن جب اطاعت الٰہی کی باری آتی ہے تو وہاں انسان کو اللہ نے اپنی عظمت کو جانچنے' سمجھنے' جاننے کا شعور بھی دے دیا اور یہ چاہا کہ بجائے اس کے کہ اسی تکوینی سلسلے میں پرو کر تجھ سے سجدہ کرایا جائے' جب تجھے یہ شعور بخشا ہے تو اس شعور کو کام میں لاتے ہوئے تو میری عظمت کو دیکھ کر اپنے فیصلے سے سجدہ کرے' وہ ایک سجدہ جو اپنے فیصلے سے عظمت الٰہی کو تسلیم کرتے ہوئے کیا جاتا ہے' وہ ان سجدوں پر بھاری ہو جاتا ہے جو صدیوں ہزاروں برسوں سے تکوینی طور پر ساری کائناتی کرتی آرہی ہے۔ یہاں اس پر بحث ہو رہی ہے کہ انسان کو اللہ نے وہ شعور بخشا ہے کہ یہ تجزیہ کر سکتا ہے' تقابلی مطالعہ کر سکتا ہے' شب و روز کے آنے جانے سے' موسموں کے بدلنے سے' چیزوں کے پیدا ہونے سے' اس پورے نظام کا جب یہ مطالعہ کرتا ہے تو حاصل اس کا یہ ہے کہ رب السموٰت والارض۔ آسمانوں کا پروردگار اور زمینوں کا پروردگار رب ہے' وما بینہما اور جو کچھ زمینوں اور آسمانوں کے درمیان

ہے اس سب کا پروردگار رب ہے۔ رب وہ ہوتا ہے جو ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت' ہر لمحہ' ہر آن' پوری کر رہا ہو' ہر ایک کے ہر حال سے ہر وقت واقف ہو' ہر کام کرنے پہ خود قادر ہو' ہر چیز دینا اس کا اپنا کام ہو' کسی کی رائے یا مشورے کا محتاج نہ ہو' کسی سے اجازت لینے کا محتاج نہ ہو' کسی کی مدد کی اسے ضرورت نہ ہو اور ایک ایسی ہستی جو خاک کے ہر ذرے سے لے کر افلاک وعرش تک ہر شے کی خالق ہے' ہر ذرے کی مالک ہے' ہر چیز کو ہر آن قائم رکھنے والی' اس کی تربیت کرنے والی' بتدریج اسے ترقی دینے والی ہو وہی ہستی تیرا پروردگار بھی ہے۔ تیرا تعلق کسی ایسی ذات سے نہیں ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے تو کسی اور کا محتاج ہو' تیرا رشتہ کسی ایسی ذات سے نہیں ہے' جو کبھی تیرے حال سے واقف نہ ہو' تیرا رشتہ کسی ایسی ذات سے نہیں ہے جس کی بارگاہ میں کسی چیز کی کمی ہو۔

فرمایا۔ اس میں دعوت فکر یہ ہے کہ لوگو! جذبات کے پیچھے بھاگ کر محض عقائد باطلہ نہ اپناؤ کہ ایسا کرنے سے یہ فائدہ ہو جائے گا' ایسا کرنے سے مجھے وہ ہو جائے گا۔ میرے بھائی! اگر لوگوں کے کرنے سے کچھ ہوتا' تو لوگ اس سورج کی روشنی کو گھٹا بڑھا دیتے اگر کسی دوسرے کے کرنے سے کچھ ہوتا' تو وہ اس کی رفتار کو گھٹا بڑھا دیتا اگر کسی اور کے کرنے سے کچھ ہوتا' تو وہ اس نظام میں کوئی رائی برابر مداخلت تو کر جاتے' ذرا کوئی کہہ تو دے کہ آج میں سورج کو روکتا ہوں۔ اس میں دعوت فکر یہ ہے کہ ہر کام کا اللہ نے ایک اندازہ معین کر دیا اور اس وسیع کائنات میں ایک چھوٹا سا پتا جو پھوٹتا ہے' وہ بھی تقدیر الٰہی کے تابع ہے اور علم الٰہی میں موجود ہے اور اسی طرح اللہ کریم نے مقدر کر دیا ہے تب وہ پھوٹتا ہے۔

فرمایا۔ یدبر الامر = تمام امور کی تجویز اس نے خود کی ہے' ہر ایک بات کو اس نے طے فرمایا ہے۔ آپ کے پیدا اور مرنے کو' آپ کی غربت اور امارت کو' صحت و بیماری کو' تمام امور کو اس نے طے فرما دیا ہے' اب انسانی محنت و کوشش کیا ہے۔ رزق تک اس نے معین کر دیا ہے' انسان صرف اسباب اختیار کرتا ہے جائز یا ناجائز۔ انسان صرف اس بات کا مکلف ہے کہ وہ اسباب میں اللہ کی اطاعت اختیار کرے اور تب ہی اطاعت اختیار کرے گا جب اللہ کی ذات سے اس حد تک واقف ہو گا کہ مجھے ملنا ہی وہی ہے جو اس نے دینا ہے' اگر میں اس کی اطاعت چھوڑ کر ناجائز طریقوں سے لوٹنا بھی چاہوں' تو میرے حصے میں وہی دولت

آئے گی' جو میں محنت کر کے کمانا چاہوں اور جو اس نے میرے لئے مقدر کر دی۔ اسی طرح دنیا کی کوئی بھی خواہش کسی بھی شے کا حصول جب ہم اس مقام پر پہنچ جائیں جب ہم دیکھیں یہ چیز مجھے ملے گی' اتنی ہی اس وقت' اسی مقدار میں' جتنی اور جب میرا رب مجھے دینا چاہتا ہے اور اس نے میرے لئے تقسیم کر دی ہے' میں بڑھا گھٹا نہیں سکتا۔ تو پھر انسان کے پاس عدم اطاعت کی کوئی دلیل نہیں رہ جاتی ہے پھر اسے ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ وہ حدود الٰہی کو توڑ کر بھاگے۔ یہ جو ہماری بھاگ دوڑ ہوتی ہے' اللہ کی حدود کی پرواہ نہ کرتے ہوئے' جائز ناجائز کو نہ سوچتے ہوتے' حلال حرام کی پرواہ نہ کرتے ہوئے' اس کے پیچھے فلسفہ یہ ہوتا ہے' کہ انسان کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے' کہ اس طرح سے میں شاید دوسروں کی نسبت زیادہ حاصل کر لوں گا' لیکن اگر یہ طے ہو جائے کہ ملنا تو وہی ہے جو اللہ کریم نے میرے حصے میں مقرر فرما دیا ہے' تو پھر سوائے اطاعت کے دوسری کوئی غرض نہیں رہ جاتی۔

فرمایا۔ فلاسفہ کا ایک قانون ہے وہ کہتے ہیں کہ سوچو کہ اگر دنیا میں سوائے ایک آدمی کے کوئی نہ رہے' کوئی ایسا لمحہ کہ صرف ایک انسان دنیا میں موجود ہے اور انسانی نسل کا کوئی باشندہ نہیں ہے' تو کیا یہ سورج طلوع نہیں ہو گا؟ بادل نہیں برسیں گے' کھیتیاں نہیں اگیں گے؟ یعنی یہ کارگاہ حیات پھر بھی' اپنے پورے نظام' اپنی پوری رفتار کے ساتھ چل رہی ہو گی گویا ایک ایک آدمی کے لئے یہ وسیع نظام ترتیب دیا گیا ہے یعنی اتنا وسیع نظام جو ہے یہ ایک ایک فرد کے لئے محرک ہے اور شب و روز حرکت کر رہا ہے۔

اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ انسانی وجود اللہ کے نزدیک کتنی عظمت' کتنی عزت' کتنی قدر و قیمت رکھتا ہے حتیٰ کہ ایک ایک وجود کے لئے اس نے کارگہ حیات کو پابند کر دیا ہے چلنے پر۔ اتنا قیمتی وجود محض لحاتی نہیں' کہ چند لمحوں کے لئے آیا اور چلا گیا بلکہ اسے جو فہم و شعور عطا فرمایا' وہی اس کا سرمایہ ہے۔ اسے وہ قوت عطا فرمائی ہے کہ وہ اس سارے نظام کا تجزیہ کر کے اس نظام کے بنانے والے رب کریم پر ایمان لائے۔ اس کی ذات' اس کی صفائی کو پہچانے۔ اپنی حیثیت کو پہچانے اور جوں جوں پہچانتا چلا جائے گا' اس قدر اس کا مطیع اور تابع فرمان ہوتا چلا جائے گا۔ حتیٰ کہ ایک وقت آئے گا کہ اس کارگہ حیات کو زینہ بناتا ہوا' یہاں سے معرفت باری کو حاصل کرتا ہوا اس میدان میں پہنچے گا' جہاں یہ خدا کے روبرو کھڑا ہو گا۔ یہ

اس کی زندگی کی منزل ہے کہ وہ اس سے فہم وادراک اور شعور کو جلا بخشتا ہوا' اللہ کی عظمت سے آشنا ہوتا ہوا' ایک اللہ کی طرف بڑھ رہا ہے' اسے اللہ کی ذات کے قریب تر کرتا ہے حتی کہ اسے یہیں یقین حاصل ہو جاتا ہے۔

فرمایا۔ دنیا اور اس کا مطالعہ کرنے کے بعد تمہیں لقائے باری کا یقین حاصل ہو جائے اور یہی انسان کی عظمت ہے اور اس کا یقین رکھنے کے لئے رب کریم نے دعوت نظارہ دی ہے' کائنات کی' اللہ کی تدبیروں کی کہ جذبات سے بالاتر ہو کر یہ فیصلہ کرے کہ دین حق کو میں نے اپنانا ہے' تب توفیق عمل عطا ہوتی ہے۔ ہماری یہ زندگی جو دعوی اسلام کے ساتھ بے عملی کا شکار ہے' اس کے پیچھے فلسفہ یہ ہے کہ ہم نے سوچ سمجھ کر مسلمان ہونے کا دعوی نہیں کیا۔ یہ اللہ کی عطا تھی کہ مسلمانوں کے گھر پیدا ہو گئے' باپ دادے کا مذہب تھا' وہ ہمارے گلے پڑ گیا۔ ہم اسی پر چلتے ہیں' کہیں اطاعت کر لی اور جہاں سے چھوٹ گئی' وہاں کی پروا نہیں کی' وجہ یہ تھی کہ ہم نے خود سوچ سمجھ کر طے نہیں کیا کہ مجھے یہ کرنا ہے اور اللہ کریم ایمانیات میں خود سوچ سمجھ کر طے کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور جس کی رحمت اتنی ناپیدا کنار ہے کہ زمین میں گم ہونے والے دانے کو وہ گم نہیں ہونے دیتا' ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے' ہماری طرف سے وہ مٹی میں مل جاتا ہے لیکن اس کی قدرت میں اس کے علم میں اس کے قبضہ قدرت میں اس کے اختیار میں ہوتا ہے۔ وہ اس دانے کو سنبھالتا ہے' اسے پروان چڑھاتا ہے' ایک پودا بنا دیتا ہے' ایک تناور درخت بنا دیتا ہے' ہم نطفے سے انسان نہیں بنا سکتے' کسی ایک نطفے سے جانور نہیں بنا سکتے' لیکن وہ ایسا قادر ہے کہ ایک نطفے سے ایک جاندار پیدا کر دیتا ہے' ایسا قادر ہے کہ ہر چیز کی نسل اس کے اپنے نطفے سے چلتی ہے' کبھی انسان کے گھر جانور پیدا نہیں ہوتا اور جانوروں میں کبھی انسان پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی نظام گڈمڈ نہیں ہوتا' آپ گندم بوتے ہیں' تو اس پر چنے نہیں پیدا ہوتے' آپ چنے کا دانہ بوتے ہیں' تو اس پر جو نہیں لگتے یعنی جو چیز ہے قدرت اس کی حفاظت کرتی ہے' وہ نہ پیدا کرنے میں کسی کا محتاج ہے' نہ موت دینے میں کوئی اسے روک سکتا ہے تو پھر یہ ہماری جو روز مرہ کی چھوٹی چھوٹی ضروریات ہیں' وہ عظیم الشان ہستی جو ایک بیج کو ضائع نہیں ہونے دیتی' وہ بھلا تمہیں کب ضائع کرے گی۔

فرمایا۔ ہاں کسی کے پاس اگر درد دل ہے اگر قلب کا نور اگر نبی ﷺ کی برکات

کسی کے قلب میں ہیں' وہ اس سے لو اور یہ مسئلے وہاں لے جاؤ' جس کے ساتھ وہ تمہارا تعلق قائم کرتا ہے۔ تمہارا مالک وہ ہے' جس کی کائنات ہے اور جس کی ذمہ داری ہے' وہ اپنی ذمہ داری نبھا رہا ہے' جو ساری کائنات کا نظام چلا رہا ہے' کہتا ہے کہ میں اتنا کریم ہوں کہ تو میرے کرم کی انتہا کو سوچ ہی نہیں سکتا' تیری ضرورتیں بعد میں آتی ہیں' ان کی تکمیل کے لئے تیری ضرورت پیدا ہونے سے پہلے تیرے اردگرد پھیلا دیتے ہیں تو خواہ مخواہ گھبراتا ہے آج تک اللہ کریم نے کسی انسان کو فراموش نہیں کیا' ایک ایک سانس' ایک ذرہ' گن گن کر دیتا ہے' چونکہ انسانوں کی آزمائش ہے' انسان جو کچھ خواہش کرتا ہے یہ ضروری تو نہیں' وہ ساری پوری ہوں۔ آپ سے چھوٹا بچہ چاقو مانگتا ہے تو آپ اسے چاقو نہیں دیتے' وہ روتا ہے چلاتا ہے' اس کو آپ کوئی اور چیز دے دیتے ہیں' چاقو نہیں دیتے۔ اب بچے کو ضد تو یہی ہے کہ یہ باپ اور ماں میرے دشمن ہیں یہ بڑا خوبصورت بڑا چمکدار چاقو تھا' مجھے نہیں دے رہے یہ بات تو نہیں سمجھتا کہ اس کی شفقت مانع ہے چاقو دینے میں اس طرح ہماری بے شمار ایسی خواہشات ہوتی ہیں جو اگر پوری ہوں' شاید ہمارا ایمان ضائع ہو جائے' شاید ہماری صحت تباہ ہو جائے' شاید اس سے کوئی بڑا نقصان ہو جائے تو ہم مانگتے رہتے ہیں لیکن ایسا کریم ہے کہ ان کے بدلے میں ہمیں دوسری مفید چیزیں دیتا رہتا ہے۔

فرمایا۔ یہاں دعوت دی جا رہی ہے حق اور دین کے قبول کرنے کی۔ دین سارے کا سارا یہ ہے کہ ساری عبادات مالی ہوں' بدنی ہوں' تمام تر صرف اور صرف اللہ جل شانہ کیلئے مختص کر دی جائیں۔ بات یہ ہو رہی ہے کہ اپنی تمام تر اطاعات اور فرماں برداریاں اور سارے کا سارا خلوص' اپنی ساری عبادات صرف اللہ کیلئے مختص کر دو' اسی کا نام دین اور حق ہے لیکن حکم ہو رہا ہے من ربکم۔ اپنے رب کے لئے ربوبیت اللہ جل شانہ کی وہ صفت ہے جس کے طفیل ساری کائنات کا وجود قائم ہے' جس کے طفیل ذرہ ذرہ اپنا وجود' اپنا کمال اور اپنے اوصاف پاتا ہے' جس کے ذریعے کائنات ترتیب پائی' جس کے ذریعے ساری کائنات کو تخلیق کر کے قائم رکھا گیا۔ تو یہ لفظ اسی لئے ارشاد فرمایا گیا کہ عبادات یا دین اللہ کریم کے لئے نہیں ہے' اللہ کو کسی کی نیکی کی ضرورت نہیں ہے' اس کی شان اس سے وریٰ الوریٰ ہے اور بلند و بالا ہے بلکہ یہ اطاعت تیرے ہی فائدہ کے لئے ہے۔

فرمایا۔ یاد رکھیں جو لوگ اللہ کے لئے عبادت کرتے ہیں یا اللہ کے لئے محنت کرتے ہیں' وہ دنیا کے کام چھوڑ نہیں دیتے' ان کی دنیوی ضروریات ختم نہیں ہو جاتیں' انہیں بھوک بھی لگتی ہے' کپڑا بھی پہنتے ہیں' کاروبار بھی کرتے ہیں' تجارت بھی کرتے ہیں' شادی بھی کرتے ہیں' گھر بھی ہوتا ہے' سب کچھ ہوتا ہے لیکن ہوتا یہ ہے کہ مقصد دکان یا تجارت یا ملازمت یا دولت جمع کرنا نہیں ہوتا۔ مقصد حصول رضائے باری ہوتا ہے اور اگر کوئی ایسا موقع بن جائے کہ خدا کی عبادت چھوٹ رہی ہو اور دوسری طرف دولت کا یا وقار کا نقصان ہو رہا ہو تو جب دو میں سے ایک کو چننا پڑے تو وہ اللہ کی اطاعت کو منتخب کرتے ہیں اور خدا کی نافرمانی نہیں کرتے' اور دنیادار خدا کو چھوڑ دیتا ہے۔

رحمانیت کیا ہے

فرمایا۔ اللہ جل شانہ' کی رحمت وسیع تر ہے' حتیٰ کہ خود ارشاد باری ہے کہ ان رحمتی وسعت کل شی۔ اس رحمت عامہ کے دو شعبے ہیں' ایک شعبہ ربوبیت ہے' جو اپنے اندر بہت وسعت رکھتا ہے جو صرف اور صرف ذات باری کو ہی زیبا ہے' اسی شعبہ کو قرآن کریم کی اصطلاح میں رحمانیت کہا گیا ہے عربی میں فعلان کے وزن پر جو الفاظ آتے ہیں' ان میں اگرچہ شدت تو پائی جاتی ہے لیکن وہ محدود وقت کے لئے اور وقتی اوصاف ہوتے ہیں' جیسے غضبان' عطشان' بہت زیادہ غصے میں لیکن وہ کیفیات اپنے اندر دوام نہیں رکھتیں۔ اسی طرح اسی وزن پر رحمان بھی ہے' یہ رحمت باری کا وہ شعبہ ہے جو اس عالم کے وجود کا سبب ہے اور ظاہر ہے کہ یہی رحمت تو وجود کا سبب ہے اور ظاہر ہے کہ رحمت تو ختم نہیں ہوگی کیونکہ یہ صفات لحاتی نامی ہے اور صفات کو دوام ہیں جب یہ عالم ختم ہو جائے گا تو پھر اس شعبہ اس کا کام یہ نہیں رہے گا۔

رحیمیت

فرمایا۔ رحیمیت میں رحیم دوسرا شعبہ ہے' اس میں دوام پایا جاتا ہے دراصل یہ حکیم کے وزن پر ہے' تو کسی کا حکیم ہونا لحاتی بات نہیں' یہ علی الدوام صفت ہوتی ہے' سو یہ شعبہ ربوبیت اتنا وسیع تر ہے کہ ہر وضع کو وجود بخشتا ہے' پھر اس میں خصوصیت کا پیدا کرنا' پھر

اس کی بقاء کو ایک خاص مدت تک' جب تک اللہ چاہے' قائم رکھنا' یہ اگرچہ وسیع تر ہے لیکن اس رحیمیت کا ایک شعبہ کافر کو بھی حضور اکرم ﷺ کے وجود سے نصیب ہو رہا ہے' اگر رحمت نہ ہو' تو ربوبیت کا اظہار بھی نہ ہوتا اور ربوبیت کا اظہار نہ ہوتا' تو کافر نہ وجود پاتا' نہ زندگی پاتا' نہ جہان میں آتا اور نہ اس کائنات سے مستفید ہوتا لیکن یہ دنیا رحمیت کے مظاہرے کے لئے چھوٹی ہے' اس کا مکمل مظاہرہ آخرت میں ہوگا۔ اس وقت اس رحمیت سے کافر و مسلم یکساں مستفید ہوتا ہے۔ لیکن آخرت میں صرف مسلمان مستفید ہوگا۔

فرمایا۔ اللہ کریم نے مخلوق کو عدم سے وجود عطا فرمایا پھر اس میں مختلف سیارے' مختلف ستارے' مختلف زمینیں' مختلف آسمان' مختلف اشیاء تخلیق کیں ان کے وجودوں کی تعمیر یہ سب کیا ہے یعنی ربوبیت جسے کہتے ہیں' یہ رحمت باری کا ایک شعبہ ہے' ساری رحمت نہیں ہے رحمت کا ایک شعبہ ہے' ربوبیت کا شعبہ اتنا وسیع ہے کہ ایک چھوٹے ذرے میں جسے آپ ایٹم کہتے ہیں' ہزاروں ایٹم ایک قلم کی نب پر جمع ہو سکتے ہیں' اتنا چھوٹا ذرہ کہ جسے اب آگے تقسیم نہیں کر سکتے۔ اس ذرے میں اس ساری کائنات کی مائیکرو فلم موجود ہے۔ اب اس باریک ترین فلم میں کس قدر اسرار و رموز پوشیدہ ہیں' اس کا دعویٰ سائنس نہیں کر سکتی کہ ہاں سب کو پا گئی ہے' یہاں تک پہنچی ہے کہ اس میں مثبت اور منفی قوتیں ہیں' اس میں روشنی و تاریکی ہے' اس میں نیکی و بدی ہے' اس میں بقاء اور فنا کا عمل ہے یعنی پوری کائنات کی ایک مائیکرو فلم ایک باریک ترین ذرے میں موجود ہے۔ اب اگر اس فلم کو انلارج کیا جا سکے' تو پتہ نہیں کائنات کے اور کتنے گوشے عیاں ہوں گے۔ آج کا جو انسان یہ سمجھتا ہے کہ سائنس نے اپنی انتہا کو پالیا ہے' عین ممکن ہے کہ کل کا انسان ہماری حالت زار پہ رحم کھائے کہ ان غریبوں کو کچھ پتہ نہ چل سکا۔ آج تک ہم نے صرف اس ایٹم سے دھماکہ کیا ہے' اس سے زیادہ کچھ نہیں لیکن اگر اس مائیکرو فلم کو جو اس ایٹم میں موجود ہے اسے کبھی انسانی ذہن پڑھ سکے' اس کا گوشہ کینوس پر پرنٹ ہو سکے' تو پتہ نہیں کتنے اسرار و رموز اس سے عیاں ہوں گے جن کو ہماری سائنسی لیبارٹری کے آلات نہیں پا سکتے' وہ اسرار یقیناً" اس مائیکرو فلم میں موجود ہوں گے۔

فرمایا۔ فلسفے کا ایک عجیب کلیہ ہے وہ کہتے ہیں' عظمت باری کو اس طرح دیکھو کہ دنیا میں کوئی ذی روح انسان باقی نہ رہے' صرف ایک اکیلا انسان ہو' جو سوچ لے اور سمجھے کہ میں اکیلا دنیا میں ہوں' کوئی باقی نہیں رہا تو اس ایک آدمی کے لئے بھی اسے نظر آئے گا کہ یہ سارا نظام متحرک ہے' یہ ایک فرد کے لئے ہے اس نے اتنا باریک نظام بنا دیا ہے کہ سارا نظام حرکت کرتا ہے' ایک تنکا بنتا ہے' چیونٹی کے انڈے سے بچہ نکلتا ہے' ایک دانے سے گوشے تک پہنچتا ہے' بارش کا ایک قطرہ برسنے کے پیچھے آپ اندازہ کریں' کتنا نظام ہے' ہواؤں کا تمازت کا گرمی کا' سورج کے طلوع و غروب کا' پانیوں کا کتنا ایک نظام حرکت کرتا ہے۔

فرمایا۔ اب اللہ کریم کے اپنے کام ہیں اور اس کے اپنے پروگرام ہیں۔ جسے دنیا اتفاق کہتی ہے' اس کے ہاں وہ طے شدہ بات ہوتی ہے مثلاً" انسانی مزاج کے مطابق یہ اتفاق ہوا ہے کہ فرعون اور اس کی اہلیہ دریا کے کنارے بیٹھے تھے' انہوں نے بکس آتے دیکھا پکڑوا لیا' کھولا' اس میں بچہ تھا' فرعون نے چھوٹتے ہی کہا کہ چونکہ بنی اسرائیل کے بچے قتل کئے جا رہے ہیں' تو یہ کسی اسرائیلی نے اس ڈر سے دریا میں ڈال دیا ہو گا اسے قتل کر دیا جائے' لیکن اللہ کے نظام میں اس بچے نے نبی بننا تھا جس کے ہاتھوں فرعونی سلطنت کو مٹانا تھا' عام لوگوں کے نزدیک ایک اتفاق تھا مگر اللہ کے نزدیک ایک نظام تھا۔

فرمایا۔ جو چیزیں بہت قریب ہوں' دل ان پر جلدی فدا ہو جاتا ہے' یہ کہہ دینا بڑا آسان ہے کہ دنیا فضول سی چیز ہے' دنیا میں کیا رکھا ہے' دنیا فضول چیز نہیں ہے۔ دنیا اتنی خوبصورت' اتنی لذیذ اتنی مزیدار ہے کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ اس لئے کہ دنیا اس نے بنائی ہے جس کے جمال کے ہم طالب ہوئے ہیں۔ اس کی صنعت ہے دنیا کو اس نے معماروں سے بنوا کر نہیں پھینک دیا اس کی اپنی صنعت ہے' اس میں اس نے حسن سمویا ہے اس میں اس نے لذت رکھی ہے اس میں اس نے شیرینی رکھی ہے اور اتنی حسین بنائی ہے کہ اسے اپنے مقابلے میں لا رکھا ہے کہ دیکھیں انسان کیا فیصلہ کرتا ہے' میری طرف پلٹتا ہے یا ادھر جاتا ہے۔ اب جو حسن انسان کو جمال باری تک سے گمراہ کر دیتا ہے' وہ کوئی کم درجے کا حسن تو نہیں ہے' یہ تو جہالت ہے" کہہ دینا" کہ جی دنیا میں کیا رکھا ہے۔ دنیا میں اتنی لذت ہے" کہ ہم شمار نہیں کر سکتے' اور کوئی بڑے سے بڑا پارسا بڑے سے بڑا ولی' اس سے جان نہیں چھڑا سکتا' سوائے اس

کے کہ اس کی نگاہ جمال باری پہ پڑ جائے۔ کوئی انسان اپنی علمیت کا دعوی کر سکتا ہے ولایت کا دعوی کر سکتا ہے' حکومت و سلطنت کا دعوی کر سکتا ہے لیکن آپ گداگر کی جھونپڑی سے لے کر شہنشاہ کے محل تک جا کر دیکھیں' ہر فرد دنیا کا دیوانہ ہے' وہ مانتا ہے یا نہیں مانتا لیکن شب و روز اس کی ایک ایک لذت کے لئے انسان تڑپتے تڑپتے جان دے دیتا ہے' لوگ ایک دوسرے کے گلے کاٹتے ہیں' ڈاکے ڈالتے ہیں' ظلم کرتے ہیں' کیوں کرتے ہیں' یہ سب کچھ دنیا حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں۔

فرمایا۔ درخت نے زمین سے غذا لی' پھر اس نے تنے کی رگوں سے گزر کر وہ غذا پتوں تک پہنچائی اور پتوں میں جا کر وہ پکتی ہے' اس پتے کے اندر ایک ایسا عمل کرتی ہے' جس سے وہ غذا پکا کر اسے اس قابل بناتی ہے کہ جو حصہ لکڑی بننے کے کام آسکتا ہے' وہ تنے اور شاخوں میں جذب ہوتا ہے' اور وہ جس سے چھال بن سکتی ہے' وہ علیحدہ ہو جاتا ہے۔ جس سے پتا بن سکتا ہے' وہ پتے میں رہ جاتا ہے' جس سے پھول بن سکتا ہے' وہ اس طرح منتقل ہو جاتا ہے' جس سے پھل بن سکتا ہے وہ اس طرف چلا جاتا ہے اس طرح ایک پورا کارخانہ' پورا نظام ایک پتے میں ہے۔

فرمایا۔ جس نے اتنی وسیع کائنات بنائی اور عجیب بات ہے کہ گھاس کے تنکے سے لے کر قطرے کے برسنے تک اتنا Coordination ہے اس نظام میں ایک دوسرے کے ساتھ ایسا رابطہ ہے' اس قدر ہم آہنگی ہے کہ کہیں کوئی ایک تنکا گھاس کا بے موقع نہیں پھوٹتا اور کہیں ایک قطرہ بھی بارش کا بے موقع نہیں گرتا' ایک کرن سورج کی بھٹکتی نہیں ہے' بے موقع نہیں جاتی' ایک ایک چیز اس نظام میں اس طرح پرو دی گئی ہے کہ گھڑیوں اور سیکنڈیوں اور لمحوں کا فرق بھی اگر اس نظام میں ہوتا' تو یہ اب تک تباہ ہو چکی ہوتی' کبھی نہ چل سکتا' لیکن عجیب بات ہے قرآن حکیم دعوت نظارہ دیتا ہے' فرماتا ہے نگاہ اٹھا کر دیکھ' کبھی آسمان کو بھی پھٹتے دیکھا تو نے' کبھی اسے مرمت ہوتے دیکھا' کبھی تجھ سے کسی نے چندہ مانگا کہ سورج کی روشنی گھٹ رہی ہے' بیٹری چارج کروانی ہے' کبھی کسی نے تجھے بلایا کہ تیری مدد چاہئے۔ بادل بننے سے رک گئے اس میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے' تو تمہاری ضرورتیں وہ کیوں پوری نہیں کرے گا اب اگر تم اپنی ضرورتوں کے لئے اس کی بارگاہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے دروازے پر اپنا سر

جھکاؤ' تو کیا تمہاری عقل تمہاری رہبری نہیں کرتی۔

فرمایا۔ دنیا میں اس قدر مصروفیت جو اللہ سے یا اللہ کی اطاعت سے غافل کردے' اس کا سبب آخرت سے غفلت ہے۔ آخرت کی یقین دہانی کی ایسی دلیل قرآن حکیم نے ارشاد فرمائی ہے جس کے بعد کسی دوسری دلیل کی حاجت باقی نہیں رہتی' مسلمان کو نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا خبر دے دینا سب سے بڑی دلیل ہے کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں' اس کے باوجود دلیل عقلی بھی ارشاد کرتے ہیں۔

فرمایا۔ کیا انسان کو بلا مقصد پیدا کیا گیا ہے' تم نے یہ سوچ رکھا ہے کہ اللہ نے تمہیں بیکار پیدا کر دیا ہے وانکم الینا لاترجعون اور تمہیں واپس اس کی بارگاہ میں جو ابدی کیلئے حاضر نہیں ہوا ہے پاک ہے اس کی ذات اور کسی بھی چیز کو بلا مقصد بنانا تو بہت ہی ناروا بات ہے' تم مخلوق ہو کر کوئی کام بلاوجہ نہیں کرتے اس نے اتنی بڑی مخلوق بنادی اور اس کا کوئی مقصد ہی نہیں' ایسی نہیں بات بلکہ وہ ایسا کریم ہے کہ بلا مقصد کوئی چیز نہیں بناتا' تمہاری تخلیق کا بھی ایک مقصد ہے اور وہ مقصد معرفت ہے۔

عبادات

فرمایا۔ عبادات کیا ہیں' جس طرح آپ بیٹری چارج کرواتے ہیں' بیٹری چارج ہوگی تو انجن سٹارٹ ہوگا عبادت ایک چارجنگ فیکٹر ہے اور بیٹری چارج کرنے کے بارے میں اللہ نے فرمایا تم میرے ساتھ ملاقات کرو' مجھ سے ملو' میرے پاس بیٹھو' مجھ سے باتیں کرو' مجھ سے باتیں کر کے میری بارگاہ میں سربجود ہو کر میرے پاس اپنی التجائیں پیش کر کے تمہیں جو میری برکات میرے انوارات میری تجلیات نصیب ہوں گی یہ تمہاری گاڑی کو سٹارٹ کرنے کا اور چلانے کا سبب بن جائیں گی۔ تو تمہیں دھکے نہیں لگانے پڑیں گے' خراب اور خستہ حال نہیں ہونا پڑے گا بلکہ ہر عبادت ایک نئی قوت دنے گی اور جب میدان عمل میں جاؤ گے تو اللہ کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق ارزاں ہو جائے گی۔ اب اگر ایک آدمی بیٹری چارجنگ کروانے کے لئے یہ کہتا ہے کہ مجھے کوئی اور بیٹری چاہیے جو اس بیٹری کو بیٹری چارجر تک لے جائے' تو کیا یہ دانش مندی کی بات ہے۔ عبادت کے لئے اللہ نے ہم پر

کوئی تکلیف بھی نہیں رکھی۔ وہ ایسا کریم ہے کہ اس نے فرمایا' تم خلوص دل سے یہ طے کرلو کہ مجھے عبادت کرنا ہے' تو میں تم سے عبادت کرا لوں گا۔ کوئی شخص بھی جب دل کے نہاں خانے میں یہ فیصلہ کرلیتا ہے کہ مجھے تہجد کے لئے اٹھنا ہے' اسے اٹھنے کی توفیق وہ دے ہی دیتا ہے۔ اب تو کیا یہ فیصلہ کرنے کے لئے بھی اس کو تعویذ چاہئے۔

فرمایا۔ عبادات مقصد کو پانے کا ذریعہ ہے' عبادات مقصود بالذات نہیں ہیں۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ہر شریعت میں مختلف عبادات بطور فرض واجب' سنت' مستحب ارشاد فرمائی گئیں یا مختلف چیزیں کبھی حلال رہیں' کبھی حرام ہوئیں' احکام بدلتے رہے لیکن وہ بنیاد ان لا تعبدون الہ الا اللہ کہیں تبدیل نہیں ہوتی۔ ہر نبی کے پیغام کی اساس اور بنیاد صرف یہی رہی کہ اللہ جل شانہ کا کوئی شریک اور کوئی ہمسر نہیں ہے اور انسان کو اس کی ذات سے ایسی محبت کہہ لیں یا ایک ایسا جذبہ کہہ لیں جو اسے اس کی ذات کا اسیر بنا دے اور کبھی اس کے حکم سے سرمو انحراف نہ کرسکے۔

فرمایا۔ عبادت سے صرف نماز روزہ رکوع و سجود مراد لینا صحیح نہیں۔ یہ بھی اگرچہ عبادت ہے لیکن عبادت کی اصل یہ ہے کہ کسی لالچ کسی نفع کی امید پر یا کسی نقصان یا غضب یا ناراضگی سے بچنے کے لئے ہم جب اطاعت اختیار کرتے ہیں۔ تو وہ عبادت ہوتی ہے۔ اب اگر یہ توقعات اللہ کے سوا کسی بھی دوسرے سے وابستہ کرلی جائیں اور ہم اس کے سامنے رکوع و سجود نہ بھی کریں لیکن جب اللہ کے فرمان کو ہم کسی دوسرے کو خوش کرنے کے لئے چھوڑ دیں گے کہ اللہ کا حکم تو ایک طرف رہے کیونکہ اگر اس پر میں عمل کرتا ہوں' تو فلاں ہستی ناراض ہو جائے گی۔ اللہ کریم کے حکم کے مقابلے میں ہم جب کسی فلاں کی بات مانتے ہیں' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اللہ کی عبادت چھوڑ دی اور اس شخص کی عبادت اختیار کرلی۔ خواہ ہم اسے غائبانہ پکاریں یا نہ پکاریں خواہ ہم اس کے سامنے رکوع و سجود کریں نہ کریں۔ اسی لئے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام نے انسان کو خبر دی کہ جس طرح تمہارا بدن اور اس کی ضروریات ہیں جس کا مرکز زمین ہے اسی طرح اس کا ایک قیمتی حصہ روح بھی ہے اور اس کا تعلق عالم امر سے ہے اس کی ضروریات بھی اسی عالم سے متعلق ہیں اور روح کی ضروریات احکامات الٰہی کی تابعداری میں ہیں اگر احکام الٰہی کو چھوڑ دو گے' مرضیات باری کو چھوڑ دو تو

وہاں روح کا نقصان بالکل اس طرح شروع ہو جائے گا جس طرح ہم مادی غذا یا مادی علاج چھوڑ دیں' تو بدن کا نقصان ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

فرمایا۔ قرآن حکیم کا فلسفہ عبادت یہ ہے کہ عبادت الٰہی انسان کی اس طرح ضرورت ہے' جس طرح غذا انسان کی ضرورت ہے' جس طرح ہوا انسان کی ضرورت ہے' جس طرح دوا انسان کی ضرورت ہے' اسی طرح اللہ کی عبادت بھی انسان کی ان سب چیزوں سے بڑھ کر ضرورت ہے۔ غذا کے بغیر' ہوا کے بغیر' دوا کے بغیر انسان کا جسم فنا ہو جاتا ہے' موت سے آشنا ہوتا ہے' اس پر موت مسلط ہوتی ہے' وہ بکھر جاتا ہے اور عبادت چھوٹ جائے یا عبادت ترک ہو جائے یا عبادت سے محروم ہو جائے تو اس کی روح تباہ ہو جاتی ہے اور اس پر موت وارد ہو جاتی ہے' روح کی موت کا مطلب رحمت الٰہی سے محرومی ہے گویا روح رحمت سے محروم رہ کر وہ غضب الٰہی میں گرفتار ہو جاتی ہے۔

فرمایا۔ اللہ کریم نے اپنے بعض بندوں کے بارے ارشاد فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں' جو میری عظمت کو میری توحید کو میری الوہیت کو میری کبریائی کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے عبادات کرتے ہیں۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ انسانی مزاج اپنی خواہشات اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے ہمیشہ سے کسی غیبی قوت کا متلاشی رہا ہے بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں ورنہ اکثریت ایسے مسلمانوں کی ہوتی ہے' جو یہ سمجھتے ہیں کہ مجھے کچھ نہ کرنا پڑے اور مجھے سب کچھ مل جائے۔ اور بڑی عجیب بات ہے کہ مسلمان ہونے کے باوجود اللہ کی توحید اور حضور ﷺ کی رسالت کے اقرار کے باوجود بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ جناب کوئی تعویذ دے دیں کہ میں نماز پڑھ سکوں گویا عبادت کرنے کے لئے بھی کوئی نہ کوئی غیبی طاقت مجھے پکڑ کر کرائے' خود کچھ نہ کرنا پڑے' مجھے کوئی اہتمام نہ کرنا پڑے مجھے کوئی محنت نہ کرنا پڑے جبکہ عبادت اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہے کہ مجھے یہ احساس رہے کہ میں بندہ ہوں میرے پاس جو کچھ ہے' وہ میرے رب کا دیا ہوا ہے۔ یہ شعور ملتا ہے عبادت سے۔ لیکن اپنی عبادت اور بندگی کو ہی رزق کا یا دنیوی مفاد کا ذریعہ سمجھ لے تو تباہی ہی ہے یعنی جو دوا تھی وہی اس کے حق میں زہر بن جائے اگر بندے کا عبادت سے یہ شعور زندہ نہیں ہوتا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں تو اللہ کی دی ہوئی طاقت سے اللہ ہی کی نافرمانی نہ کرو اللہ

کی دی ہوئی عظمت کو فراموش نہ کرو اور اللہ کی دی ہوئی عقل سے اللہ کی نافرمانی نہ خریدو۔

فرمایا۔ اگر کسی کو نور ایمان نصیب ہو جائے اور پھر اللہ کی عبادت نصیب ہو جائے' تو عبادت اسے اللہ سے قریب تر کرتی ہے' معرفت عطا کرتی ہے۔ معرفت کا معنی ہوتا ہے پہچان کہ وہ پہچاننے لگ جاتا ہے کہ اللہ کتنا عظیم ہے۔ خود کو پہچاننے لگ جاتا ہے کہ میں کتنا محتاج ہوں۔ پھر اس کی عملی زندگی میں ایک تبدیلی آجاتی ہے کہ وہ خطا سے اجتناب کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اطاعت میں مصروف ہونے کی کوشش کرتا ہے لیکن اگر اس کو وہ یوں سمجھ لے کہ یہ وظیفہ پڑھنے سے دولت ملے گی' یہ وظیفہ پڑھنے سے بیٹا بھرتی ہو جائے گا یہ وظیفہ پڑھنے سے دولت مل جائے گی تو پھر نتیجتاً" وہ اللہ سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔

فرمایا۔ بعض لوگ رسوم و رواجات میں جکڑے ہوتے ہیں ان کو چھوڑ نہیں سکتے۔ کچھ لوگ خاندانی مذاہب میں گرفتار ہوتے ہیں' بعض لوگ حقائق کو سمجھ جاتے ہیں' مگر اپنی خاندانی وجاہت کی وجہ سے دین حق کو قبول نہیں کرتے۔ کفر کی عام طور پر یہی اقسام ہوتی ہیں۔ اسی طرح جو لوگ ایمان لاتے ہیں وہ بنیادی طور پر دو طرح سے تقسیم ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہوتے ہیں' جو ایمان لانے کے بعد ذات پیامبر ﷺ کے قریب ہوتے چلے جاتے ہیں اور اس قرب اور اس فاصلے کی کمی کی وجہ سے ان کی اپنی حیثیت گھٹتی اور فنا ہوتی چلی جاتی ہے یعنی وہ نبی کے ساتھ اپنی تعمیر ذات کے لئے چسپاں ہوتے' بلکہ اپنی ذات کو فنا کرنے کے لئے چسپاں ہوتے ہیں اور جوں جوں مدارج قرب یا منازل قرب میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں ان کی اپنی ذات فنا ہوتی چلی جاتی ہے حتی کہ ان کا نقطہ کمال یہ ہوتا ہے کہ ان کا قول فعل کھانا پینا اوڑھنا بچھونا اپنا ہی نہیں رہتا بلکہ ہر چیز کو قول پیامبر ﷺ پر ہار جاتے ہیں۔

فرمایا۔ دنیا جانچنے کا عمومی ذریعہ جو اکثر انسانوں کا شعار رہا ہے وہ ہے مادی ذرائع اور اسباب۔ چونکہ انسان مادی چیزوں کو جانچنے کے لئے کسی اندرونی قوت یا باطنی روشنی کا محتاج نہیں ہوتا۔ مادی مال و اسباب کو جانچنے کیلئے صرف مادی ذہن اور مادی نگاہ کی ضرورت ہوتی ہے اور عمومی قاعدہ یہ رہا ہے کہ یہ مرض بڑی حد تک دین سے دور جانے والے مسلمانوں میں بھی ہے کہ ہر کام کو وہ مادی فوائد مادی منافع کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ یہ کام کرنے سے دنیا کے کتنے کام سنور جائیں گے یا کون سا طبقہ دنیا میں دولت میں آگے ہے اس کے ساتھ تعلقات قائم

کئے جائیں تاکہ اس سے دنیوی یا مالی فوائد حاصل کئے جائیں حقیقتاً" یہ کوتاہ اندیشی ہے اور یہی ایک بہت بڑا حربہ تھا جو بنیادی طور پر کفار نے دین کو روکنے کے لئے حضور ﷺ کی تعلیمات کو روکنے کے لئے استعمال کیا تھا۔

فرمایا۔ تکذیب کے دو طریقے ہیں جو زبانی تکذیب کرتا ہے وہ تو سیدھا کافر ہے اور جو زبانی اقرار کرتا ہے' انکار نہیں کرتا بلکہ اپنے عمل سے انکار کرتا ہے' اسے ہم کافر نہیں کہہ سکتے' مگر شاید مسلمان بھی ہے یا نہیں۔ اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے' چونکہ نبی ﷺ کو شاید اس نے زیادہ ایذا دی' زبانی کہہ دیا حضور ﷺ نے درست فرمایا' آپ جو فرماتے ہیں' بجا فرماتے ہیں' نماز پنجگانہ فرض ہے' ضرور پڑھنی چاہیے' لیکن حرام کھالیتا ہے' نبی ﷺ کے سامنے کہتا ہے' جھوٹ نہیں بولنا چاہئے اور عدالت میں ساری عمر جھوٹ بول رہا ہے' کوئی پھانسی پہ چڑھ جائے اس کی بلا سے' دوستی پالتا ہے' وہاں تک جھوٹ بولنے سے باز نہیں آتا' چوری کرتا ہے' بدکاری کرتا ہے' ڈاکہ ڈالتا ہے' ہر برائی کرلیتا ہے اور ساتھ کہتا ہے کہ مجھے وہی انعام ملنا چاہئے جو صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو ملتا تھا' اس لئے کہ میں زبانی تو کہتا ہوں' کہ نبی پاک ﷺ نے سچ کہا۔ تو آپ خود انصاف کریں کہ کیا یہ مطالبہ درست ہے۔ بنیادی طور پر یہ امید رکھنا حماقت ہے کیونکہ ایذائے رسول ﷺ میں وہ مسلمان جس نے عملی زندگی چھوڑ دی اس میں بھی کسی طرح کی کمی نہیں تھی نبی ﷺ کی رحمت اور بات ہے نبی ﷺ کی شفقت اور بات ہے۔ نبی ﷺ کا درگزر فرمانا نبی ﷺ کا معاف کردینا یہ تو نبی ﷺ کی شفقت ہے۔ نبی ﷺ کی بخشش ہے' آپ اس کی بات نہ کریں' میں حضور ﷺ کی بات کررہا ہوں میں اپنا محاسبہ کررہا ہوں۔

فرمایا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کا ارشاد ہے کہ خود محاسبہ کرو' اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔ اپنی جانچ خود کرتے رہنا چاہئے' خود احتسابی کا عمل آدمی کو سیدھے راستے پہ چلانے میں بہت زیادہ مددگار ہوتا ہے اور ایک بات طے ہے ہر وہ کام نیک ہے' جسے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے نیک کہا ہے' ہر وہ کام برا ہے' جسے اللہ اور اللہ کے رسول نے برا کہہ دیا ہے۔ میرے اور آپ کے حیلے بہانے' ہمارے تراشے ہوئے جواز' ہماری بنائی ہوئی تاویلیں' اس میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکتیں۔ ہم تاویلیں کرکے خود کو دھوکہ دے سکتے ہیں' ہم بہانے کر

کے اپنے آپ کو غلط فہمی میں مبتلا کر سکتے ہیں' لیکن کل یوم حساب' اللہ کریم جب حساب لیں گے تو نبی علیہ الصلوۃ والسلام وہاں تشریف فرما ہوں گے اور وہ کام حضور ﷺ کے حوالے سے قبول ہوگا جسے حضور ﷺ خود قبول فرمائیں گے کہ یہ کام کرنے کا حکم میں نے دیا تھا۔ اور یہی اتباع نبوی اور معیار حیات و نجات ہے۔

فرمایا۔ ہر کوئی تنہائی میں بیٹھ کر یکہ و تنہا ہو کر اپنے افکار اپنے کردار کو کبھی سوچ میں لا کر فیصلہ دے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں' جو کچھ میں لوگوں سے کہہ رہا ہوں' کیا اس ساری محنت میں ان سب سے اپنا آپ منوانا چاہتا ہوں یا اللہ کی عظمت۔ اگر تو اللہ کی عظمت منوانا چاہتا ہے' تو سود و زیاں سے بالا ہوگا' ریا کی ضرورت نہیں ہوگی کوئی خوف کوئی ڈر کوئی اندیشہ نہیں ہوگا اور اگر اللہ کے نام کی آڑ میں اپنے آپ کو کسی پر مسلط کرنا چاہتا ہے تو یا اپنی خواہشات کی تکمیل چاہتا ہے' یا اپنی آرزوں کا نام دین رکھا ہوا ہے تو ہر ہر سجدے کے ساتھ اندیشہ ہوگا خوف ہوگا' وہم ہوگا' اگرچہ نہیں جانتا تب بھی تو چوری کر رہا ہے اور اس کا اثر اس کے لاشعور پر اس کے اندر ہوگا' اگر تو یہ شعور زندہ رہے تو پھر اس کی کانٹ چھانٹ ہوتی رہتی ہے۔

فرمایا لا توذن رسول اللہ کما اذو رسول اللہ کما اذو موسٰی من قبل۔ جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دی تھی تم اپنے رسول اکرم ﷺ کو کبھی مت ایذا پہنچاؤ۔ ایذائے رسول ﷺ ایسا کفر ہے' کہ توبہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ اس لئے میرے بھائی ذرا اپنے معاملات کا خیال رکھو۔ چھوڑو دوسروں کے بیٹھنے کو اٹھنے کو۔ اپنا معاملہ تو کھرا کر لو۔ ایک بندے کا ایک اپنی جان کا ایک اپنے وجود کا کھرا محاسبہ کر لو' اپنے باطن اور اندر کی صفائی کی فکر کرو پھر بات بنے گی دوسروں پہ ہم فتوے دیتے رہے تو اس سے ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوگا' اپنے معاملات کو دیکھو اور اللہ کی تھوڑی عبادت کر لو لیکن کھری اور خالص خوبصورت صاف ستھری عبادت۔

فرمایا۔ کفر کے عقائد مختلف ہوں' نظریات مختلف ہوں کافرانہ رسومات مختلف ہوں لیکن اصلی اور اساسی طور پر سارا کفر ایک ہی چیز ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور غیبی طاقت کو اپنے لئے اپنا کارساز نہ سمجھا جائے' اور خود ساختہ رسومات کو اپنا کر یہ تصور کر لیا جائے کہ وہ میری حفاظت کرے گا' تو اس اعتبار سے کفر ایک ہے' اسلام کے مقابلے میں بالکل ایک الگ اور

انوکھی بات ہے۔ اسلام نے رسومات نہیں دیں' اسلام نے تعلقات دیئے ہیں' رب اور بندے کے درمیان۔ یہ فرق ہے باطل میں یا کفر میں۔ کفر میں رسومات ہیں مثلاً" آپ فلاں جگہ دیا جلائیں' فلاں جگہ اتنے پیسے دیں' فلاں جگہ آپ ناچیں' اس رنگ کے کپڑے پہنیں' یہ کریں' وہ کریں۔ اس سارے کا ذات باری سے کوئی تعلق نہیں' اسلام میں ہے کہ ہر شخص جو بھی کرے وہ اسی لئے کرے کہ کرنے کا حکم اسے خود اللہ نے دیا۔

فرمایا۔ سارے کے سارے اسلام کے اندر داخل ہو جاؤ اٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا معاملات سوچ تک۔ سوچوں پر پہرے بٹھا دو کہ وہ اللہ کی عظمت ہی کو سوچا کریں' اس کے خلاف نہ جائیں' انشاء اللہ وقت آگیا ہے اور یہ اوقات تاریخ میں کبھی کبھی آتے ہیں۔ بڑے بڑے لوگ تمنا اور آرزو کرتے گزر جاتے ہیں صدیوں بعد ایسے مواقع آتے ہیں' اب ایک وقت آگیا ہے آپ لوگ خوش نصیب ہیں کہ کفر پھیلتے پھیلتے اور اسلام کو دباتے دباتے اب حالات اس سطح پر آگئے ہیں کہ جہاں جو آخری سطح ہے اور جہاں سے بلاسٹ ہونا ہے اور یہ بلاسٹ کفر کے پرخچے اڑا دے گا اور انشاء اللہ العزیز اسلام سربلند ہو گا۔ یہاں اسلامی حکومت قائم ہو گی اور نہ صرف یہاں بلکہ برصغیر پورے کا پورا اسلام کی قلمرو ہو گا حتیٰ کہ ساری دنیا پر اسلام چھا جائے گا۔

فرمایا۔ تو اب ہم دیکھیں اپنا محاسبہ کر کے کہ دن میں کتنی دفعہ ہم اللہ کی اطاعت کا حلقہ توڑ کر اپنی کسی خواہش کی تکمیل کے لئے' اپنی کسی آرزو کی تکمیل کے لئے' کسی لذت کے حصول کے لئے' کسی نفع کے حصول کے لئے' یا کسی سے ڈر کر کسی نقصان سے خوف زدہ ہو کر خدا کے مقابلے میں اپنے نفس کی یا کسی دوسرے کی اطاعت تو نہیں کرتے' اگر کرتے ہیں' تو ہمارا یہ دعوی لا الہ الا اللہ کا صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔

اسی طرح مومن کو جب آخرت نظر آجاتی ہو تو سوچتا ہے کہ اس کام کے کرنے سے میری آخرت بگڑے گی اور نہیں کرتا ہوں تو دنیا کا نقصان ہوتا ہے' دنیا کا نقصان برداشت کر لیتا ہے لیکن آخرت کا نہیں کرتا' آخرت کو نہیں چھوڑتا۔ منافق آخرت کو چھوڑ دیتا ہے اور دنیا کو نہیں چھوڑتا' خداوند عالم نے فرمایا کہ کسی سینے میں دو دل نہیں ہیں کہ ایک دل میں دنیا آباد ہو اور دوسرے میں دین آجائے بلکہ صرف ایک کی محبت غالب رہے گی۔

باب ـ 18

مجاہدات

فرمایا۔ جہاد = جہاد نام ہے اس منظم کوشش کا جو مسلمان مل کر بھلائی کے اجراء کے لئے اور برائی کو روکنے کے لئے کرتے ہیں۔ جہاد کی بنیادی ضرورت یہ ہوتی ہے کہ جہاد کے لئے کوئی امام یا امیر ہو' جہاد کے لئے کوئی ایسا انسٹی ٹیوشن ترتیب دیا جائے جو ایک گورننگ باڈی کا فریضہ انجام دے' جو اس بے مختلف وسائل اور اس کے راستے تلاش کرے جو مجاہدوں کی تربیت کا اہتمام کرے جو موقع اور محل تلاش کرے اور جو اس کی صورت معین کرے کہ کیا کیا جائے۔ ہر آدمی اپنے اپنے طور پر لٹھ لے کر بھاگنے لگے تو یہ جہاد نہیں ہو گا اور اس کے لئے کبھی اسلام نے اجازت نہیں دی بلکہ جہاد کی بنیاد ہی اجتماعی قوت پر ہے۔ جب آپ جہاد کا ارادہ کریں گے تو پھر سوال یہ پیدا ہو گا کہ اس جہاد کے لئے امیر کون ہو گا' اس امیر کا نظام کیا ہو گا اس کے ساتھ لوگ کون ہوں گے' وہ کیا کریں گے' ان کی شوریٰ کیا ہو گی' ان میں کون کون ہوں گے۔ یہی لوگ حالات کا جائزہ لیں گے' وہ ضرورتوں کا تعین کریں گے کہ کس ضرورت کو سب سے زیادہ اہمیت دی جائے اور اس کے لئے کیا حل ہے تو جو لوگ ان کے ساتھ جہاد کا فیصلہ کریں گے' اس فیصلے پر ان کی خواہ جان بھی چلی جائے' اس پر انہیں عمل درآمد کرنا ہو گا۔

فرمایا۔ مجاہدات پہ تسلی = فرمایا تلک الایام نداولھا بین الناس۔ فتح و شکست' دکھ اور سکھ ایسے حالات ہیں کہ ہم انہیں لوگوں کے درمیان پھراتے رہتے ہیں کبھی ہمیشہ دکھ

نہیں رہتا' اور نہ کبھی ہمیشہ سکھ رہتا' نہ کوئی ہمیشہ اقتدار میں رہتا ہے اور نہ کوئی ہمیشہ قید میں رہتا ہے' یہ چلتے پھرتے دن ہوتے ہیں' یہ آتے جاتے رہتے ہیں۔ ایک پہیہ ہے زمانے کا جو چلتا رہتا ہے' کبھی ایک اوپر ہوتا ہے کبھی دوسرا۔ یہ جو گردش ایام ہے دراصل سارے قلوب ویران ہو گئے اور جب قلب ویران ہوتا ہے' تو پھر انسان انسان نہیں رہتا وہ اگرچہ عقل کے ذریعے دریافتیں کر سکتا ہے' ایجادات کر سکتا ہے' کھانے بنا سکتا ہے' لباس بنا سکتا ہے' لیکن اس سے انسانیت جاتی رہتی ہے۔ وہ حیوان ناطق بن جاتا ہے' باتیں کرنے والا حیوان۔ مومن صرف حیوان ناطق نہیں ہوتا بلکہ مومن انسان ہوتا ہے' لیکن اگر نور ایمان نہ ہو تو انسان محض حیوان ناطق بن کر رہ جاتا ہے' باتیں کرنے والا ایک جانور۔ باتیں بھی کرتا ہے ایجادات بھی کرتا ہے لیکن اس کا وطیرہ جانوروں جیسا ہوتا ہے وہ حیوان ناطق جسے نور ایمان نصیب نہ ہو' اگر وہ کروڑ پتی ہے تو اپنے نوکر کے پیسے کھائے گا' خود کروڑ پتی ہے' مزدور کی' غریب کی' مزدوری کھائے گا۔ اس میں خوف خدا نہ رہے تو اسے ملک کی حکومت دے دو' حکومت اگرچہ ملک کی پاسبان ہوتی ہے' رکھوالا ہوتی ہے لیکن جب اسے اقتدار ملتا ہے تو لوٹنا شروع کر دیتا ہے کہ جس کے ذمے حفاظت تھی وہ لوٹنے پر اتر آیا۔

فرمایا۔ مجاہدات کی کثرت = اس وقت سے پہلے جب کام کرنے کی ہمت نہ رہے' جب آپ میں مجاہدے کی سکت نہ رہے' جب سمجھنے کی طاقت نہ رہے جب اٹھنے بیٹھنے کے قابل نہ رہیں یا زندگی کے سانس ختم ہو جائیں تو اس مہلت کو اللہ کا احسان سمجھو۔ میاں سیدھی سی بات ہے کہ دوسروں کے آسروں پر' دوسرے آستانوں پر اور دوسری امیدوں پر زندہ رہنا چھوڑ دو۔ اس لئے کہ کوئی بھی تمہیں زندہ نہیں رکھ سکے گا' ہر جھوٹا آسرا بجائے خود ایک موت ہے جو اللہ کے تعلق کو مجروح کرتا ہے اور انسانیت کی موت ہوتی ہے اللہ سے دوری۔ آدمی مادی زندگی تو جیتا رہتا ہے لیکن اس میں سے اصلی انسانیت مر جاتی ہے ہمارے سامنے بھی جو آئے گا اپنے بدلے اتاریں گے' کوئی اور رعایت نہیں ہوگی' بالکل محنت کرنی پڑے گی' مجاہدہ کرنا پڑے گا۔

فرمایا۔ مسلم امت کی جہد مسلسل = مزے کی بات یہ ہے کہ اس کے بعد امت پر کئی دفعہ طوفان آئے یہاں تک کہ لوگوں نے حجر اسود اکھاڑ لیا بیس برس تک کعبہ حجر اسود سے

محروم رہا کوئی ابابیل نہیں آیا' عین مطاف میں حاجی قتل کئے گئے' کوئی ابابیل نہیں آیا' ابن زبیر رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں کو سولی پر لٹکا دیا گیا' کوئی ابابیل نہیں آیا پھر کیا ابابیل کے لشکر ختم ہو گئے' یا اللہ کی ملکیت ختم ہو گئی؟ بات کیا ہوئی بعثت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد؟ اللہ نے فرمایا اب کعبے کی رکھوالی اے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تیرے ذمے ہے' اب ابابیل نہیں آئیں گے۔ اب اگر اسے سلامت رہنا ہے' تو تیرے جانثاروں کے خون پر سلامت رہے گا اگر یہ اس کی حفاظت کا حق ادا نہ کر سکیں تو پھر اسے گر جانے دے۔ مجھے حیا آتی ہے کہ میں اب بھی ابابیل بھیجوں' تب سے اب تک کوئی ابابیل نہیں آیا اور نہ کبھی آئے گا۔ کعبہ گرا دیا جائے گا' طواف ختم ہو جائے گا' حج و عمرہ ختم ہو جائے گا' قیامت آئے گی' ابابیل نہیں آئیں گے' دنیا کی بساط لپیٹ دی جائے گی' دنیا تباہ کر دی جائے گی لیکن کعبے کو بچانے کے لئے ابابیل نہیں بھیجے گا۔

فرمایا۔ مجاہدات و تسلی = جس حال میں اللہ بندے کو رکھتا ہے' بندے کے لئے وہی مناسب حال ہوتا ہے وہ ایسا نہیں ہے کہ اپنی ننھی منی عاجز سی مخلوق کو ستا کر یا تنگ کر کے خوش ہوتا ہے' یہ بات نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ بہت بڑی برائیوں سے بچا کر ہمیں وہ آسان راستوں پر لے جاتا ہے مثلاً" میرے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا یا باؤلے کتے نے کاٹ کھایا اور میں مقروض ہو گیا اور ہم پریشان ہو جاتے ہیں لیکن ہم اس کو بھول جاتے ہیں کہ شاید میرا کردار تو یہ تھا کہ میرا ایمان بھی ضائع ہو جاتا لیکن اس نے مجھے آخرت کی ذلت سے بچایا اگر میدان حشر میں رسوائی ہوتی' تو کیا ہوتا اگر کسی کو وہ مال و دولت دیتا ہے' اقتدار دیتا ہے تو یہ غربت سے کڑا امتحان ہے یہ مت بھولئے! لوگوں کو غربت کا شکوہ رہتا ہے لیکن ڈرنے کی چیز دولت مندی ہے نہ کہ غربت۔

فرمایا۔ مجاہدات = پورے زور شور سے پوری شدومد سے اپنی انتہائی قوت استعمال کرتے ہوئے ان سے جہاد کیجئے۔ کفر اور اسلام کا صرف اور صرف یہی ایک رشتہ ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ ہمارے آج کے محققین ان معاہدوں کو درمیان میں لے آتے ہیں جو کبھی نبی علیہ السلام نے مشرکین مکہ کے ساتھ کئے یا یہود سے کچھ معاہدے ہوئے لیکن اصولی بات یہ یاد رکھ لیجئے کہ یہ سارے معاہدے مسلمان ریاست کے اور ان کے درمیان وقتی طور پر جنگ کو موخر کرنے کے لئے تھے بعض شرائط کی بنیاد پر۔ کسی معاہدے میں یہ بات شامل نہیں تھی کہ

مسلمانوں نے کافروں کی حکومت تسلیم کرلی یا کافروں کا قانون مسلمانوں پر لاگو ہو جائے گا یا مسلمانوں کی معیشت میں کافروں کا انداز داخل ہو جائے گا یا اس طرح کا کوئی معاہدہ نہیں تھے۔ وہ معاہدے وقت کی ضرورت کے مطابق اس طرح سے تھے کہ کافر اپنی ریاست کے اندر کافر رہیں گے لیکن ان کے ریاستی امور اسلام کے مطابق انجام پائیں گے اور ان کی معیشت اسلام کے مطابق ہوگی۔

فرمایا۔ تلافی مافات = مومن کی جو بھی تکلیف ہوتی ہے یہ تلافی مافات کے لئے ہوتی ہے اور بدکار کافر پہ جو مصیبت آتی ہے' وہ از قسم عقوبات ہوتی ہے' ایک طرح کی سزا ہوتی ہے۔ مومن پر جو مصیبت آتی ہے ایک طرح کی راحت لاتی ہے' صورتاً" تکلیف ہوتی ہے لیکن حقیقتاً وہ راحت ہوتی ہے۔ اس میں انسانوں کے بے شمار فوائد ہوتے ہیں تو ان سب باتوں کو اپنے ذہن میں رکھیں۔ آپ یہ بھی یاد رکھیں کہ جو لوگ آپ کی تربیت کرتے ہیں' وہ بھی آپ کی طرح کے انسان ہیں' ان کے بھی آپ کی طرح کے مشاغل ہیں' ان کی بھی آپ ہی کی طرح ضروریات ہیں اگر وہ آپ جیسی ایک کثیر جماعت کو سنبھال سکتے ہیں' تو آپ اپنے آپ کو بھی نہیں سنبھال سکتے اگر کوئی شخص اپنے آپ کو بھی نہیں سنبھال سکتا' تو کتنی زیادتی ہے' اگر اور کچھ نہیں کرسکتا تو کم از کم اپنے آپ کو' اپنے تن کو' اپنے وجود کو تو سنبھال سکتا ہے۔ خطا ہو جانا' گناہ ہو جانا یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

فرمایا۔ راہ حق کے مصائب = روئے زمین پر کتنے انسان بستے ہیں اور ان سے نسبت نکال کر دیکھیں کہ اللہ کی راہ میں تکلیفیں سہنے والے کتنے ہیں' وہ نہ ہونے کے برابر ہوں گے اور جو کوئی ذرہ برابر کوئی چیز چھوڑنی پڑتی ہے تو وہ سب سے پہلے اللہ کو اور اللہ کے دین کو چھوڑتا ہے۔ آپ روزمرہ کی زندگی میں دیکھیں کسی کو زکام ہو جائے' کھانا اس سے نہیں چھوٹتا' نیند نہیں چھوٹتی سب سے پہلے جس چیز کو چھوڑے گا' وہ اللہ کی عبادت ہے کہ آج طبیعت خراب ہے' آج نماز نہیں پڑھنا ہے' دفتر بھی چلا جائے گا' مزدوری بھی کرے گا' کھانا بھی کھائے گا' یہ سارے کام کرے گا لیکن نماز کے لئے نہیں جائے گا۔

فرمایا۔ مصائب و معمولات = حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی ایک دفعہ اللہ کو پکارے' تو اس کی ایک پکار بھی ضائع نہیں جاتی۔ شرط یہ ہے کہ اس کے پکارنے میں بنیادی طور پر وہ

خلوص وہ عقیدہ یا وہ درد موجود ہو جو اللہ کو پکارنے کے لئے چاہیے۔ ثواب سے دو اجر مرتب ہوتے ہیں' ایک فوری' ایک آخرت میں مرتب ہو گا۔ اس دنیا میں دینوی منافع بھی ہوتا ہے' دنیا کی مصیبتیں بھی چلتی ہیں' عزت اور آبرو بھی نصیب ہوتی ہے' قلبی سکون بھی نصیب ہوتا ہے اور مصائب بھی چلتے ہیں۔ آخرت کی عزت' آخرت کی سربلندی بھی نصیب ہوتی ہے' ساری چیزیں ساتھ ساتھ چلتی رہتی ہیں۔ بعض اوقات بعض لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے' بیماری آتی ہے لیکن اگر نیکی کے ساتھ کوئی تکلیف آتی ہے تو شاید وہ تلافی مافات کے لئے ہوتی ہو' ہم اس پائے کی نیکی نہ کر سکے ہوں' جس پائے کی کرنا چاہیے اس میں کوئی کمی رہ گئی ہو' تو اللہ کریم نے وہ بیماری کسی مجاہدے سے پوری کرا دی ہو یا کچھ غلطیاں ہو گئیں' کوتاہیاں ہو گئیں ان کی کمی کو مجاہدات و تکالیف سے پورا کر دیا۔

یا بعض درجات ایسے ہوتے ہیں' جو اللہ کریم کسی کو دینا چاہیں ان کے ساتھ بعض تکالیف جیسے شہادت ایک درجہ ہے لیکن قتل ہونا پڑتا ہے یہ ضروری نہیں کہ دنیادار جس کو آرام سمجھتے ہیں وہی آرام ہو ہر آرام وہ آرام ہے' جو دل میں روشنی' دل میں سکوں پیدا کرے' تو اللہ کی طرف سے جو چیز آتی ہے' بظاہر وہ اگر دوسرے کو تکلیف بھی نظر آئے' تو جس پروارد ہوتی ہے اس کے لئے اس میں سکون' لذت اور لطف ہوتا ہے اور یہ تب نصیب ہوتی ہے جب آدمی کی امیدیں اللہ کریم سے وابستہ ہو جائیں۔

فرمایا۔ مجاہدہ کی دعوت = یہاں اگر دینوی راحت آپ کو بیچنی پڑے گی' اخروی آرام کے لئے اپنی پسند چھوڑنی پڑے گی' اللہ کی اطاعت کے لئے۔ میں نے اسی لئے کہہ دیا ہے کہ جو شخص اس دال روٹی پر گذارہ نہیں کر سکتا' وہ بے شک یہاں نہ رہے' باہر سے کھانا وانا کھانے کی اجازت نہیں ہے' جو شخص سمجھتا ہے کہ یہ پروگرام اس کو راس نہیں آرہے' اسے ہم نے باندھ نہیں رکھا' وہ جا سکتا ہے لیکن یہاں اگر رہے گا تو اسی روٹین میں فٹ ہو کر رہنا پڑے گا۔

فرمایا۔ پرانے صوفیاء و مجاہدات = جتنے صوفی حضرات آبادیوں سے باہر چلے گئے جب سے انہوں نے انسانوں سے رشتہ توڑا' ان کے منازل سلوک جس مقام پر تھے وہیں پر رک گئے' اس سے آگے ترقی نہیں کر سکے۔ یہ اس لئے کہ ترقی درجات کا سبب اللہ کی مخلوق کے ساتھ تعلقات ہیں۔ آپ اللہ کی مخلوق پر کس قدر مہربان ہیں' کتنی محبت دے سکتے ہیں' ان سے

کتنا ظلم دور کرسکتے ہیں اور ان کے لئے کیا کرسکتے ہیں یہ ترقی درجات کا سبب ہے۔ جب وہ مخلوق سے گھبرا کر الگ ہو گئے' تو یوں سمجھ لو' جیسے ان کی موت واقع ہو گئی کیونکہ عمل منقطع ہو گیا پھر وہ خواہ پچاس سال تنہائی میں بیٹھے رہے' ترقی درجات نہیں ہوتی' اس مقام پر رہے' جس مقام پر لوگوں سے الگ ہو گئے تھے تو بندے خواہ گنہگار بھی ہوں' اللہ کی مخلوق کتنی بری بھی ہو لیکن زندگی کا اور اللہ کے ساتھ رشتے کا اور وصال الٰہی کا سبب تو یہی لوگ ہیں۔

فرمایا۔ مجاہدات = اطاعت اللہ و اتباع رسول ﷺ کے ساتھ جو یقین حاصل ہوا ہے' اس کو بنیاد بنا کر مجاہدہ کریں' تب اس پر ایمان کامل مرتب ہو گا۔ اس پر وہ ایمان مرتب ہو جو نہ صرف اس کے اپنے اعمال کی اصلاح کردے بلکہ اس کو دوسروں کی اصلاح کرنے والا بنادے' اور یہ اس یقین و اعتماد کے ساتھ اسے نیکی اور بھلائی کی بھوک لگے' جس طرح کوئی غذا کی طرف لپکتا ہے' اس سے زیادہ اس کو ضروری سمجھے' اتباع رسالت کو اللہ جل شانہ کی اطاعت کو۔

فرمایا۔ مجاہدہ اور ہمارا رویہ = اب بہت عجیب بات یہ ہے کہ ہم نے یہ سمجھ رکھا ہوتا ہے کہ جب آدمی ذکر کرتا ہے یا عبادت کرتا ہے یا نیکی کا کوئی کام کرتا ہے تو شاید اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ اس کے راستے میں کوئی مشکل ہی نہ آئے اور اسے نہ بیمار ہونا چاہئے نہ افلاس و تنگدستی آنی چاہئے نہ اس پر کوئی دنیاوی پریشانی آنی چاہئے یہ محض غلط فہمی ہے۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ اللہ کے بندے وہ ہوتے ہیں جو اللہ کو راضی رکھنے کے لئے بہت سی چیزیں قربان کرتے ہیں' بہت سی تکلیفیں سہتے ہیں' بہت سی خواہشات کو دم توڑتے ہوئے دیکھتے ہیں لیکن ان کی تکمیل کے لئے نہیں لپکتے۔ یہ پتہ نہیں کہ ہمارے ذہنوں میں یہ کیسے آگیا کہ ذکر سے دنیاوی مسائل نہیں ہونے چاہئیں یہ تو بالکل الٹ فلسفہ ہے' یہ بالکل الٹ منطق ہے۔

فرمایا: جہاد = نبی علیہ الصلوۃ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کسی کو زندگی بھر یہ خیال ہی نہ آئے کہ میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں اور میری جان بھی اسلام کی راہ میں کام آئے' میں بھی جہاد پر جاؤں' میں بھی اللہ کی راہ میں کام آؤں' مجھے شہادت نصیب ہو۔ تو فقدمات موت الجاھلیتہ۔ وہ ایسی موت مرا کہ جیسی لوگ میرے مبعوث ہونے سے پہلے مرا کرتے تھے گویا اس نے نہ میرا زمانہ پایا نہ میری بات سنی' نہ مجھ پر ایمان لایا۔

باب۔19

حصول رزق کے طریقے اور اس کے اثرات

فرمایا۔ ہمارا مرض عدم اطاعت کا ہے جس کی دوا قرآن کریم نے ذکرالٰہی کو قرار دیا ہے اگر ہمیں اپنے آرام' اپنے اطمینان' اپنی آبرو' اپنے سکون' کی ضرورت ہے اور یقیناً" ضرورت ہے تو پھر ذکر کے بغیر دیکھیں ہر شخص دنیا میں جو بھی محنت کرتا ہے وہ اپنے آرام کے لئے کرتا ہے' کوئی ملازمت کرتا ہے' آرام و سکون حاصل کرنے کے لئے۔ کوئی محنت اور مزدوری کرتا ہے' آرام حاصل کرنے کے لئے۔ کوئی دوسرا لمبا سفر اختیار کرتا ہے' اس لئے کہ میں آرام سے رہوں لیکن ساری مشقت ساری محنت اس پر ہے اور سارے کا سارا آرام اس بات میں ہے کہ کوئی کتنی اطاعت محمد رسول اللہ ﷺ کی کرتا ہے۔ عجب مزاج ہے انسان کا' جو کام خدا نے اپنے ذمہ لیا' اس کے لئے تو اسے ہر وقت فکر رہتا ہے۔ جس کام کا ذمہ خدا نے لے لیا ہو' اس کے لئے ہر کوئی پریشان ہے' خدا کہتا ہے اور ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہے' علی الاعلان کہتا ہے کہ رزق کا کام میں کروں گا۔

ومامن دابتہ فی الارض الاعلی اللہ رزقھا۔

کوئی متنفس' کوئی ذی روح' کیڑا' پتنگا' حیوان انسان' پرند' چرند' درند' جہاں بھی ہے' اس کی روزی کا میں ذمہ دار ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس نے اسباب بنا دیئے۔ آٹے کی بوریاں آسمان سے نہیں پھینکتا' حیوانوں کے لئے جنگل اور وادیاں ہیں' چرنے کے لئے حکم دیدیا ہے کہ جاؤ چرو کھاؤ پیو۔ انسانوں کے لئے محنت اور مزدوری کی جگہیں بنا دیں' انسان کو عقل

بھی دی ہے' ہاتھ پاؤں بھی دیئے کام کر سکتا ہے' محنت کر سکتا ہے' کماتا ہے' یہ سارے کے سارے اسباب ہیں مگر روزی دینے والا وہ خود ہے اور اس نے رزق بانٹ دیا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ایک شخص اتنا بھی شعور نہیں رکھتا کہ موٹر کیسے چلائی جاتی ہے لیکن اس کو اللہ نے دس موٹریں دی ہیں' ایک شخص موٹر کھول کر جوڑ دیتا ہے مگر وہ کسی موٹر والے کے پاس ملازمت کرتا ہے۔ خدا کی شان ہے کہ اس کا رزق اتنا لکھ دیا' اور دوسرے کا رزق اتنا لکھ دیا۔ یہ ضروری نہیں کہ جو دنیا میں زیادہ عقل مند ہوں' اسے زیادہ روزی ملے اور عقل بھی اپنی مرضی سے دی ہے۔ بخت اپنی مرضی سے بانٹا ہے' عمر اپنی مرضی سے بانٹی ہے' حتیٰ کہ کوئی دوسرے کی صحت نہیں چھین سکتا' کوئی دوسرے کا حسن قد کاٹھ نہیں چھین سکتا' کوئی دوسرے کا رنگ اور حلیہ نہیں چھین سکتا تو روزی کیسے چھین سکتا ہے۔

فرمایا۔ رزق طیب و نیک عمل = کلوا من الطیبت آپ پاکیزہ چیزیں کھایئے اس پابندی کی وجہ سے عالم آب و گل میں انسان کی فکر معاش کی کوشش محدود ہو گئی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ بہت سے چیزوں میں حرمت آ گئی' وہ حرام ہیں' ان کے لئے کوشش کی ضرورت نہیں' پھر ہر چیز جو آپ حاصل کرتے ہیں' اس کے حصول کے اسباب اس میں حرمت آ جاتی ہے اگر ہم نے حاصل بھی کر لی لیکن حاصل کرنے کے عمل میں وہ چیز حرام ہو گئی' جیسے ہم نے کسی کا مرغ چوری پکڑ لیا تو ہم نے غذا تو حاصل کر لی لیکن حاصل کرنے کا جو طریقہ تھا اس میں وہ حرام ہو گئی تو ہمارے کام کی نہ رہی' اس لئے ہمیں چوری پکڑنے کی ضرورت ہی نہ رہی۔ ایک بہت بڑا جو راستہ تھا' فساد کا' وہ اس طرح ختم ہو گیا کہ حصول رزق کے لئے جائز ذرائع اختیار کئے جائیں پھر جب جائز ذرائع سے رزق حاصل ہو جائے تو اسے پاکیزہ رکھا جائے۔ اس میں کوئی چیز ناپاک نہ ملنے دی جائے' یہ نہیں کہ میں اپنا حلال لایا ہوں' آپ حرام لائے ہیں' چلو دونوں مل کر کھائیں فرمایا نہیں کھانے کو پاکیزہ رکھو' حلال رکھو' اسے بھی حلال کھلا سکتے ہو لیکن اس کا حرام خود نہیں کھا سکتے دوسرے کا حرام اپنے لئے نہیں لے سکتے' محنت و مشقت کا مسئلہ ہی حل ہو گیا کلوا من الطیبت جب آپ کی غذا پاکیزہ ہو گئی یعنی حلال کے بعد حصول رزق کا ذریعہ جو ہے وہ جائز ہو گا۔ اس کے بعد آپ کوئی کسی دوسرے کی ناجائز لائی ہوئی چیز اس میں شامل نہیں کریں گے' اسے ناپاک بھی نہیں ہونے دیں گے تو

نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر بد عملی کی گنجائش ختم ہو جائے گی۔ وعملوا صالحا" چیزیں پاکیزہ کھاؤ' عمل صالح کرو' بد عملی کی ضرورت ہی نہیں رہتی' برے کام کی' چوری کی ضرورت نہیں ہے' جھوٹ بولنے کی ضرورت باقی نہ رہی' رشوت لینے کی ضرورت باقی نہ رہی' کسی کا مال کھانے کی ضرورت جب باقی نہ رہی' تو پھر جو عمل باقی بچے گا' وہ صالح ہوگا۔ غیر صالح عمل کی بنیاد ہی ایک دوسرے کے چھیننے پر ہوتی ہے۔

فرمایا۔ حرام مال کا وبال = اگر کوئی بندہ نیک بھی ہے' صالح بھی ہے' عبادت گذار بھی ہے' میدان حشر میں اس کا فیصلہ ہو جاتا ہے کہ اس کی نیکیاں زیادہ ہیں' یہ جنت میں جائے گا لیکن کبھی زندگی میں اس نے حرام مال کھا لیا تھا' رشوت لے کر کھائی تھی یا دوسرے کا مال چوری کر کے کھا لیا تھا' کوئی ایسا مال جو شرعا" حلال نہیں تھا اس نے کھا لیا' اس حرام مال سے اس کے وجود کا گوشت بنا' خون بنا' کھال بنی' تو فرمایا کہ جو گوشت تنبت من السحت بدن کا وہ حصہ جو حرام کھانے کی وجہ سے بنا' النار اولی وہ آگ ہی میں جلنے کے لائق ہے اگر اسے جنت میں بھی اللہ نے بھیجنا ہو گا تو اس سے وہ گوشت جلانے کے لئے دوزخ جانا پڑے گا' حرام کا گوشت دوزخ میں جل جائے گا' تب وہ جنت میں جا سکے گا' حرام سے بنا ہوا گوشت لے کر جنت میں نہیں جائے گا۔

فرمایا۔ مقدر اور حصول رزق = دوسرا حصہ ہے انسانی زندگی کا' جس کا اللہ نے ہمیں مکلف ٹھہرایا ہے کہ تم نے یہ کرنا ہے تو اس میں فرمایا' میں نے روزی لکھ دی ہے' تم اسے گھٹا بڑھا نہیں سکتے لیکن اسے حلال طریقے سے لینا چاہتے ہو یا حرام طریقے سے یہ تم پر چھوڑ دیا ہے۔ اب اگر کوئی چوری کرتا ہے' یا مزدوری کرتا ہے' روزی اسے وہی ملے گی' جو مقدر ہے' اس کا طریقہ اس چوری کا اپنا لیا' دوسرے نے مزدوری کی' اس نے حلال طریقے سے لے لی' اس نے حرام طریقے سے لے لی' اب جب روزی مقدر کے مطابق ملے گی تو حرام طریقے سے آدمی کھائے کیوں؟ اسی طرح ان سب باتوں پر قائم رہنے کے لئے حدود الٰہی پر کاربند رہنے کے لئے اللہ کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق زندگی گزارنا ہو گی۔

فرمایا۔ رزق حلال کی برکات = اے میرے رسولو! اے پیامبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ' یعنی اپنی غذا کو اپنے کھانے کو پاکیزہ رکھو۔ پاکیزہ سے مراد یہ ہے کہ سب سے پہلے تو شرعی طریقے

سے کمایا جائے' دولت کمانے کا طریق وہ ہو جس کی شرعاً" اجازت ہے تاکہ وہ حلال ہو۔ حلال کمانے کے بعد اب اسے استعمال کرنے میں وہ احتیاط برتی جائے کہ اس پاکیزہ کے ساتھ کوئی ناپاک چیز داخل نہ ہو جائے' ناپاک ہاتھ اس میں نہ ڈالے جائیں' ناپاک پانی نہ ڈالا جائے' ناپاک برتن میں نہ ڈالی جائے۔ اب یہ ایک بات کہ حلال کما کرلایا جائے جو پوری انسانی زندگی کی تصویر کشی کردیتی ہے اور یہ وہ قانون ہے' جس سے نبیوں اور رسولوں کو بھی استثنٰی نہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ حلال کما کر پاکیزہ یعنی کمائے بھی شرعی طریقے کے مطابق اسے کھائے بھی شرعی طریقے کے مطابق تو نتیجہ یہ ہو گا کہ واعملوا صالحا" تو ایسے شخص کو نیکی کی توفیق نصیب ہو گی۔ اب ظاہر ہے کہ دولت کمانے کے لئے زندگی کا پورا پراسس ہمارے سامنے آجاتا ہے' کوئی کاشتکاری کرتا ہے' کوئی مزدوری کرتا ہے' کوئی تجارت کرتا ہے یا ملازمت کرتا ہے تو یہ سارے ذرائع ہیں حصول معاش کے۔ اب ان میں رزق کو حلال کرنے کے لئے پوری دیانتداری سے کام کرنا پڑے گا اور پوری دیانتداری سے کام کر کے جب آدمی رزق کمائے گا تو پھر بھی وہ آزاد نہیں رہا پھر اس میں وہ احتیاط ہو گی کہ رب کریم نے کس چیز کو پاک اور کس کو نجس قرار دیا ہے' ناپاک اور نجس سے احتیاط کرے گا' اس کو پکانے کھانے تک۔ تو قرآن حکیم نے یہ جو ٹائم ٹیبل دیا ہے کہ حلال کمایا جائے اور پاکیزہ کھایا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ ہر آدمی کی پوری دنیوی زندگی کی ساری مصروفیات اس میں آگئیں' خواہ وہ ملازم ہے' یا تجارت کرتا ہے یا مزدور ہے' یا کاشتکاری کرتا ہے تو چاروں معروف ذرائع ہیں اور ان چاروں میں سے کوئی نہ کوئی ذریعہ ہر کسی کے پاس ہوتا ہے۔

فرمایا۔ رزق کے اثرات = انسانی زندگی کا بیشتر دارومدار حصول رزق کے ذرائع پر ہے اور محققین فرماتے ہیں کہ تشکیل کردار میں اسی فیصد حصہ رزق کا ہوتا ہے اور پندرہ فیصد اسے ماحول اور معاشرہ متاثر کرتا ہے' پانچ فیصد استاد کے لئے رہ جاتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا کرنا چاہئے۔

رب جلیل نے حلال رزق کو اور طیب رزق کو اعمال صالح کی اساس اور بنیاد ارشاد فرمایا ہے۔ کلوا من الطیبات۔ یہ طیب کی شرط حلال ذرائع کی ہے اگر بنیادی طور پر رزق ہی حرام ہو تو اس کے طیب یا غیر طیب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ رزق حلال کو کوتاہی

اور سستی کی وجہ سے ناپاک کیا جا سکتا ہے اس لئے رزق نہ صرف یہ کہ حلال ہو' بلکہ طیب بھی ہو پاک بھی ہو۔

فرمایا۔ حصول رزق = اس کے علاوہ وہ جرم کرے' چوری کرے' چھینا چھپٹی کرے' اس کے حصے میں وہی غذا آئے گی' جو ازل سے اس کا مقدر بن چکی ہے۔ ایک دانہ جو اس کا مقدر ہے فالتو نہیں کھا سکتا' چھینے گا' لوٹے گا جوڑے گا' لیکن پھر بھی صرف حصہ رزق وہ ان کے حصے میں آئے گا جو اس کا مقدر ہے وہ جمع کرکے مرجائے گا' کھائے گا وہی' پئے گا وہی جو اس کا اپنا مقدر ہے۔

کیونکہ الاوان النفس لن تموت حتی تستکمل رزقھا۔ کوئی متنفس اپنا رزق پورا کئے بغیر نہیں مرتا' نہ کسی کا کھا سکتا ہے' نہ اپنا چھوڑ سکتا ہے' ورنہ دونوں صورتوں میں دنیا کباڑ خانہ بن گئی ہوتی۔

فرمایا۔ رزق کی فراوانی = اللہ کریم فرماتے ہیں ان جاہلوں سے کہو کیا میں نے تمہیں حرم میں بسا کر پوری دنیا سے معزز و محترم اور مامون نہیں کر دیا' ایسے شہر میں بسا کر جس میں کوئی بھی باہر سے حملہ کرنے کی جرات نہیں کرتا' تمہیں امن نہیں دے دیا اور کیا تم یہ نہیں دیکھتے تم اس سرزمین میں بیٹھے ہو' جہاں گھاس کا تنکا نہیں ہوتا اور روئے زمین کے پھل تمہاری خدمت میں موجود رہتے ہیں یعنی میں ایسا قادر ہوں کہ دونوں باتیں تمہارے سامنے موجود ہیں اگر تمہیں رزق کا اندیشہ ہے یعنی اگر دین پر عمل کریں گے' تو روزی چھن جائے گی' تو کم از کم مکے میں بیٹھے ہوئے تم دیکھ سکتے ہو کہ یہاں گھاس کا تنکا نہیں ہوتا اور روئے زمین کے پھل یہاں تمہیں ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ تم یہ دیکھ سکتے ہو کہ یہاں نہ کوئی فوج ہے' نہ کوئی جرنیل ہے' نہ کوئی طاقت ہے لیکن پھر بھی سارا جہان اس شہر کا احترام کرتا ہے اور اس شہر کی حرمت کی وجہ سے تم محفوظ بیٹھے ہو تو اگر میں ایک شہر میں تمہاری حفاظت کر سکتا ہوں' تو روئے زمین پر بھی کر سکتا ہوں اگر ایک ویرانے میں تمہیں روزی پہنچا سکتا ہوں' تو ہر جگہ پہنچا سکتا ہوں۔

فرمایا۔ رزق کی ایک توجیہہ = جو چیزیں کھانا حلال ہیں ان کا کھانا حلال ہے لیکن فرض تو نہیں' اب ایک میڈیکل سپیشلسٹ ہے وہ ہمارے جسم کی صحت سے واقف ہے تو ہمارے جسم کی بعض خرابیاں یا بعض بیماری کے آثار کہہ لیجئے' انہیں دیکھ کر اگر وہ ہمیں ایک چیز کھانے

سے روک دیتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کا کھانا ساری انسانیت کے لئے منع ہو گیا یا وہ چیز شرعاً" حرام ہو گئی' وہ تو اس ایک آدمی کے جسم میں ایک خرابی ہے اور اس خرابی سے بچنے کے لئے یا مزید بگاڑ سے بچنے کے لئے وہ اس سے احتراز کرتا ہے' شرعاً" اس پر بھی وہ حرام نہیں ہے۔ اسی طرح روحانی امور میں بھی بعض لوگوں کے لئے ان کے مشائخ نے بعض لوگوں نے اپنی ذات کے لئے' اپنے نفس کو بعض امور میں سرکشی پر مائل پایا' تو اس کا علاج کرنے کے لئے بعض سخت مجاہدے اختیار کئے کہ اس میں سے گزر کر یہ سرکشی چھوڑ دے' تو اب اس کی ضرورت اس مرض کے مریض کے لئے ہے' ہر آدمی کے لئے نہیں اور وہ بھی ایک علاج ہے' وہ فرض تو نہیں ہو گا مرض ایک جیسا ہونا علاج کا ایک جیسا ہونا ضروری تو نہیں

ایک شخص کو ایک دوا شفا دیتی ہے لیکن وہ دوا دوسرے شخص کے لئے موت کا سامان بن سکتی ہے۔ اس لئے ہر آدمی کے لئے ایک دوا تو نہیں ہوتی' تو جس طرح جسمانی صحت کے لئے بعض چیزوں سے پرہیز کرادی جاتی ہے' اس طرح صوفیاء نے بھی بعض لوگوں کو بعض باتوں میں اگرچہ وہ جائز تھیں حلال تھیں لیکن ان کی اصلاح کے لئے انہیں پابندی کرائی گئی۔

فرمایا۔ رزق کریم = نوتھا اجرھا مرتین۔ میں اس کو اس کے اعمال کا بھی دو دوبار اجر دوں گا۔ واعتدنا لھا رزقا کریما ○۔ اور اس کے لئے بہترین رزق کا اہتمام بھی کروں گا۔ اب اس رزق کریم پر آخرت کی قید نہیں ہے رزق کریم سے مراد یہ نہیں ہو تاکہ کسی کا بنک بھرا ہوا ہو کسی کے گھر میں بوریاں بھری ہوئی ہوں' اس کے گھر میں منوں چینی پڑی ہو اور وہ کھانہ سکتا ہو یہ رزق کریم نہیں ہے' اس کے پاس کروڑوں روپے پڑے ہوئے ہوں اور اسے کھانا نصیب نہ ہو۔ اسے پہننا نصیب نہ ہو' رزق کریم سے وہ دانہ گندم مراد ہے جس سے پیٹ تو نہ بھرے لیکن چہرے پر ندامت کا اثر پیدا نہ۔ بیشک ایک وقت کا فاقہ رہ جائے لیکن شرمندگی اور ذلت نہ ہو' جس کے کھالینے کے پیچھے کسی کا خوف نہ ہو' جس کے افشا کے ڈر سے' شرمندگی آنے کا اندیشہ نہ ہو۔ رزق کریم سے وہ رزق مراد ہے جو اگر نصیب ہو تو دل کو سکون ملے اور اس سے قلب پریشان نہ ہو۔

فرمایا۔ اطاعت و نعمت = اگر کسی کو دنیا کی ساری نعمتیں حاصل ہیں' اس کے پاس

حکومت و سلطنت بھی ہے' مال و دولت بھی ہے' صحت بھی ہے' اولاد بھی ہے' ان ساری نعمتوں کے ساتھ اسے اللہ کی اطاعت نصیب نہیں' اللہ سے تعلق نہیں ہے' اللہ کریم کی یاد نصیب نہیں ہے' تو اسلام کے نظریہ کے مطابق اس شخص کے بہت برے دن ہیں' وہ بہت مصیبت میں ہے' وہ بہت پریشانی میں ہے۔ یہ ہے وہ فرق جو عام انسانی سوچ میں اور نور ایمان نصیب ہونے کے بعد انسانی سوچ میں پیدا ہوتا ہے۔

فرمایا۔ رزق کے حصول کے اصول = یہ جو دوڑ لگی ہوتی ہے کہ شاید ہم دولت زیادہ جمع کرلیں' تو راحت مل جائے گی' مکان اچھے بنالیں' تو راحت مل جائے گی' موٹریں خوبصورت یا زیادہ ہوں تو راحت ملے گی۔ دولت کمانا' مکان بنانا' موٹر رکھنا یہ ہمارا حق ہے' اللہ نے ہمیں دیا ہے اور کمانے کے جائز ذرائع اور وسائل بتائے ہیں۔ حدود شرعی کے اندر رہتے ہوئے کوئی جتنی محنت کرے' کوئی جتنا رزق کمائے' جتنا اچھا پہنے' اوڑھے کھائے پیئے' یہ سب درست ہے اور انسان کا حق بنتا ہے ۔یعنی صرف دوسرے کا حق نہ چھینے' اللہ کی زمین پر رہتے ہوئے اپنی محنت سے اپنے لئے حاصل کرے' اس میں کوئی قباحت نہیں لیکن یہ یاد رکھے کہ یہ سارا کچھ کرنے کے بعد بھی اس میں انسان کے لئے راحت نہیں ہے کیونکہ یہ محض انسان کے وجود اور رشتہ حیات کو باقی رکھنے کا سبب ہے۔ راحت اسے تب ملے گی' جب اس کا تعلق' اس کی نگاہ جمال باری پہ جاکر ٹھہرے گی' حجابات درمیان سے ہٹ جائیں گے۔ اب یہ سنے گا تو اللہ کی بات' عرض کرے گا تو اللہ کی بات۔

فرمایا۔ حصول رزق = لیکن انسان کو حکماً" مجبور نہیں کیا' رب کریم نے اسے وجود بخشا' وجود کو ضروریات بخشیں اور ان ضروریات میں ایک رنگ آمیزی اور رنگ آفرینی کردی اور ان ضروریات کو بساط کائنات پر پھیلا دیا۔ وجود اس نے حیوانوں کو' درندوں کو پرندوں کو بھی بخشا۔ وجود کی ضروریات بخشیں' ان میں لذت آفرینی فرمائی' ان کی ضروریات بھی زمین کے سینے پر پھیلا دیں۔ یہاں تک انسان میں جو پاؤں میں درندوں میں اور پرندوں میں کوئی فرق نہیں اپنے لئے غذا مہیا کرنا اور ایسی غذا مہیا کرنا جو اپنی پسند کے مطابق ہو یہ اس کا حق ہے مگر دو شرائط کے ساتھ کہ حلال ہو اور طیب ہو۔

فرمایا۔ حلال رزق کی اہمیت = یاد رکھیں کہ ماحول کا اثر طبائع پہ دس فیصد ہوتا ہے اور

80 فیصد اثر خوراک کا ہوتا ہے اور غذا کا حلال ہونے کے علاوہ طیب ہونا بھی ضروری ہے۔اس لئے گھر میں دینی معلومات کو عام کریں' گھر والوں کو دین کے متعلق بتایا کریں' مسائل کی چھوٹی چھوٹی کتابیں مثلاً" وضو کے 'نماز کے 'پاکی اور پلیدی کے مسائل' یہ تمام مسائل اہل خانہ کو سنائے جائیں' پانچ منٹ دس منٹ روزانہ کوشش کریں۔گھر والوں کو اپنے ساتھ ذکر کرایا کریں' ہر ساتھی کو اپنے اہل خانہ کو ذکر کرانے کی اجازت ہے۔حضرتؒ جی کی طرف سے بھی اور ہمیشہ کے لئے ہے تاکہ گھر والے خود ذاکر ہوں' وہ کھانا جو گھر میں پکتا ہے' وہ طیب ہو' باوضو پکایا جائے' پاک ہو کر پکایا جائے۔

فرمایا۔ اللہ کی تقسیم = ہاں یہ بات درست ہے کہ لوگوں کو شعور نہیں ہے بات کو سمجھنے کا۔دنیا کی دولت یا دنیا کا رزق یا دنیا کی حکومت و سلطنت دے دینا یہ اللہ کی رضامندی کی دلیل نہیں ہے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دنیا و مافیا کی قیمت اگر اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر ایک گھونٹ پانی کو ترستا رہتا' اسے پانی بھی نہ ملتا۔

فرمایا۔ قسمت و رزق = ہر دور میں ہر انسان کو اپنے حصے کے مطابق رزق مل رہا ہے نہ پچھلوں کا حصہ پہلوں کو دیا' نہ ان کی کوئی شے پچھلوں کے لئے چھپا کر رکھی' ایک خود کار نظام ہے جس میں ضرورت کی سب چیزیں موجود ہیں۔فرش ایک آرام دہ بچھونا' ایک ایسا ٹھکانا جہاں واقعی قیام کیا جاسکے' بچھونا راحت کے لئے ہوتا ہے' زمین سب سے اعلیٰ درجے کا بچھونا ہے کہ تمام ضرورت کی چیزیں اپنے اندر رکھتی ہے' جس نے تمہیں بنایا اسی نے تمہارے لئے اس کو اس قدر مفید بنادیا۔

فرمایا۔ رزق حلال کی ترغیب = اس سمع خراشی سے میری مراد یہ ہے کہ ہم کچھ بھی نہ کرسکیں تو کم از کم اپنے اس وجود پر اسلام کو ضرور نافذ کیجئے' اپنے کردار میں' رزق حلال کمائیے اور جس کام کی آپ تنخواہ لیتے ہیں' وہ کام دیانتداری سے کیجئے۔دوسروں کو تکلیف دینے کی بجائے دنیامیں کسی کو آرام پہنچانے کی فکر کیجئے اگر آپ نے کسی کے لئے بہتری سوچی اس پر عمل نہ بھی کرسکے تو سوچنے پر بھی اللہ کی رحمت متوجہ ہوگی اور ثواب ہوگا اور اس بارے میں اپنے کو بری الذمہ نہ سمجھئے۔اپنی کوشش میں ضرور رہیے۔

فرمایا۔ اسباب و رزق = یاد رکھو! ہر نعمت وہی دیتا ہے' اسباب و ذرائع اختیار کرنا سنت

الٰہی ہے جو ذرائع اس نے بنائے ہیں اور جو جائز وسائل ہیں انہیں اختیار کرنا ہی توکل ہے
اسباب چھوڑنا توکل نہیں ہے' اسباب اختیار کرنا اور بھروسہ رب پر کرنا (اسباب پر بھروسہ نہ
کرنا) یہ توکل ہے اور یہ مشکل کام ہے۔ اسباب چھوڑ کر بیٹھ رہنا توکل نہیں ہے۔ اسباب
اختیار کر کے بھروسہ رب پر کرنا اور (اسباب پر نہ کرنا) اصل توکل ہے اور کسی ایسی بات کی
طرف قدم مت بڑھاؤ جو غیرتِ الٰہی کو جوش دینے کا سبب بن جائے۔

باب۔20

ضرورت دین اور اس کی اہمیت

فرمایا۔ تین مذاہب = دنیا کے تمام مذاہب پر اگر نگاہ کریں تو دنیا میں مذہب کہلانے کے مستحق صرف تین مذاہب ہیں چونکہ مذہب کی بنیاد دو باتوں پر ہوتی ہے ایک وہ نمائندہ جو اللہ کی طرف سے ہو' جسے نبی یا رسول کہا جاتا ہے دوسری وہ کتاب جو اللہ کا رسول یا نبی اللہ کی طرف سے پیش کرے یہ دو چیزیں بنیاد بنتی ہیں کسی مذہب کی۔ جس مذہب کے پاس یہ دو چیزیں نہیں ہیں' وہ مذہب نہیں ہے' وہ مذہب نہیں کہلاتا تو اگر ہم مذاہب کو دیکھیں تو سوائے یہودیت اور عیسائیت اور اسلام کے چوتھا کوئی مذہب یہ کلیم ہی نہیں کرتا کہ اس کے پاس اللہ کا نبی اور رسول ہے یا اس کے پاس اللہ کی کتاب ہے۔ ہندوازم کے پاس جو کتابیں ہیں' ہندو از خود کلیم یہ کرتا ہے کہ یہ ہمارے بزرگوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ اللہ کی کتاب کلیم ہی نہیں کرتے' ان کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے' ان کا غلط یا صحیح ہونا یہ موضوع بحث نہیں' موضوع یہ ہے کہ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے وہ یہ نہیں کہتا' اسی طرح بدھ مت والوں کو لے لیں' جین مت والوں کو لے لیں' وہ سارے اسی کی شاخیں ہیں' سکھ ازم کو لے لیں' اسی کی ایک شاخ ہے اور ان میں کوئی بھی اس بات کا دعویٰ نہیں کرتا کہ ان کے پاس اللہ کی کتاب ہے تو مذاہب پوری دنیا میں ہمیں صرف اس وقت تین ملتے ہیں' یہودیت' عیسائیت اور اسلام۔

فرمایا۔ مذہب کا مقصد = مذہب کیا ہے' مذہب ہے تاریکی سے روشنی کا سفر' ظلمت

سے نور کی طرف کا سفر۔ وہ ظلمت عقائد کی ہو' وہ ظلمت کردار کی ہو' دونوں طرف سے تاریکی سے نکل کر روشنی میں آنا۔ اور یہ سفر کیسے طے ہو سکتا ہے' صرف ایک ہستی کا منصب ہے کہ اس کے مبعوث ہونے کے بعد کوئی دوسرا اس کا شریک کار نہیں ہے اور نہ ہوگا اور وہ ہے محمد رسول اللہ ﷺ۔ آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات پر سارے انسانوں کا بحیثیت انسان حق ہے۔ میں یہ آپ سے نہیں چھین سکتا اور آپ مجھ سے نہیں چھین سکتے کیونکہ حضور ﷺ پر میرا بھی حق ہے اور آپ کا بھی حق ہے اور روئے زمین پر جہاں بھی کوئی سانس لیتا ہے' اس کا حق ہے۔ ہاں اگر وہ آپ ﷺ پر اپنے اس حق کو نہیں پہچان سکتا' اپنے لئے اس سے روشنی حاصل نہیں کرتا' تو یہ محرومی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

فرمایا۔ مذہب کی فطری ضرورت = عالم انسانیت میں مذہب اور عقیدہ' کسی غیبی طاقت سے تعلق جو بندے کی مدد کر سکے' اس کی بات سن سکے' دکھوں کا مداوا کر سکے' اس کے لئے اس کی ضروریات کی تکمیل میں مدد کرے' تخلیقی طور پر ایک CONCEPT ہے انسانی وجود میں ہے۔ بندہ یہ چاہتا ہے دراصل یہ جو تصور جو تخلیقی طور پر ہر انسان کے اندر موجود ہے' یہ طلب الٰہی کے لئے ہوتا ہے' اللہ جل شانہ نے انسان میں یہ خواہش رکھ دی ہے' کہ کوئی ایسی ہستی ہونی چاہئے جس کے ساتھ میرا رشتہ ہو' میرا تعلق ہو' جو میری نگہبانی کرے' میری ضروریات کی تکمیل کے اسباب فراہم کرے' جو میرے لئے بہت مہربان بہت شفیق ہو' میرے حالات سے ہر لحہ واقف ہو۔

فرمایا۔ دنیاوی مذاہب کا مقصد = دنیا کے انسانوں کے بنائے ہوئے جتنے نظام ہیں' انسانی زندگی گزارنے کے یا جنہیں معاشرے کی بہتری یا اصلاح کا نظام کہا جاتا ہے یا ان میں کچھ عقیدہ کچھ مذہب یا کچھ مذہبی رسومات شامل کر لی گئی ہیں۔ ان سب کا یہ حاصل ہے کہ خود نظام بنانے والے نظام چلانے والے اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ اس نظام کی بدولت انسانی زندگی جو ہے اور انسانی خواہشات کی تکمیل میں آسانیاں پیدا ہوتی ہیں یا انسان مزے سے زندگی گزارتا ہے۔ جتنے باطل مذاہب ہیں' ان میں جتنی مذہبی رسومات ہیں ان سب کا حاصل ہے کہ اس بت کی پوجا کرنے سے اولاد ملے گی' اس بت پر چڑھاوا چڑھانے سے بیماری چلی جائے گی' اس کی خدمت کرنے سے پیسہ بچے گا یعنی ان سب کا حاصل یہ ہے دنیا حاصل ہو جائے یہ الگ

بات ہے کہ اس سے تکمیل ہوتی ہے یا نہیں ہوتی' وہ نظریہ حق ہے' یا باطل ہے ہمیں اس سے بحث نہیں۔ بحث اس بات سے ہے کہ جتنے بھی انسانوں کے بنائے ہوئے نظام ہیں خواہ وہ سیاسی ہوں معاشی ہوں یا مذہبی ہوں' ان کا سب سے بڑا مقصد جو ہے وہ دنیوی زندگی کی سہولتیں اور ضرورتوں کی تکمیل کو قرار دیا گیا ہے۔

دین برحق اس سارے فلسفے سے الگ ایک اپنا فلسفہ پیش کرتا ہے اور اس فلسفے کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اگرچہ انسان اس دنیا میں ایک حد تک بااختیار پسند اور ناپسند کا مالک ہوتا ہے لیکن حقیقی زندگی یہ زندگی نہیں ہے' یہ حقیقی زندگی کو بنانے کے لئے' حقیقی زندگی میں کامیابیاں پانے کے لئے' یہ زندگی بطور آزمائش اور امتحان کے ہے اور جسے ہم موت کہتے ہیں اسلام کی رو سے اصل حیات کی ابتدا وہاں سے ہوتی ہے۔

موت کو سمجھا ہے غافل اختتام زندگی
ہے یہ شام زندگی صبح دوام زندگی

جسے ہم موت اور زندگی کا خاتمہ کہتے ہیں' وہ حقیقی زندگی کی ابتداء ہے اور اسلام جتنی عبادات کا حکم دیتا ہے' ان کا حاصل اخروی زندگی ہے' اسلام جتنے دنیوی کاموں کا حکم دیتا ہے' ان کا حاصل بھی اخروی زندگی قرب الٰہی اور دائمی اور ابدی زندگی کا آرام اور عزت اور سہولت ہے۔

فرمایا۔ عبادات کا مقصد = یہ سوچ کہ عبادت کے ساتھ روزی کا تعلق ہے' صحت وبیماری کا تعلق ہے' یہ مذاہب باطلہ کی دی ہوئی سوچ ہے اور جتنے باطل مذاہب ہیں' ان کی ہر عبادت کے ساتھ اجر کے طور پر کسی نہ کسی دنیوی مقصد یا فائدے کا لالچ بھی آجاتا ہے اگر دنیوی دولت یا حکومت یا اقتدار عبادت پر ملتا' تو گورباچوف کو روس کی حکومت کیوں ملتی' ہندوؤں' سکھوں' یہودیوں اور عیسائیوں کو اتنی بڑی دولت کیوں ملتی۔

فرمایا۔ ضرورت مذہب = انسانی مزاج میں اللہ رب العزت نے تخلیقی طور پر مذہب کا ایک خانہ رکھا ہے' یہ بات ہر انسان کے مزاج میں رکھ دی گئی ہے' وہ ان پڑھ ہو یا پڑھا لکھا ہو' وہ فقیر ہو یا شہنشاہ' ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ کوئی ایسی غیبی طاقت ہو' کوئی ایسی ہستی ہو جو میری حفاظت کرے' میری مشکلات آسان کرے' میرے لئے مسائل کو حل کردے' آسانیاں پیدا

کردے' دشمنوں سے تکالیف سے میری حفاظت کرے۔ اسی لئے آپ کو جہاں تک تاریخ انسانی ملے گی' ایسے انسان ملیں گے تاریخ میں جنہیں رہنے سہنے کی تمیز نہیں تھی' لباس کی تمیز نہیں تھی' کھانا بنانے کی تمیز نہیں تھی' بات کرنے کا شعور نہیں تھا لیکن مذہب کے نام پر غلط یا صحیح چند رسومات انہوں نے بھی اپنا رکھی تھیں۔ یہ بات ان کے مزاج میں بھی تھی ہے کہ کچھ ایسی رسومات کی جائیں کہ کوئی غیبی طاقت ہماری حفاظت کرے' ہمارے لئے آسانیاں پیدا کرے بیماروں کو شفادے اور محتاجوں کی احتیاج پوری کرے۔ دراصل یہ جذبہ تخلیقی طور پر رب کریم نے انسان کے مزاج میں اپنی طلب کے لئے' اپنی تڑپ کے لئے اور اپنے آپ کو پانے کے لئے رکھا ہے یہی جذبہ تخلیقی طور پر انسان کے مزاج میں رکھا ہے۔ اب اس خانے کا صحیح حل یا صحیح جو جواب ہے' وہ تو صرف انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام نے اور اللہ کے رسولوں نے انسانیت کو بخشا لیکن بہت سے دنیاوی فائدہ اٹھانے والوں نے انسان کی اس جبلت سے بھی فائدہ اٹھایا اور اسے جھوٹ موٹ کچھ رسومات سکھا کر اس بات پر قائل کر لیا کہ یہ رسم کرنے سے یہ نتیجہ نکلے گا' یہ کرنے سے تمہارا یہ کام ہو جائے گا اس طرح ہمیشہ سے الہامی دین کے ساتھ ایک متوازی دین چلتا رہا۔

فرمایا۔ مذاہب باطلہ کا مقصد = جتنے مذہب باطلہ اور گمراہ فرقے مذہب کے نام پر وجود میں آئے ہیں' ان سب میں یہی بنیادی فلسفہ ہے کہ انسان کو مختلف منافع کا لالچ دے کر یا مختلف چیزوں سے ڈرا کر مختلف دروازوں پہ جھکاتے ہیں کبھی دیوی دیوتاؤں کے سامنے کبھی مختلف فرضی طاقتوں کے سامنے' مختلف انسانوں کے سامنے' مختلف حکمرانوں کے سامنے جھکاتے ہیں۔

جب ہم دنیاوی کاموں کے لئے اللہ کی اطاعت چھوڑ دیتے ہیں دولت جمع کرنے کے لئے اللہ کی اطاعت چھوڑ دیتے ہیں تو ان سب امور میں دراصل ہم عبادات ان ہی لوگوں کی کر رہے ہوتے ہیں' اس ہستی کی جس کو راضی کرنے کے لئے یا جس سے فائدہ اٹھانے کے لئے ہم اللہ کی اطاعت کو چھوڑ دیتے ہیں وہ ہماری الٰہ بن جاتی ہے۔

فرمایا۔ مذہب و عقل = انسانی نفسیات کی بنیادی بات یہ ہے کہ ہماری سوچ کی ایک حد ہماری عقل' ہماری کوشش اور ہماری محنت ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھتی اور وہ ہے جسم انسانی کی ضرورت اس کی آسائشیں اور آرام۔ ہماری آنکھیں اس سے آگے بہت کم جھانکنے

کی کوشش کرتی ہیں کہ جس چیز کی وجہ سے یہ جسم کوئی قیمت رکھتا ہے' وہ قابل توجہ ہے مگر اس کی حقیقت اس کی ضروریات براہ راست ذہن انسانی تک نہیں پہنچ سکتیں۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے تین سو برس کا زمانہ گزرا ہے اسے دور فترت کہتے ہیں' اس میں کسی نبی کی کوئی آسمانی کتاب باقی نہیں رہی تھی اگر کوئی آسمانی کتاب پائی جاتی تھی' تو وہ اصل کتاب نہ تھی' وہ اللہ کا کلام نہ تھا بلکہ مختلف انسانوں نے اپنے ذہن سے مضمون تیار کر کے اس پر اللہ کی کتاب کا لیبل لگا رکھا تھا' اس دور میں بڑے بڑے فلاسفر شاعر ادیب طبیب پیدا ہوئے مگر سب کی دوڑ جسم اور اس کی آسائشوں تک رہی جسم کے اندر اصل انسان کے متعلق کسی نے کچھ نہ سوچا اور نہ مخلوق کو خالق سے آشنا کرنے کے لئے کسی علم و فن کا کوئی ماہر منصہ شہود پر آیا۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ اس دور میں ایسے ذہین لوگ ملتے ہیں جو اس کائنات کے نظام پر غور کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ نظام کتنا مربوط ہے لہٰذا لازماً" کوئی ایسی ہستی ہے کوئی ایسی زبردست قوت ہے جو اس سارے نظام کو پوری ہم آہنگی کے ساتھ چلا رہی ہے لیکن وہ ہستی کون ہے' یہ بتانے والا کوئی نہیں تھا۔

فرمایا۔ مذہب کی اقسام = انسان مادی دنیا میں ہر موضوع پر تجربات کرتا رہتا ہے' کوئی کھانا پکانے میں لگا ہوا ہے' تو وہ اس کے متعلق تجربات کرتا رہتا ہے مختلف اغذیہ مختلف چیزیں بناتا رہتا ہے کوئی کاریگر ہے' کسی فن کا مستری ہے' تو وہ اپنے فن میں مختلف چیزیں بناتا رہتا ہے کوئی سائنٹسٹ ہے' تو وہ سائنس کے مختلف تجربات کرتا رہتا ہے' نئی نئی چیزیں ایجاد کرتا ہے۔ اسی طرح بعض لوگ روحانی دنیا کے اندر بعض تجربے کرتے ہیں اور مختلف مجاہدوں سے مختلف قسم کی قوتیں حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ روحانیت ایک عظیم موضوع ہے' چونکہ روح ہر انسان میں موجود ہے تو روحانیت کی تلاش بنیادی طور پر انسانیت میں موجود ہے کوئی بھی مذہب کوئی بھی مسلک ہو وہ اس طرف کوشش ضرور کرتا ہے یعنی ہر مسلک ہر مذہب ہر مکتب فکر میں ایسے لوگ ضرور ملتے ہیں' جو اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں' اسی طرح یہ لوگ بھی ملتے ہیں۔ مذہب بنیادی طور پر دو ہیں ایک کفر اور ایک اسلام

فرمایا۔ وحدانیت = دنیا کا کوئی مذہب اللہ کے وجود کا منکر نہیں ہے' بت پرست بھی بتوں کو شریک بھی بناتے ہیں مگر اس کی ذات کا انکار نہیں کرتے اگر انکار کرتے' تو پھر شرک کس بات کا۔ اس کی ذات کو مان کر پھر دوسروں کو شریک کرتے ہیں' ہندوؤں کو آپ دیکھیں' ہندوستان کے ہندوؤں کے جو دیوی دیوتائیں کتابی طور پر جس کے نام کی پوجا ہوتی ہے' معروف ہیں' ان کی تعداد کم و بیش چھتیس ہزار ہے۔ اس برصغیر میں ہندو قوم جتنے دیوی دیوتاؤں کو پوجتی ہے ان کی تعداد کتابی اعتبار سے چھتیس ہزار ہے۔ چھتیس ہزار دیوی دیوتاؤں کو پوجنے والی قوم بھی یہ کہتی ہے ایک مہادیو ہے' جو ان سب کا اکیلا حکمران ہے۔